عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادرِ روزگار،
اور معرکہ آرا کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب شرح

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

15

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے، حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اِس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس و ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ
ملتان

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار، اور معرکہ آراء کتاب مثنوی معنوی کی جامع اور لاجواب اُردو شرح

از:

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

جلد ۱۵

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ، ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں. مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے.
حضرت حکیم الامت نے اشعار مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے. حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنیوالی اور کوئی شرح نہیں لکھی گئی.

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ • ملتان

ربع ثالث دفتر رابع

قال تعالیٰ کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم آیٰتنا و یزکیکم و یعلمکم
الکتٰب والحکمۃ و یعلمکم ما لم تکونوا تعلمون

چوں در کریمہ صدر قولہ یتلوا و یعلمکم الکتٰب بر فضل علم نظم و معنی و قولہ یزکیکم بر شرف علم کلام و عقائد
و علم سلوک و قولہ والحکمۃ بر مزیت علم اسرار و علم اصول دال باوضع بیان رسید ازاں جزو بودن
تصوف کہ مشتمل بر سلوک و اسرار ست از علم دین نیک عیان ست و باتفاق اہل مذاق مثنوی را در کتب
این فن خاص شان ست لاکن از اغلاقش محتاج تبیان ست و بنا بر علیہ این شرح اردو کہ معنونش را

عنوان ست این ربع ثالث از دفتر رابع ازاں ست (بالفاظ و عبارت (مولوی) شبیر علی و
مولوی حبیب احمد سلمہما اللہ کہ ہر یکے از ایشان برائے صاحب معانی یعنی حکیم الامت
حضرت مولانا اشرف علی صاحب دام ظلہم بمنزلہ لسان ترجمان ست) در اصل متن را چناں
حل کردہ کہ نہایت امکان ست و مسائل را بطورے تقریر نمودہ کہ ہم موافق تحقیق اہل اتقان و ہم
مطابق حدیث و قرآن ست و اشکالات و اغلاط را بطرزے دور ساختہ کہ موجب اطمینان و امان ست
و جابجا ملفوظات سیدنا الحاج محمد امداد اللہ رحمہ کہ مطرب آگین و منشط اذہان ست ہم درو مطابق نمودہ

حسب فرمائش

محمد شبیر علی مالک اشرف المطابع تھانہ بھون ضلع مظفر نگر طابع شد

کلید مثنوی ربع ثالث شرح دفتر چہارم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شرح حبیبی

امیر گردانیدن رسول علیہ السلام جوان ہذیلی را بر سریہ کہ دراں پیران وجنگ آزمودگان بودند،

یک سریہ می فرستادے رسول ۔ بہر جنگ کافر ودفع فضول
یک جوانے را گزیدا واز ہذیل ۔ میر لشکر کردش وسالار خیل
اصل لشکر بیگماں سرور بود ۔ قوم بے سرور تن بے سر بود
ایں ہمہ کہ مردہ وپژمردۂ ۔ زاں بود کہ ترک سرور کردۂ
از کسل وز بخل وز ناومنی ۔ می کشی سر خویش را سر میکنی
ہمچو استورے کہ بگریزد زبار ۔ او سر خود گیرد اندر کوہسار
صاحبش در پئے دواں کاے خیرہ سر ۔ ہر طرف گرگیست اندر قصد خر

ع یہ ربع ثالث کلید مثنوی دفتر چہارم کا شرح شبیری سے خالی ہے اسی طرح ربع رابع بھی سان دونوں ربع میں صرف شرح حبیبی ہے اسی طرح دفتر پنجم کا ربع ثانی وثالث ورابع ۔ اسکا صرف ربع اول دونوں شرحوں پر مشتمل ہے جسکی وجہ یہ ہوئی کہ دفتر چہارم کے ربع ثالث ورابع کے اور اسی طرح دفتر پنجم کے ربع ثانی وثالث ورابع کے درس کا اتفاق نہیں ہوا چنانچہ یہ امر تمہید کلید مثنوی دفتر خامس کے ایک منہیہ سے اجمالاً ظاہر ہے اور شرح شبیری درس ہی کے تابع تھی اسی بناء پر تناسب حجم کے لحاظ سے میں مہتمان طبع کو مشورہ دیتا ہوں کہ چہارم کے ان دونوں ربع کو اور اسی طرح

گر ز چشم ایں زماں غائب شوی،	پیش آید ہر طرف گرگ قوی
استخوانت را نخاید چوں شکر	کہ نہ بینی زندگانی را دگر
آں مگیر آخر بمانی از علف	آتش از بے ہیزمے گردد تلف
ہیں بگریز از تصرف کردنم	وز گرانباری کہ جان تو منم
تو ستوری ہم کہ نفست غالب است	حکم غالب را بود اے خود پرست
خر نخواندت اسپ خواندت ذوالجلال	اسپ تازی را عرب گوید تعال
میر آخر بود حق را مصطفیٰ	بہر استوراں نفس پر جفا،
قل تعالوا گفت از جذب کرم	تا ریاضت تاں دہم من رائضم
نفسہا را تا مروض کردہ ام	زیں ستوراں بس لگدہا خوردہ ام
ہر کجا باشد ریاضت بارہٗ	از لگدہائش نباشد چارہٗ
لاجرم اغلب بلا بر انبیا است	کہ ریاضت دادن خاماں بلا است
سکسکا یند از دمم یرغا روید	تا یواش و مرکب سلطاں شوید
قل تعالوا قل تعالوا گفت حق	اے ستوران ملول اندر سبق
قل تعالوا قل تعالوا گفت رب	اے ستوران رمیدہ از ادب
قل تعالوا قل تعالوا گفت حے	اے ستوران فسردہ رگ و پے
گر نیایند اے نبی غمگیں مشو	زاں دو بے تمکیں تو پر از کیں مشو
گوش بعضے زیں تعالوہا کر است	ہر ستورے را صطبلے دیگر است
منہزم گردند بعضے زیں ندا	ہست ہر اسپے طویلہ او جدا

منقبض گردند بعضے زیں قفص | زانکہ ہر مرغے جدا دارد قفص

خود ملایک نیز ناہمتا بُدند | زیں سبب بر آسماں صف صف شدند

کودکاں گرچہ بیک مکتب درند | در سبق ہر یک زیک بالاترند

مشرقی و مغربی را حسہاست | منصب دیدار حس چشم راست

صد ہزاران گوشہا گر صف زنند | جملہ محتاج ان چشم روشن اند

باز صف گوشہا را منصبے | در سماع جان و اخبار و نبے

صد ہزاران چشم را آں راہ نیست | ہیچ چشمے از سماع آگاہ نیست

ہمچنیں ہر حس یکایک می شمر | ہر یکے معزول زاں کار دگر

پنج حس ظاہر و پنج اندروں | در صف اند اندر قیام الصافوں

ہر کسے کو از صف دیں سرکش است | میرود سوئے صفے کان ناخوش است

تو ز گفتار تعالوا کم مکن | کیمیائے بس شگرفست ایں سخن

گر کسے گردد ز گفتارت نفیر | کیمیا را ہیچ از وے وا مگیر

ایں زماں گر بستہ نفس ساحرش | گفت تو سودش کند در آخرش

قل تعالوا قل تعالوا اے غلام | ہیں کہ ان اللہ یدعوا بالسلام

خواجہ باز آ از منی و از سری | سروری جو کم طلب کن سروری

اوپر سے مولانا فضیلت عقل بیان فرمارہے تھے۔ اس بیان سے یہی مقصود ہے جب مقصود کلام معلوم ہوگیا تو اب حل کلام سنو۔ مولانا فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کفار کی سرکوبی اور انکی بیہودگی دفع کرنے کیلئے ایک دستہ فوج روانہ فرمانا چاہتے تھے اسکی سری کیلئے آپ نے قبیلہ ہذیل کے ایک جوان کو منتخب کیا اور اسکو اس لشکر کا افسر اور اس گروہ کا سردار

مقرر فرمایا اور سردار مقرر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ لشکر کی قوت کا مدار افسر ہی پر ہوتا ہے اور جو جماعت بے سردار ہو وہ ایسی ہے جیسے بے سر کا جسم جو کسی کام کا نہیں ہوتا۔ یہاں سے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے مخاطب کا منا من کان تو جو مردہ اور پژمردہ ہے اسکی وجہ یہی ہے کہ تو کسی سردار کا ماتحت اور کسی شیخ کا دامن تھامے ہوئے نہیں ہے بلکہ کاہلی اور بخل اور نفسانیت کے سبب سرکشی کرتا ہے اور خود اپنے کو اپنا ہی یا دوسروں کا بھی سردار بناتا ہے (یعنی تیری خود سری کا منشا تین امور ہیں اول کاہلی کیونکہ کسی کا مطیع ہو کر کام کرنا پڑیگا۔ جو کہ عدم اطاعت کی حالت میں نہیں کرنا پڑتا۔ دوم بخل کیونکہ اطاعت کی صورت میں مطلوبات خسیسہ کو چھوڑنا پڑیگا جنکو عدم اطاعت کی صورت میں نہیں چھوڑنا پڑتا۔ تیسری خودی کیونکہ اطاعت کی صورت میں اپنے کو مٹانا پڑیگا جو کہ عدم اطاعت کی صورت میں نہیں کرنا پڑتا) پس تیری ایسی مثال ہے جیسے ایک گھوڑا بوجھ کے خوف سے پہاڑوں میں بھاگ جاوے اور خود سر ہو جاوے اور اسکا مالک اُسکے پیچھے دوڑتا ہو اور کہتا ہو کہ اے دیوانہ پہاڑوں میں ہر طرف بھیڑیے ہیں۔ جو تجھسے گدھوں کے فکر میں ہیں پس اگر تو اسوقت میری نظر سے غائب ہو جاویگا تو ہر طرف تجھے ایک مضبوط بھیڑیئے کا سامنا ہوگا اور وہ تجھے شکر کی طرح سے یوں مزہ لے لیکر کھاویگا کہ پھر تجھے زندگی کی صورت نظر نہ آئیگی اگر یہ بھی نہو تو کم سے کم یہ تو ہوگا کہ تجھے چارہ نہ ملے گا اور تو بدون غذا کے مرجاویگا۔ جیسے بے ایندھن کے آگ فنا ہو جاتی ہے۔ دیکھ تو میرے تصرف کرنے سے اور بوجھ کی گرانی سے نہ بھاگ۔ کیونکہ میں تیری جان کا محافظ ہوں اسلئے گویا کہ تیری جان ہوں اور میرا تصرف تیرے اندر ایسا ہے جیسا جان کا تصرف جسم میں اسلئے مجھسے بھاگنا گویا کہ اپنی جان سے بھاگنا ہے۔ پس تو بھی ایک گھوڑا ہے کیونکہ تیرا نفس تجھ پر غالب ہے جو کہ سرکشی اور قابلیت تربیت و اصلاح میں گھوڑے کے مشابہ ہے اور حکم غالب پر ہوتا ہے اسلئے تو گھوڑا ہی ہے۔ ہمنے تجھے گھوڑا کہا اور گدھا نہیں کہا اسکی وجہ یہ ہے کہ حق سبحانہ نے تجھے گدھا نہیں کہا بلکہ گھوڑا کہا ہے (اور منشا اُسکا وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ گھوڑا گو سرکش ہوتا ہے مگر قابل تربیت و اصلاح ہوتا ہے برخلاف گدھے کے) رہی یہ بات کہ حق سبحانہ نے تجھے گھوڑا کیسے کہا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ عرب جب عربی گھوڑے کو بلاتے ہیں تو کہتے ہیں تعال تعال اور حق سبحانہ نے جب تجھکو بلایا ہے تو لفظ تعال استعمال کیا ہے۔ اور چونکہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اسکی

طرف سے ان گھوڑوں یعنی نفوس ظالمہ کے سدھانے کیلئے سردار مقرر کئے گئے ہیں اسلئے اس نے جذب
کے سبب جسکا منشا فضل محض ہے ان سے فرمایا ہے کہ اپنے گھوڑوں سے کہدو تعالوا اتل ما حرم علیکم
جسکا حاصل یہ ہو کہ تم میری طرف آؤ تاکہ میں تمہیں سدھاؤں کیونکہ میں تمہارا سدھانے والا ہوں چونکہ
جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ان گھوڑونکی سدھانے کی خدمت تفویض ہوئی تھی اسلئے آپنے
انہیں حتی الامکان سدھایا اور یہ فرمایا کہ جسوقت سے میں نے اصلاح نفوس اور انکو شایستہ کرنیکی خدمت
انجام دینی شروع کی ہے اسوقت سے اسوقت تک میں ان گھوڑونکی بہت سی لاتیں کھاچکا ہوں
اور ایسا ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ قاعدہ ہے کہ جہاں کہیں زیر تربیت گھوڑا ہوتا ہے اسکی لاتیں
کھانی ہی پڑتی ہیں (ف ریاضت بارہ بمعنی بارہ ریاضت۔ اے اسپیکہ مروض کردہ میشود
پس بارہ بمعنی اسپ ہے اور اضافت مقلوبی بادنی ملابست ہے۔ اور محشین نے بارہ کے معنی خود خصلت
یا دوست یا طرز وروش کیلئے ہیں اے کسیکہ دوست ریاضت کردن یا خود خصلت اور ریاضت
کردن یا طرز وروش اور ریاضت کردن باشد واللہ اعلم) یہی وجہ ہے کہ زیادہ مصیبت انبیا
کو ہے کیونکہ انکو ناقصین کے شایستہ کرنے کی خدمت سپرد ہوتی ہے اور ناقصین کو شائستہ
کرنا ایک مصیبت ہے نیز آپنے فرمایا ہے کہ اے گھوڑو تم بے راہ ہو آؤ مجھسے تعلیم حاصل کرو۔ تاکہ اول
تم رہوار ہو جاؤ اور اسکے بعد شاہی سواری کے لائق ہو جاؤ یعنی اسوقت تم گمراہ ہو۔ میری تعلیم سے
اول تم مطلق مومن یا مومن کامل ہو گے اسکے بعد تم مومن کامل یا اکمل ہو جاؤ گے (ف تشقیق
اختلاف احوال پر مبنی ہے اور مرکب سلطان عطف تفسیری ہے یواش کیلئے) اے سبقت الی
العاقبۃ سے دل تنگ گھوڑو سا اور اے شایستگی سے بھاگے ہوئے گھوڑو اور اے رگ وپے کھٹے
ہوئے گھوڑو میں تمہیں اسلئے بلاتا ہوں کہ حق سبحانہ نے مجھے حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ تم ان سے
کہو کہ آؤ اور شایستگی سیکھو۔ لیکن اسکے ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا ہے کہ اگر یہ نہ آئیں تو آپ رنج نکریں
اور ان چند بیہودہ لوگوں کے نہ آنے سے مکدر نہوں اور یہ نہ آنے والے تین قسم کے لوگ ہیں۔ کچھ تو
بہرے ہیں اسلئے وہ سنتے ہی نہیں اور کچھ سنتے ہیں مگر سنکر بھاگتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو بھاگتے
تو نہیں مگر منقبض ہوتے ہیں اور بشاشت کے ساتھ آپ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے۔ (میرے
نزدیک بہرے لوگ تو وہ ہیں جو نہ آپ کی موافقت کرتے ہیں اور نہ مخالفت اور بھاگنے والے وہ ہیں

جو مزاحمت کرتے ہیں اور منقبض وہ لوگ ہیں جو کسی غرض دنیوی سے آپکی دعوت کو قبول فرماتے ہیں) اور وجہ اس اختلاف کی یہ ہے کہ ان گھوڑوں میں سے ہر ایک کیلئے جدا اصطبل ہے اور ان جانوروں میں سے ہر ایک کیلئے علیحدہ پنجرہ ہے یعنی ہر ایک کیلئے ایک جداگانہ حالت مقدر ہے جسپر وہ باختیار خود قائم رہیگا۔ اور اس سے آگے نہ بڑھیگا۔ اور یہ اختلاف احوال کچھ انسانوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ فرشتے بھی سب یکساں نہیں ہیں۔ اسی سبب سے ان کے مراتب میں بھی اختلاف ہے۔ کہ کچھ اگلی صف میں ہیں اور کچھ اس سے پچھلی میں وھکذا۔ ہم اس مضمون کو ایک مثال حسی سے ثابت کرتے ہیں۔ دیکھو لڑکے ایک مکتب میں ہوتے ہیں اور سب تحصیل علم میں مشغول ہوتے ہیں اور اپنی مقدور بھر اسمیں کمی نہیں کرتے۔ مگر سبق میں پھر بھی ایک دوسرے سے آگے پیچھے ہوتے ہیں اسکی وجہ نقصان وکمال استعداد فطری ہی ہے۔ علی ہذا تمام اہل مشرق ومغرب متعدد حواس رکھتے ہیں مگر دیکھنا آنکھ ہی کا کام ہے۔ چنانچہ اگر لاکھوں کان بھی مجتمع ہو جاویں تو یہ کام نہ دے سکیں گے اور اسمیں آنکھ ہی کے محتاج رہیں گے۔ علی ہذا کانوں کی صف کا استماع حال واخبار قرآنیہ کے بارہ میں ایک خاص منصب ہے جس تک لاکھوں آنکھوں کی رسائی نہیں کیونکہ دیدۂ آنکھ سننا نہیں جانتی پس تم اسی طرح ایک ایک حس کو گن جاؤ اور اسکو دوسری حس کی کام سے معزول سمجھو غرض کہ پانچ حواس ظاہری ہیں اور پانچ باطنی اور سب کے سب ایک ایک صف میں صف بستہ کھڑے ہیں یہ تفاوت واختلاف کیوں ہے محض اختلاف استعدادات کے سبب بس یہی حالت لوگوں کی ہے اور وہ مختلف صفوں میں کھڑے ہیں اور اپنی صف کے علاوہ دوسری صف سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے اسی لئے جو شخص صف اہل دین سے برگشتہ ہے وہ اسی صف میں جائیگا جو اچھی نہیں ہے یعنی صف اہل دنیا میں مگر تم بلانے میں کمی نکرو اور آؤ آؤ کہے جاؤ کہ یہ کلام عجیب کیمیا اثر ہے۔ پس اگر تا نبا زنا قسین) آپکے اس قول سے بھاگے تو آپ اس کیمیا اثر کلام سے اس سے دریغ نکریں کیونکہ گو اسکا نفس جادوگر اسوقت بھرا ہے لیکن ایک وقت میں اسے فائدہ دیگا خواہ اسکے بعض افراد ہی کو دے مگر دیگا ضرور۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اسکے کسی فرد کو بھی مفید نہو) پس آپ انہیں ہدایت کی طرف بلائے دیکھئے ہم انہیں سلامتی کے ساتھ بلاتے ہیں اسلئے آپ بھی ہمارا اتباع کیجئے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ اے شخص جب تجھے یہ مضمون معلوم ہو گیا تو

تخودی اور سرداری سے باز آ اور سرداری طلب مت کر بلکہ کوئی سردار ڈھونڈھ اور اسکا اتباع کر
خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا اب اصل قصہ سنو۔

اعتراض کردن معترضے بر رسولؐ را امیر گردانیدن ہذیلی

چون پیمبر سرورے گردانی ہذیل ۔۔۔ از برائے لشکر منصور خیل

بو الفضولے از حسد طاقت نداشت ۔۔۔ اعتراض و لانسلم بر فراشت

خلق را بنگر کہ چون ظلمانی اند ۔۔۔ در متاع فانیے چون فانی اند

از تکبر جملہ اندر تفرقہ ۔۔۔ مردہ از جان زندہ اندر مخرقہ

این عجب کہ جان بزندان اندر است ۔۔۔ وانگہے مفتاح زندانش بدست

پائے تا سر غرق سرگین ایجوان ۔۔۔ میزند بر دامنش جوئے روان

دائما پہلو بہ پہلو بیقرار ۔۔۔ پہلوئے آرامگاہ و پشت دار

نور پنہانست جست و جو گواہ ۔۔۔ گر گزاف دل نمی جوید پناہ

گر نبودے حبس دنیا را مناص ۔۔۔ نے بدے وحشت نہ دل جستے خلاص

وحشتت ہمچون موکل مے کشد ۔۔۔ کہ بجو اے ضال منہاج رشد

ہست منہاج و نہان در مکمن است ۔۔۔ یافتش رہن گزافہ جستن است

تفرقہ جویائے جمع اندر کمین ۔۔۔ تو درین طالب رخ مطلوب بین

مردگان باغ برجستہ ز بن ۔۔۔ کان دہندہ زندگی را فہم کن

چشم این زندانیان ہر دم بدر ۔۔۔ کے بدے گر نیستے کس مژدہ ور

صد ہزار آلودگان آب جو ۔۔۔ کے بدندے گر نبودے آب جو

بر زمین پہلوت را آرام نیست | زانکہ در خانہ لحاف و بستر نیست
بے مقرگاہے نباشد بیقرار | بے خمار اشکن نباشد این خمار
گفت نے نے یا رسول اللہ مکن | سرور لشکر مگر شیخ کہن
یا رسول اللہ جوان ار شیرزاد | غیر مرد پیر سر لشکر مباد
ہم تو گفتستے و گفت تو گوا | پیر باید پیر باید پیشوا
یا رسول اللہ درین لشکر نگر | ہست چندین پیر و از وے بیشتر
زین درخت آن برگ زردش را مبین | سیبہائے پختۂ او را بچین
برگہائے زرد او خود کے تہی است | این نشان پختگی و کاملی است
برگ زرد ریش و آن موی سپید | بہر عقل پختہ می آرد نوید
برگہائے نو رسیدہ سبزفام | شد نشان آنکہ آن میوہ است خام
برگ بے برگی نشان عارفی است | زردی از سرخروئی صیرفی است
آنکہ او گل عارضست و نوخط است | او بمکتب گاہ مخبر نوخط است
حرفہائے خط او کژمژ بود | ہر من عقل اگر تن می دود
پائے پیر از سرعت ارچہ باز ماند | یافت عقل او دو پر بر اوج راند
گر مثل خواہی بجعفر در نگر | داد حق بر جائے دست و پاش پر
گر نہ اسرار سخن بوئے بری | من سخن گویم چو زر جعفری
بگذر از زر کاین سخن شد محتجب | ہمچو سیماب این دلم شد مضطرب
زاندرونم صد خموشی خوش نفس | دست بر لب می زند یعنی کہ بس

خامشی بحر است و گفتن همچو جو — بحر میجوید ترا جو را مجو

از اشارتهائے دریا سر متاب — فهم کن و الله اعلم بالصواب

همچنیں پیوسته کرد آں بے ادب — پیش پیغمبر سخن زاں سر و لب

دست مے دادش سخن او بیخبر — که خبر هرزه بود پیش نظر

ایں خبرها از نظرها نائب است — بهر حاضر نیست بهر غائب است

هر که او اندر نظر موصول شد — ایں خبرها پیش او معزول شد

چونکه با معشوق گشتی همنشیں — دفع کن دلالگان را بعد ازیں

هر که از طفلی گذشت و مرد شد — نامه و دلاله بروے سرد شد

نامه خواند از پئے تعلیم را — حرف گوید از پئے تفهیم را

پیش بینایاں خبر گفتن خطا است — کایں دلیل غفلت و نقصان ماست

پیش بینا شد خموشی نفع تو — بهر ایں آمد خطاب انصتوا

گر بفرماید بگو بر گوئے خوش — لیک اندک گو دراز اندر مکش

در بفرماید که اندر کش دراز — همچناں شیریں بگو با امر ساز

همچناں که من دریں زیبا فسوں — با ضیاء الحق حسام الدین کنوں

چونکه کوته می کنم من از رشد — او بصد نوعم بگفتن می کشد

اے حسام الدین ضیاء ذو الجلال — چونکه می بینی چه میجوئی مقال

ایں مگر باشد ز حب مشتهی — اسقنی خمرا و قل لی انها

بر دهان تست ایندم جام او — گوش میگوید که قسم گوش کو

قسم تو گر بیست تنگ گر بیست ہست | گفت حرص من ازیں افزوں تر است

غرض کہ جب انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہذیلی کو اپنے مظفر و منصور لشکر کا سپہ سالار بنایا تو ایک بیہودہ کو مارے حسد کے تاب نہ رہی اور اس نے آپ کی مزاحمت اور سرکشی کا جھنڈا بلند کیا یہاں سے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لوگونکو کہ چونکہ یہ بے نور ہیں اسلئے ایک فانی سامان (جاہ) پر کیسے مٹے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ تکبر کے سبب آپس میں ایک دوسرے سے جدا ہیں اور ہر شخص اپنے نفع کا خواہاں ہے اور دوسرے کے فائدہ کو نہیں دیکھ سکتا اور جو حقیقت میں جان ہے یعنی ہدایت اس سے انہیں موت آتی ہے اور جو آگ انہیں جلا کر خاک کر دینے والی ہے یعنی ضلالت اس میں یہ لوگ زندہ اور خوش و خرم ہیں اب مولانا فرماتے ہیں کہ تعجب ہے کہ اس جیلخانہ کی کنجی ان کے قبضہ میں ہے مگر یہ اس جیلخانہ ضلالت میں محبوس ہیں اور ہدایت کی ندی ان سے ملی ہوئی چل رہی ہے مگر یہ نجاست ضلالت میں سرتاپا غرق ہیں اور بےچینی سے کروٹیں بدلتے ہیں حالانکہ آرامگاہ اور گاؤ تکیہ ان کے پاس موجود ہے۔ کیونکہ نور ہدایت جو کہ آرام گاہ ہے فی نفسہ موجود اور تیسیر الحصول ہے مگر مخفی ہے اور دلیل اسکے وجود کی اسکی جستجو طلب قلب ہے کیونکہ اگر دل کا مزاج فاسد نہ ہو گیا ہو بلکہ ضرور کوئی ایسی شئے ہے جو اسکو اس تکلیف سے بچا سکتی ہے کیونکہ اگر اس قید سے رہائی کی کوئی صورت نہ ہوتی تو نہ دل اس سے متوحش ہوتا اور نہ چھوٹنے کی خواہش کرتا۔ پس ثابت ہوا کہ کوئی ایسی شئے ضرور ہے جو اسے اس قید سے چھڑا سکتی ہے اور وہ راہ ہدایت ہے اور یہ تیری وحشت تجھپر حق سبحانہٗ کی طرف سے مسلط کیگئی ہے تاکہ تقاضا کرے کہ اے گمراہ راہ ہدایت تلاش کر۔ بس یہ راہ ضرور موجود ہے مگر مخفی ہے اور اسکے پانے کا طریقہ یہ ہے کہ اٹکل پچو ڈھونڈھنا شروع کر دیا جاوے اس طرح وہ ضرور ملجاویگا۔

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید | خیرہ یوسف وار می باید دوید

تمہارا توحش طالب جمعیت ہے پس تمکو اس طالب (توحش) میں اسکے (مطلوب جمعیت) کا مشاہدہ کرنا چاہئے۔ اور اسکے وجود سے اسکے وجود پر استدلال کرنا چاہئے۔ نیز باغ کے خشک درخت جڑوں سے ہو کر کہتے ہیں کہ تم اس سے زندگی عطا کرنے والے کا پتہ چلاؤ۔ کیونکہ کوے حیات بخش تھا تو ہم زندہ ہوئے ورنہ ہم زندہ کیونکر ہو سکتے تھے۔ اسی طرح توقع رہائی وجود رہائی پر دلالت

کرتی ہے۔ کیونکہ اگر رہائی کا وجود ہی نہوتا اور رہائی کی خوشخبری دینے والے کے آنے کی امید ہی نہوتی تو بھلا کہیں قیدیوں کی آنکھیں دروازہ کو لگی ہوئیں کبھی نہیں ۔پس معلوم ہوا کہ دل کی توقع ہدالت کی دلیل ہے ۔ اسکے وجود کی اور اسکی توقع کی دلیل اسکی بیچینی ہے کیونکہ جب تک کسی شئے کی توقع نہیں ہوتی اسوقت تک اسکے لئے بے چینی بھی نہیں ہوتی ۔چنانچہ تمکو زمین میں چین اسی لئے نہیں آتا کہ تمھارے گھر میں لحاف اور بستر موجود ہے اور تمھیں ان سے تمتع کی امید ہے ورنہ تمھاری یہ حالت نہوتی ۔کیونکہ کوئی شخص بدون آرام وہ شئے کے توقع کے بیقرار نہیں ہوتا ۔ اور یہ ت. بدون اسکے آثار کے امید کے نہیں ہوتا خیر یہ مضموں تو استطرادی تھا اب ہم پھر مضمون سابق کی طرف عود کرتے ہیں سنو ۔ اس نے کہا ہرگز ایسا نہونا چاہیئے اور کسی سن رسیدہ شخص کے سوا آپ کسی کو سپہ سالار نہ بنائیں یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اگر جوان شیر کا بچہ بھی ہو تب بھی سپہ سالار بوڑھا ہی ہونا چاہیئے ہیں اپنے بیان کی تائید میں خود حضورؐ ہی کا ارشاد پیش کرتا ہوں حضور نے فرمایا ہے کہ مقتدا بوڑھا ہونا چاہیئے پس آپ اس لشکر کو ملاحظہ فرمایئے اسمیں اتنے بوڑھے لوگ موجود ہیں ان میں سے جسکو حضورؐ چاہیں سپہ سالار بنادیں ۔آپ ان درختوں کے زرد پتے نہ دیکھئے بلکہ ان کے پختہ سیبوں سے منتفع ہوجیئے نیز ان کے زرد پتے بھی میرے دعوی پر دلالت سے خالی نہیں ہیں کیونکہ یہ دلیل ہیں انکی پختگی اور کمال کی یعنی انکی ڈاڑھی اور سکے سفید بال انکی عقول کی پختگی کی دلیل ہیں برخلاف اسکے سبز رنگ اور نئے پتے یعنی سیاہ بال اور خط نو دلیل ہے اسبات کی کہ میوہ عقل خام ہے اور گو وہ بے ثمر سامان ہیں کیونکہ ان میں لطافت وغیرہ کچھ نہیں مگر انکا یہ سامان بے سامانی ہے ان کے عاقل وعارف باحوال اسور ہونے کی علامت ہے اور گو ان کے پتے زرد ہیں مگر یہ زردی خود حضورؐ کی سرخروئی کا سبب ہے جسطرح کہ سونے کی زردی صراف کی سرخروئی کا سبب ہوتی ہے کیونکہ وہ شاہد ہے اسکے تبصر اور تنقید کے صواب ہونے پر ۔ **ف** ولی محمد نے برگ بے برگی کو انتقال قرار دیا ہے اور مطلب کی تقریریوں کی ہے "عارف کامل آنست کہ از ہمہ رنگہا بیرنگ بود و ہیچ وصفے وکمالے مقید نباشد چنانچہ گفتہ اند کہ بعضے بصفات چوں توکل وتسلیم وعشق ومحبت نشان نداند وبعضے بے نشان اند و کمال در بے نشانی است اھ" لیکن ہمیں اس مضمون کو نہیں

سمجھ سکا مع ھذا دوسرے مصرع کی تقریر نہیں کی اور نہ اسکا پہلے مصرع کے ساتھ ربط بتلایا)
اور جو لوگ گلرخسار ہیں اور ابھی سبزہ آغاز ہوا ہے وہ واقفیت اور دانش کے لحاظ سے طفل مکتب
اور نو آموز ہے اس کے حروف (تدابیر) ٹیڑھے ویڑھے ہوں گے اور اگرچہ اسکا جسم دوڑا کرتا ہے مگر
اسکی عقل اپاہج ہے اور کچھ کام نہیں کرسکتی اور بڈھے کے پاؤں تو ضرور رہجاتے ہیں اور وہ
بخوبی حرکت نہیں کرسکتا۔ لیکن ان کے معاوضہ میں اسکی عقل کو دو پر ملجاتے ہیں اور وہ بلند
پرواز ہو جاتی ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں اگر تم اسکی نظیر چاہتے ہو تو جعفر بن ابی طالب رض کو دیکھو
کہ جب غزوہ موتہ میں اُن کے ہاتھ پاؤں کٹ گئے اور وہ شہید ہو گئے تو حق سبحانہ نے جنت
میں اُن کو انکے ہاتھ پاؤں کے معاوضہ میں پر عطا فرمائے (ف پاؤں کٹنے کا ثبوت نہیں ہے
غالبًا مولانا نے پاؤں کو استطرادًا اور عرف کے طور پر ذکر کردیا ہے واللہ اعلم) اگر تم کچھ بھی رمز
شناس ہو تو میں تم سے ایسی کھری باتیں بیان کروں جیسا کہ وہ سونا جو جعفر بن یحییٰ برمکی
کی طرف منسوب ہے۔ اچھا اس زر جعفری کی کھری بات کو چھوڑو کیونکہ وہ میری زبان پر آکر پھر
دل میں چھپ گئی اور میرا دل قصد اظہار اسرار الٰہیہ سے پارہ کی طرح مضطرب ہو گیا اور بہت سے
خوش کلام تقاضائے خموشی میرے منہ پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ آگے نہ بولنا اب مولانا
خود اپنے کو مخاطب کرکے کہتے ہیں کہ دیکھ خاموشی ایک دریا ہے اور تکلم اسکی ندی (کیونکہ تکلم خاموشی
سے یوں ہی پیدا ہوتا ہے جسطرح دریا سے ندی۔ کیونکہ خاموشی کی حالت میں گویا پانی کا ذخیرہ جمع ہوتا ہے
اُسکے بعد تکلم کی نوبت آتی ہے) اور جبکہ خود بحر تیرا طالب ہے تو تو ندی کا طالب نہو۔ اور اس بحر خاموشی
کے اشاروں سے سرکشی مت کر اور گفتگو کو ختم کر۔ خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا اب اصل قصہ سنو
وہ بے ادب جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے برابر ایسی ہی باتیں کرتا رہا۔ اور یہ باتیں برابر
اُسکی زبان سے نکلتی رہیں۔ مگر اسے یہ خبر نہ تھی کہ آپ حقائق کا مشاہدہ فرمارہے تھے اور مشاہدہ کے
مقابلہ میں خبر محض فضول ہے خبریں تو مشاہدہ کے قائم مقام ہیں۔ اور حاضر کیلئے نہیں بلکہ غائب
کیلئے ہیں۔ اور جو شخص مشاہدہ تک پہونچ جاتا ہے اُسکے سامنے خبریں اپنے منصب سے علیحدہ ہو جاتی
ہیں۔ کیونکہ انکا منصب تو ناواقف کو واقف کرنا ہے اور وہ خود واقف ہے اُسے یہ کیا واقف کرسکتی
ہیں نیز مخبر عنہ کی ایسی مثال ہے جیسے معشوق اور خبر کی ایسی مثال ہے جیسے دلالہ۔ پس جبکہ تم معشوق

کے ساتھ ہمنشیں ہو تو کٹنیوں کو الگ کر دو کیونکہ اب وہ بیکار ہیں یعنی جب تم مشاہدہ حاصل کر لو تو
خبروں کو چھوڑ دو۔ اس لئے کہ اسوقت وہ کچھ کارآمد نہیں ہیں۔ نیز جو شخص بچپن سے گذر کر مرد
ہو جاتا ہے نامہ اور دلالہ اسکی نظر میں بے وقعت ہو جاتے ہیں کیونکہ محبوب اس سے خود ملتے ہیں
اور اسے وسائط کی ضرورت نہیں ہوتی چنانچہ مولانا فرماتے ہیں ؎

دار وئے مردی کن وانگہ بجو، تا بروں آید صد گون خوبرو

نیز جو شخص نامہ پڑھتا ہے وہ تحصیل علم کیلئے پڑھتا ہے۔ اور جو شخص بات کہتا ہے وہ سمجھانے
کیلئے کہتا ہے پس اگر علم وفہم کا مضمون پیشتر سے حاصل ہو تو لامحالہ وہ نامہ اور سخن فضول ہونگے
پس یہی حالت خبر اور مشاہدہ کی ہے ان وجوہ سے حقائق کے مشاہدہ کرنے والوں کے سامنے
خبریں بیان کرنا بڑی غلطی ہے کیونکہ یہ ہماری غفلت اور نقصان کی دلیل ہے۔ بلکہ مشاہدہ
کرنے والوں کے سامنے تو چپ ہی رہنے میں فائدہ ہے اسی لئے حق سبحانہ نے فرمایا ہے کہ اذا
قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون۔ وجہ استدلال بآیۂ کریمہ یہ ہے کہ مقصود
امر یہ ہے کہ جب ہمارے رسول تبلیغ کریں تو تم لوگ چپکے رہو اور سنو کیونکہ واقف کا منصب
بولنا ہے اور ناواقف کا منصب سننا اور صاحب نظر واقف ہوتا ہے اور غیر صاحب نظر اسکے
مقابلہ میں ناواقف لہذا بولنا صاحب نظر کا کام ہوگا اور دوسروں کا کام سننا اور خاموش رہنا
وھوالمدعی ہاں اگر بینا خود حکم دے تو بولو لیکن اسوقت بھی زیادہ گفتگو نکرو بلکہ مختصر کلام کرو
لیکن اگر وہ تطویل کلام کا بھی حکم دے تو اسکی تعمیل کرو۔ اور خوب بیان کرو جیسا کہ ضیاء الحق
حسام الدین کے ساتھ میرا معاملہ ہے۔ کیونکہ جب میں اپنی سلامتی طبع کی بنا پر گفتگو کو مختصر کرنا
چاہتا ہوں تو وہ مجھے سیکڑوں طرح سے تطویل کلام پر مجبور کرتے ہیں اور میں تطویل کلام کرتا ہوں
اب حسام الدین کو خطاب فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ جو مجھے کلام پر مجبور کرتے ہیں اسکی
وجہ کیا ہے کیونکہ آپ تو حقائق کا مشاہدہ فرماتے ہیں پھر کلام کی آپ کو کیا ضرورت ہے ہاں
میں سمجھا معلوم ہوتا ہے کہ مطلوب کی محبت اسکا منشا ہے اور یہ ایسا ہے کسی شاعر نے کہا
کہا سقنی خمرا وقل لی انہا الخمر یعنی مجھے شراب پلا بھی اور یہ بھی کہہ کہ شراب کا پیالہ تیرے منہ
لگا ہوا ہے کیونکہ کان کہتے ہیں کہ ہمارا حصہ کہاں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تیرا حصہ گرمی شراب

اور گرمی شراب تجھ تک بھی پہونچے گی تو وہ کہتا ہے کہ میں صرف اتنی ہی پر قناعت نہیں کرتا بلکہ میں تو اپنا مخصوص حصہ یعنی سماع ذکر محبوب لینا چاہتا ہوں (ف ا مولانا نے وصول مطلوب کے بعد وسائل کو بیکار قرار دیا ہے بعض ناقصین مدعیان کو ایسے مضامین سے دھوکہ ہوگیا ہے اور اُنھوں نے ان مضامین سے نتیجہ نکالا ہے کہ اہل اللہ سے تکالیف شرعیہ ساقط ہوجاتی ہیں۔ اور اتباع انبیاء کی اُن کو حاجت نہیں رہتی۔ کیونکہ یہ نامہ و دلالہ کی طرح وسائل ہیں اور وصول الی المطلوب کے بعد وسائل ناقابل التفات ہوجاتے ہیں۔ اسلئے اس غلطی کا دفع کرنا ضروری ہے۔ تکالیف شرعیہ و طاعت انبیا کو نامہ و دلالہ کی طرح وسائل غیر مقصودہ سمجھنا سخت غلطی ہے بلکہ یہ خود مقصود ہیں اور وسائل ہونے کی جہت ان میں اسقدر مضمحل ہے کہ گویا کہ ہے ہی نہیں۔ تفصیل اسکی یہ ہے کہ استرضار و طاعت مطلوب عین مطلوب ہے۔ اور تکالیف شرعیہ مطلوب حقیقی کے احکام ہیں پس ان پر کاربند ہونا بعینہ استرضار و طاعت مطلوب ہوگا جو کہ عین مطلوب ہے۔ رہی یہ بات کہ یہ وسائل قرب ہیں۔ سو وسیلہ ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک مطلوب دوسرے مطلوب کا وسیلہ ہوجاوے۔ مثلاً معشوق کی باتیں سننا ایک مقصود ہے اسکو دیکھنا دوسرا مطلوب ہے۔ اور ہمنشینی ان دونوں کا وسیلہ ہے۔ مگر فی نفسہ مقصود بھی ہے اور چونکہ طاعت انبیا بھی تکلیف شرعی ہے کیونکہ حق سبحانہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول الخ فرماتے ہیں لہذا وہ بھی عین مقصود ہوگی اور وسیلہ ہونے کے سبب محتمل السقوط نہ ہوگی پس خلاصہ یہ ہے کہ ایسے مضامین سے سقوط تکالیف شرعیہ پر جنمیں اطاعت انبیا بھی داخل ہے استدلال صحیح نہیں بلکہ ان سے بعض احوال و مواجید غیر مقصودہ کے ناقابل التفات ہونے پر استدلال ہو سکتا ہے اور یہ استدلال بیشک صحیح ہے واللہ اعلم ف ۲ پیش پیاپاں خبر گفتن خطاست الخ سے مولانا کا مقصود تعلیم ادب مع الشیخ ہے اور یہ بتلانا مقصود ہے کہ شیخ کے ساتھ مرید کو کیا برتاؤ کرنا چاہیئے

جواب گفتن پیغمبر آں اعتراض کنندہ را

در حضور مصطفائے قند خو	چوں ز حد برد آں عرب آں گفتگو
آں شہ والنجم و سلطان عبس	لب گزید آں سرود م را گفت بس

دست می زد بہر نعش بر دہان | چند گوئی پیش دانائے نہان

پیش بینا بردہ سرگین خشک | کہ بجز این را بجائے ناف مشک

بعر را اے گندہ مغز و گندہ مخ | زیر بینی بنہی و گوئی کہ بخ

بخ بخے بر داشتی اے کج وکاج | تا کہ کالائے بدت یابد رواج

اخ اخے بر داشتی اے خشک مغز | تا نمائی پشک دوں را مشک نغز

تا فریبی آں مشام پاک را | آں چرندہ گلشن افلاک را

حلم او خود را اگرچہ گول ساخت | خویشتن را اندکے باید شناخت

دیک را گر باز ماند امشب دہن | گربہ را ہم شرم باید داشتن

خویشتن گر خفتہ کرد آں خوب فر | سخت بیدار است دستارش مبر

چند گوئی اے لجوج بے صفا | این فسوں دیو پیش مصطفا

صد ہزاران حلم دارند این گروہ | ہر یکے حلمے ازانہا صد چو کوہ

حلم شاں بیدار را ابلہ کند | زیرک صد چشم را اکمہ کند

حلم شاں ہمچو شراب خوب و نغز | نغز نغزک می رود بالائے مغز

مست را بیں زاں شراب پر شگفت | ہمچو فرزیں مست و کژ رفتن گرفت

مرد برنا زاں شراب زود گیر | درمیاں راہ مے افتد چو پیر

خاصہ ایں بادہ کہ از خم بلی است | نے مئے کہ مستی او یک شبی است

آنکہ آں اصحاب کہف از نقل و نقل | صد و نہ سال گم کردند عقل

زاں زناں مصر جامے خوردہ اند | دستہا را خشر خشر کردہ اند

ساحران ہم سکر موسیٰ داشتند	دار را دلدار مے پنداشتند
جعفر طیار زاں مے بود مست	زاں گروے کرد بیخود پا و دست

جبکہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حضور میں اس عرب نے گفتگو کو حد سے زیادہ بڑھایا تو اس شہ والنجم اور سلطان عبس نے دانتوں کے تلے ہونٹ دبا لیا جسمیں اشارہ تھا کہ بس گفتگو کو ختم کرو۔ نیز آپ نے اسکے روکنے کیلئے اپنے منہ پر ہاتھ رکھا اب مولانا کو اُسکی گستاخی پر غصہ آتا ہے اور اُسے مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ آخر تو واقف اسرار کے سامنے کب تک بولے جاویگا۔ بس چپ رہ تو ایک صاحب بصیرت کے سامنے خشک مینگنی لایا ہے اور کہتا ہے کہ یہ مشک ہے اسے خرید لو اور اے گندہ مغز۔ تو مینگنی کو ناک سے لگا کر چھینکتا ہے تاکہ یہ تیرا برا سودا مشک کے دھوکے میں نکل جاوے آخر تو ایک مشام صحیح کو اور گلشن افلاک یعنی باغ غیبی کے گل و ریحان چرنے والے کو کب تک دھوکا دیگا۔ خلاصہ یہ کہ تیری باتیں واقع میں اچھی نہیں ہیں مگر تو انہیں ایک عمدہ عنوان سے بیان کر کے دھوکا دیتا اور تلبیس کرنا چاہتا ہے لیکن جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صاحب بصیرت ہیں وہ تیرے دھوکہ کو سمجھتے ہیں اسلئے دھوکا نہ کھاویں گے پس تو ان کو دھوکا دینے کی کوشش نکر اور اگر انھوں نے اپنے کو حلم سے بھولا بنا لیا ہے اور تجھ پر ظاہر نہیں کرتے کہ ہم تیری چالاکیوں کو سمجھتے ہیں تو تجھے یہ نہ چاہیئے کہ یوں بیباکانہ اور فریب آمیز گفتگو کرے۔ بلکہ اپنے کو سمجھنا چاہیئے اور جاننا چاہیئے کہ ان کے سامنے میری کیا حیثیت اور میرا کیا فرض ہے اگر ہانڈی کا منہ کھلا ہوا ہے تو بلی کو شرم کرنی چاہیئے اور بیباکانہ اسمیں منہ نہ ڈالدینا چاہیئے اور اگر انھوں نے اپنے کو سوتا بنا لیا ہے تو اس سے دھوکا کھا کر اُن کی پگڑی نہ اتارنی چاہیئے کیونکہ وہ بالکل جاگتے ہیں اور وہاں نیند کا نام بھی نہیں ہے بس تو اے تیرہ باطن جھگڑالو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر شیطانی منتر پھونک کر انکو شیشے میں اتارنے کی کب تک کوشش کرتا رہیگا۔ بس ختم کر اور یہ نہ سمجھ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری بناوٹ کو سمجھتے نہیں وہ ضرور سمجھتے ہیں مگر اپنے حلم سے تجھ پر ظاہر نہیں کرتے کیونکہ یہ حضرات نہایت حلیم ہوتے ہیں اور لاکھوں ایسے حلم رکھتے ہیں جنمیں کا ہر حلم سو پہاڑوں سے زیادہ

باوقار اور غیر متزلزل ہے اور اس درجہ حلیم ہوتے ہیں کہ انکا حلم ایک بیدار مغز کو احمق بنا دیتا ہی
اور اعلیٰ درجہ کے مردم شناس کو مادر زاد اندہا کر دیتا ہے یعنی یہ لوگ اسقدر حلیم ہوتے ہیں کہ
بڑے بڑے عقلا کو ان کے بھولے پن کا یقین ہو جاتا ہے اور وہ نہیں سمجھ سکتے کہ یہ فی الواقع
بھولے نہیں ہیں بلکہ غایت حلم سے انھوں نے اپنے کو بھولا بنا رکھا ہے اس لئے ان کا حلم
دوسروں کے حق میں ایسا ہوتا ہے جیسی اعلیٰ درجہ کی شراب معروف جو رفتہ رفتہ دماغ میں اپنا
اثر کرتی ہے دیکھو جو شخص اس شراب متعارف سے مست ہوتا ہے اُسکی یہ حالت ہوتی ہے
کہ وہ اس عجیب شراب کے اثر سے فرازین کی طرح مست ہو جاتا ہے اور ٹیڑھی چال چلتا ہے
اور ایک جوان آدمی اس تیز شراب سے بڈھوں کی طرح راستہ میں گر جاتا ہے۔ پس جبکہ عام
شراب یہ حالت کر دیتی ہے تو خاصکر وہ شراب جسکا خم نبی ہو (یعنی شراب کمالات نبویہ
خواہ وہ کمالات ظاہری ہوں جیسے حسن یوسف وغیرہ یا باطنی جیسے حلم وغیرہ) اور
وہ عام شراب نہ ہو جسکی مستی صرف ایک رات رہتی ہے۔ اسکی مستی کا تو کہنا ہی کیا ہے
وہ وہ شراب ہے جسکو پیکر اصحاب کہف کھانے پینے چلنے پھرنے وغیرہ سے تین سو نو
برس تک بیخبر رہے تھے۔ اور اس شراب کا ایک جام زنان مصر نے پی لیا تھا تو ہاتھوں کو ٹکڑے
ٹکڑے کر دیا تھا اور ساحرون نے موسیٰ علیہ السلام کے کمالات کی شراب پی تھی تو اتنے مست
ہوئے تھے کہ سولی اُنکی نظروں میں محبوب ہو گئی تھی اور جعفر طیار شراب کمالات مصطفوی
سے مست تھے تو اُنھوں نے اپنے ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے تھے۔ اور کفار کے پاس اُنکو محبوس
کر دیا تھا (ف) ہماری اس تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ مولانا کا کلام اول سے آخر تک متسق النظام
ہے اور اُن تکلفات کی حاجت نہیں جو محشین نے مغز سخن تک نہ پہونچنے کے سبب کئے ہیں
(تنبیہ) زنان مصر بادہ حسن یوسفؑ سے مست تھیں مگر وہ حسن بازاری حسن نہ تھا بلکہ
کمالات نبوۃ میں سے تھا کیونکہ اول تو خود حسن ظاہری ہی خوارق میں سے تھا۔ دوسرے
کمالات باطنیہ نے اُسے اور بھی دلکش بنا دیا تھا اور اُسکی حالت ایسی تھی جیسے حافظ شیرازی
علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎ روئے خوب ست وکمال ہنر و دامن پاک + لاجرم ہمت پاکان دو عالم
با اوست + پس اب زنان مصر کے بادۂ خم نبی سے مست ہونے پر کوئی شبہ نہ رہا واللہ اعلم)۔

قصۂ سبحانی ما اعظم شانی گفتن بایزید و اعتراض مریدان و جواب او مر ایشاں را نہ بطریق جواب زبان بلکہ از راہ عیاں

با مریداں آں فقیر محتشم
بایزید آمد کہ نک یزداں منم

گفت مستانہ عیاں آں ذوفنون
لا الٰہ الا انا ھا فاعبدون

چوں گذشت آں حال گفتندش صباح
تو چنیں گفتی و ایں نبود صلاح

گفت ایں بار ار کنم ایں مشغلہ
کاردہا در من زنید آندم ہلہ

حق منزہ از تن و من با تنم
چوں چنیں گویم بباید کشتنم

چوں وصیت کرد آں آزاد مرد
ہر مریدے کاردے آمادہ کرد

مست گشت او باز از استغراق رفت
آں وصیتہاش از خاطر برفت

عشق آمد عقل او آوارہ شد
صبح آمد شمع او بیچارہ شد

عقل چوں شحنہ است چوں سلطان رسید
شحنۂ بیچارہ در کنجے خزید

عقل سایہ حق بود حق آفتاب
سایہ را با آفتاب او چہ تاب

چوں پری غالب شود بر آدمی
گم شود از مرد وصف مردمی

ہرچہ گوید آں پری گفتہ بود
زیں سری زاں سری گفتہ بود

چوں پری را ایں دم و قانون بود
کردگار آں پری خود چوں بود

روئے او رفته پری خود او شده — ترک بے الہام تازی گو شده

چوں بخود آید نداند یک لغت — چوں پری راہست ایں ذات و صفت

پس خداوند پری و آدمی — از پری کے باشدش آخر کمی

شیر گیر از شیر کے ترسد بگو — شرح رہ از کور کے پرسد بگو

شیر گیر از خون نرہ شیر خورد — تو بگوئی او نکرد آں بادہ کرد

درسخن پرداز دا از راز کہن — تو بگوئی بادہ گفته است ایں سخن

بادہ را مے بود ایں شر و شور — نور حق را نیست آں فرہنگ و زور

کہ ترا از تو بکل خالی کند — تو شوی پست او سخن عالی کند

گرچہ قرآں از لب پیغمبر است — ہر کہ گوید حق نگفت آں کافر است

چوں ہمائے بیخودی پرواز کرد — آں سخن را بایزید آغاز کرد

عقل را سیل تحیر در ربود — زاں قوی تر گفت کاول گفته بود

نیست اندر جبہ ام الا خدا — چند جوئی بر زمین و بر سما

آں مریداں جملہ دیوانہ شدند — کاردہا بر جسم پاکش می زدند

ہر یکے چوں ملحدان گرد کوہ — کارد می زد پیر خود را بے ستوہ

ہر کہ اندر شیخ تیغے مے خلید — باز گونہ از تن خود می درید

یک اثر نے بر تن آں ذوفنوں — واں مریداں خستہ و غرقاب خوں

ہر کہ او سوئے گلویش زخم برد — حلق خود ببریدہ دید و زار مرد

وانکه اورا زخم اندر سینه زد — سینه اش بشگافت شد مرده ابد
وانکه آگه بود زاں صاحبقراں — دل نداد ش که زند زخم گراں
نیم دانش دست او رابسته کرد — جان ببرد الا که خود را خسته کرد
روز گشت وآں مریداں کاسته — نوحها از جاں شان برخاسته
پیش او آمد هزاراں مرد و زن — کاے دو عالم درج در یک پیرهن
ایں تن تو گر تن مردم بدے — چوں تن مردم ز خنجر گم شدے
باخودی یا بیخودی دوچار زو — باخود اندر دیدهٔ خود خار زو
اے زده بر بیخوداں تو ذوالفقار — بر تن خود می زنی آں هوشدار
زانکه بیخود فانی ست و ایمن است — تا ابد در ایمنی او ساکن است
نقش او فانی و او شد آئینه — غیر نقش روے غیر آنجاے نه
گر کنی تف سوئے روئے خود کنی — ور زنی بر آئینه بر خود زنی
ور به بینی روئے زشت آنهم توئی — ور به بینی عیسیٰ و مریم توئی
او نه اینست و نه آں او ساده است — نقش تو در پیش تو بنهاده است
چوں رسید اینجا سخن لب در ببست — چوں رسید اینجا قلم درهم شکست
لب به بند ارچه فصاحت دست داد — دم مزن والله اعلم بالرشاد
برکنار بامی اے مست مدام — پست بنشیں یا فرود آ والسلام
هر زمانیکه شدی تو کامراں — آں دم خوش را کنار بام داں

ہر زمان خوش ہراساں باش تو
ہمچو گنجش خفیہ کن نے فاش تو

تا نیاید بر دلا ناگہ بلا
ترس ترسان او دراں مکمن بلا

ترس جان در وقت شادی از زوال
زاں کنار بام غیب است ارتحال

گر نمے بینی کنار بام راز
روح می بیند کہ ہستش اہتزاز

ہر نکالے ناگہاں کاں آمدہ است
بر کنار کنگرہ شادی بدست

جز کنار بام خود نبود سقوط
اعتبار از قوم نوح و قوم لوط

اعتبارے گیر تا یابی صفا
از درون انبیا و اولیا

مولانا مضمون بالا کی مناسبت سے جسمیں مستی بادۂ خم بنی کا ذکر تھا بایزید بسطامی قدس سرہٗ کے سُکر کا تذکرہ فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک روز اس باشوکت فقیر بایزید نے اپنے مریدوں سے کہا کہ میں خدا ہوں اور فرط مستی میں انھوں نے صاف طور پر فرمایا کہ دیکھو خدا میں ہی ہوں بس تم میری عبادت کرو (یہ تحصل ہے اُن کے الفاظ کا اور اصل الفاظ اُن کے سبحانی ما اعظم شانی تھے) خیر جب یہ حالت گذر گئی تو مریدوں نے صبح کے وقت کہا آپ ایسا فرماتے تھے اور یہ ٹھیک نہیں ہے (اس سے اس زمانہ کے صوفیہ کا مذاق معلوم ہو سکتا ہے کہ کسقدر تبع شریعت تھے) یہ سُنکر انھوں نے فرمایا کہ اگر اب کے میں ایسے الفاظ کہوں تو تم میرے چھریاں مارنا اور مجھے مار ڈالنا۔ واقعی میری یہ حرکت نہایت بری ہے بھلا کجا میں اور کجا حق سبحانہ میں مجسم ہوں اور خدا جسم سے منزہ۔ یہ کھلی دلیل ہے میرے دعوے کے بطلان کی بس اگر میں اب کے یہ دعویٰ کروں تو مجھے فوراً مار ڈالنا چاہیئے۔ (چہ منصف بزرگان دین بودہ اند + صوفیہ حال غور کرنے کا مقام ہے) بس جبکہ اُنھوں نے یہ ہدایت فرمادی تو مریدوں نے چھریاں تیار رکھیں اسکے بعد وہ استغراق و بیخودی سے دوبارہ مست ہو گئے اور بہت مست ہوئے اور وہ ہدایتیں سب بھول گئے کیونکہ عشق کا غلبہ ہوا تو عقل کھوئی گئی اور صبح عشق کے سامنے شمع عقل غلو

ہو گئی اور کیوں نہ ہوتی بات یہ ہے کہ عقل بمنزلہ کوتوال کے ہے اور عشق بمنزلہ بادشاہ کے اور قاعدہ ہے کہ جب بادشاہ آتا ہے تو کوتوال کونوں میں چھپتا پھرتا ہے اسلئے عقل کیلئے اختفا لازم تھا۔ نیز عقل حق سبحانہ کیلئے مثل سایہ ہے اور حق سبحانہ اسکے لئے مثل آفتاب ہیں۔ کیونکہ جسطرح سایہ کے وجود میں آفتاب کو دخل ہے بایں معنی کہ اسکی بقا موقوف ہے احتجاب شمس پر یوں ہی عقل کی بقا بھی موقوف ہے احتجاب حق سبحانہ پر کما یدل علیہ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم حجابہ النور لو کشفہ لاحرقت سبحات وجہہ ما انتھی الیہ بصرہ من خلقہ پس جبکہ عقل مثل سایہ کے ہے اور حق سبحانہ اسکے لئے مثل آفتاب کے۔ تو تجلیات ربانیہ کے سامنے عقل کی بقا ناممکن ہے کیونکہ سایہ کی کیا تاب ہے کہ آفتاب کے سامنے باقی رہ سکے (ھذا ما افاد شیخنا و مولانا مجدد الملۃ والدین فاضت انھار فیضہ دام اللہ درہا) یہانتک مولانا نے شیخ رحمہ اللہ سے ان الفاظ کے صادر ہونے کا عذر بیان کیا تھا۔ اب ترقی فرماتے ہیں اور یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ وہ اُن کے الفاظ کے قائل ہی نہ تھے اور قائل انکے فی الحقیقت حق سبحانہ تھے اور حضرت شیخ ایسے تھے جیسے فونوگراف ہوتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں دیکھو جب آدمی پر جن چڑھجاتا ہے تو اُس سے آدمیت کی صفت جاتی رہتی ہے اور اسوقت جو افعال اس سے صادر ہوتے ہیں وہ اس آدمی کے نہیں ہوتے بلکہ اُس جن کے ہوتے ہیں اور جو کچھ وہ کہتا ہے وہ حقیقت میں وہ نہیں کہتا بلکہ جن کہتا ہے چنانچہ وہ عالم شہادت و عالم غیب دونوں کی باتیں کرتا ہے جو یہ نہیں کر سکتا۔ پس جب جن میں یہ قوت اور اسکا یہ قاعدہ ہے کہ جب وہ سوار ہوتا ہے تو آدمی کو کالعدم کر دیتا ہے تو حق سبحانہ جو کہ خالق جن و پری ہیں اُنکی کیا حالت ہوگی اور ان کے متجلی ہونے کے وقت آدمی اپنی حالت پر کیونکر قائم رہ سکتا ہے۔ اور اُن افعال کو جو اسوقت اُس سے صادر ہوں کیسے اسکی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے۔ دیکھو جب جن کا غلبہ ہوتا ہے آدمی سے آدمیت جاتی رہتی ہے اور وہ جن ہو جاتا ہے چنانچہ ایک ترکی بدون الہام کے عربی بولنے لگتا ہے اور یہ صاف دلیل ہے اسبات کی کہ وہ ترک ترک نہیں رہا۔ بلکہ جن ہو گیا۔ کیونکہ جب وہ ہوش میں آتا ہے تو ایک لفظ بھی نہیں جانتا ہوتا۔ پس اگر یہ ترک بھی عربی بولتا ہوتا تو اب کیوں نہ بولتا تو معلوم ہوا کہ

اسوقت وہ ترک نہ رہا تھا بلکہ جن ہوگیا تھا اسکے یہ معنی نہیں کہ اسکی حقیقت بدلگئی تھی بلکہ یہ مطلب ہے کہ وہ اپنی حالت پر باقی نہ رہا تھا بلکہ افعال کے صدور میں جن کا آلہ ہوگیا تھا) پس جبکہ پری کی ایسی ذات ہے اور اسکی یہ صفت ہے جو ابھی بیان کیگئی تو رب الجنۃ والناس جنات سے کیسے کم ہوسکتا ہے اور وہ اپنی تجلی سے آدمی کو معطل اور اپنے افعال کا آلہ کیوں نہیں بنا سکتا۔ اب ہم اس مضمون کو ایک اور عنوان سے سمجھاتے ہیں۔ سنو دیکھو مست شیر سے نہیں ڈرتا اسکی وجہ کیا ہے وہ ہی نشہ پس یہ نہ ڈرنا منسوب ہوگا نشہ کی طرف نہ کہ اُس شخص کی طرف۔ علی ہذا اندھے سے کوئی رستہ نہیں پوچھتا بلکہ بینا سے پوچھتا ہے حالانکہ دونوں میں کچھ فرق نہیں بجز بینائی وعدم بینائی کے تو معلوم ہوا کہ سوال سائل ذات سے نہیں ہے بلکہ صفت بینائی سے ہے گو بظاہر اس شخص سے ہے۔ نیز اگر کوئی شیر نر کو مار ڈالے تو تم کہتے ہو کہ یہ اسکا فعل نہیں بلکہ شراب کا فعل ہے اور اگر وہ اپنے پرائے راز بیان کرنا شروع کرتا ہے جیسا کہ مستوں کا قاعدہ ہے کہ نشہ کی حالتمیں دل کا بھید کہدیتے ہیں تو تم کہتے ہو کہ یہ شخص باتیں نہیں کرتا بلکہ شراب کر رہی ہے پس جبکہ شراب میں یہ شور و شر ہے تو نور حق سبحانہ میں اتنی دانائی اور قوت کیوں نہ ہوگی کہ تجھے تجھ سے خالی اور معطل کردے خود اونچے درجہ کی باتیں کرے جیسے سبحانی ما اعظم شانی وغیرہ شاید تمکو شبہ ہو کہ گو منشا اسکے صدور کا حق سبحانہ ہوں مگر جبکہ انکا صدور انکی زبان سے ہے تو اسکو حق سبحانہ کا کلام کیونکر کہہ سکتے ہیں اسلئے اسکا جواب یہ ہے کہ پھر قرآن کا ظہور بھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ہوا ہے اسکو بھی کلام اللہ کہو۔ حالانکہ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ خدا کا کلام نہیں تو وہ کافر ہو جاتا ہے پس ان الفاظ کا ظہور شیخ کی زبان سے ان کے حق سبحانہ کی طرف نسبت کرنے سے کیسے مانع ہوجاویگا۔ خیر تو جبکہ ہمائے بیخودی اپنے آشیانہ سے اوڑکر بایزید علیہ الرحمۃ کے سر پر بیٹھا یعنی آخری ہوئی تو اُنہوں نے پھر وہی باتیں کرنی شروع کیں اور چونکہ اُنکی عقل کو حیرت عشق کا سیلاب بہالے گیا تھا اسلئے پہلے سے زیادہ زور سے کہیں اور کہا کہ میرے جبہ میں بجز خدا کے اور کوئی نہیں پس تم خدا کو اس جبہ میں ڈھونڈھو زمین و آسمان میں کہاں تک ڈھونڈھو گے یہ سنکر تمام مرید دیوانہ ہوگئے اور انکے جسم پاک پر چھریاں مارنے لگے اور ہر ایک اپنے پیر کے یوں بے خوف چھرے مارتا تھا جیسے گروکوہ (نام پہاڑ) کے بددین

بے دردی کے ساتھ مسلمانوں پر چھری چلاتے ہیں مگر جو شخص شیخ کے جسم میں تلوار وغیرہ
چبھوتا تھا وہ الٹا اپنا ہی جسم پھاڑتا تھا بایزیدؒ کے جسم پر کچھ اثر نہ ہوتا تھا اور مرید زخمی اور
خوں میں شرابور ہو رہے تھے۔ اور جس نے اُن کے گلے پر زخم لگانا چاہا اُس نے اپنا ہی گلا
کاٹ لیا اور مر گیا۔ اور جس نے اُن کے سینہ میں زخم لگایا خود اسکا سینہ چاک ہو گیا۔ اور مردۂ
ابدی ہو گیا۔ اور جو لوگ اس اقبال مند سے واقف تھے اُن کے دل نے گوارا نہ کیا کہ کوئی
کاری زخم لگائیں بلکہ صرف خفیف زخموں پر اکتفا کیا اُنکی ادھوری عقل نے اُنکے ہاتھ کو باندھ دیا
اسلئے اُنکی جان تو بچ گئی مگر اپنے کو زخمی کر لیا۔ (ادھوری عقل اسواسطے کہا کہ عقل کامل کا مقتضا
تو یہ تھا کہ بالکل تعرض نہ کرتے اور انہیں غیر مکلف سمجھکر معذور قرار دیتے اور نرا جنون یہ تھا کہ
کاری زخم لگاتے۔ مگر اُنھوں نے بین بین ایک روش اختیار کی اسلئے نہ وہ پورے عاقل تھے
اور نہ پورے دیوانے) القصہ دن ہوا اور غم سے گھلے ہوئے مریدوں کی جان سے گریہ وزاری
کا شور بلند تھا۔ اسی حالت میں ہزاروں آدمی ٹوٹ پڑے اور آکر یوں خطاب کیا کہ اے مجمع
کمالات آج معلوم ہوا کہ آپ عام آدمیوں کا سا جسم نہیں رکھتے اسلئے کہ اگر آپکا جسم عام آدمیوں کا
سا ہوتا تو اوروں کی طرح آپکا جسم بھی خنجر سے معدوم ہو جاتا اب مولانا فرماتے ہیں کہ جب کوئی
ہوشیار کسی مست سے بھڑتا ہے تو وہ اپنی آنکھ میں کانٹا چبھوتا اور اپنے کو ضرر پہونچاتا ہے
پس اے وہ شخص جو سرمستان بادۂ عشق الٰہی پر تلوار چلاتا ہے یاد رکھ کہ یہ تلوار تو خود اپنے مارتا ہے
کیونکہ بدمست تو فانی فی اللہ ہے اسلئے وہ لوگوں کے ضرر سے محفوظ اور ہمیشہ بیخوفی میں سکونت
پذیر ہے اسکی ہستی فنا ہو چکی ہے اور اب وہ آئینہ بنگیا ہے۔ پس جو کچھ تجھے دکھلائی دیتا ہے
وہ خود تیری تصویر ہے اور کچھ نہیں پس اگر تو تھوک ماریگا تو خود اپنے اوپر ماریگا اور اگر آئینہ کو
ماریگا تو خود اپنے کو ماریگا۔ اور اگر اسکو برا سمجھے گا تو اپنی ہی تصویر کو برا سمجھے گا اور اگر عیسیٰ مریم
کی مثل سمجھے گا تو وہ بھی خود تو ہی ہو گا۔ کیونکہ وہ ان نقوش برائی و بھلائی سے سادہ ہے جنکا
تجھے احساس ہوتا ہے۔ اور جو نقش برا یا بھلا اسمیں تجھے دکھلائی دیتا ہے وہ خود تیری تصویر ہے
جسکو اُس نے تیرے سامنے پیش کر دیا ہے۔ رہی اسکی ذاتی خوبی سو وہ تیرے احاطۂ ادراک
سے خارج ہے (ف جاننا چاہئے کہ مریدوں کے حملوں کا خود ان پر منعکس ہو جانا یہ جناب

شیخ کی کرامت بھی اور حق سبحانہ کی جانب سے تنبیہ تھی اس امر پر کہ اہل اللہ کو نقصان پہونچانے سے انکا ضرر نہیں ہوتا بلکہ خود ضرر پہونچانے والے کا ضرر ہوتا ہے اور اس واقعہ سے اس امر معنوی کو حسّی کر کے دکھلانا مقصود تھا اور یہ مقصود نہیں کہ اہل اللہ کو جسمانی ضرر پہونچ ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ تو نصوص قطعیہ اور اخبار متواترہ کے خلاف ہے) جب گفتگو یہاں تک پہونچگئی تو منہ بند ہو گیا اور جب قلم یہانتک پہونچ گیا تو ٹوٹ گیا۔ اور یہ اشارہ تھا اس امر کی طرف کہ گو تم کو فصاحت حاصل ہے مگر منہ بند کر و اور دم نہ مارو کیونکہ اسرار الٰہیہ کا افشا مناسب نہیں واللہ اعلم بالصواب۔ چونکہ مولانا شیخ ہیں اسلئے اب تربیت سالک کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ گو شیخ بایزید سے سکر اور غلبۂ حال میں وہ کلمات صادر ہوئے جنکا صدور بالاختیار جائز نہیں مگر تم دہوکہا نہ کھانا اور انکی تقلید نہ کرنا اور تمکو اگر قدرے ذوق و شوق و مستی حاصل ہو۔ تو خوشی میں آپے سے باہر نہ ہو جانا اور شطحیات وغیرہ زبان سے نہ نکالنے لگنا۔ دیکھ تو لب بام پر ہے۔ پس اسحالت میں تجھے نہایت احتیاط رکھنی چاہئے۔ اور یا تو منڈیر سے نیچے بیٹھنا چاہئے یا کوٹھے پر سے اتر آنا چاہئے ان ہی دو صورتوں میں سلامتی ہے ورنہ گر پڑنے کا اندیشہ ہے خلاصہ یہ کہ سالک کے لئے دو صورتیں حفاظت کی ہیں۔ تو ذوق و مستی کی حالت میں احتیاط تام رکھے اور کوئی ایسی بات نکرے جو نازیبا ہو اور اسمیں کے اختیار کو دخل ہو۔ اور یا اس طریق ہی کو چھوڑ دے اور عامیانہ اسلام پر قناعت کرے کیونکہ اسمیں تو منا ہی کا خطرہ ہے اور سلوک میں بے احتیاطی کا انجام کفر ہے اسی لئے کسی بزرگ نے فرمایا ہے انتم تخشون المعصیۃ ونحن نخشی الکفر دیکھو جب تمکو دولت باطنی حاصل ہو جاوے تو اس عمدہ حالت کو لب بام سمجھو اور اس عمدہ وقت کی طرف سے ہر وقت کھٹکتے رہو۔ کہ ایسا نہو یہ زائل ہو جاوے۔ اور خزانہ کی طرح اسے مخفی رکھو اور اسرار الٰہیہ کو شطحیات سے ظاہر نکرو تاکہ تمھاری محبت حق سبحانہ پر کوئی آفت نہ آجاوے اور تم مردود ہو جاؤ اس خطرہ کے مقام میں تہیں ڈرتے ڈرتے چلنا چاہئے اور اپنی زبان اور دیگر افعال کی سخت حفاظت کرنی چاہئے یہ تمھارا خوشی کے وقت اسکے زوال سے ڈرنا اور اسکی حفاظت کی امکانی تدبیر کرنا یہ اس مخفی لب بام سے الگ ہونا ہے۔ تم یہ کہنا کہ ہمکو تو کنارۂ بام نظر نہیں آتا

تو بچیں کیونکر اسلئے کہ یہ مسلم ہے کہ تم اس مخفی بام کے کنارہ کو نہیں دیکھتے مگر تمھاری روح دیکھتی ہے اور خوشی اسی کو حاصل ہے اسلئے اسی کو دیکھنے کی ضرورت ہے اور اسی کے بچنے کی ہم تمھیں اس لئے متنبہ کرتے ہیں کہ خوشی بہت خطرناک چیز ہے اور جب یہ حاصل ہوتی ہے تو آدمی سے انجام بینی کی صفت جاتی رہتی ہے دیکھ لو جتنی پہلے امتیں غارت ہوئی ہیں سب اسی لئے غارت ہوئیں ہیں کہ وہ خوشی کو لب بام پر کھڑی تھیں اور کنارہ بام پر سے آدمی ضرور گرتا ہی اگر باور نہو تو قوم نوح اور قوم لوط کی حالت کو دیکھ لو اور ان سے عبرت پکڑو اور ضرور عبرت پکڑو تاکہ انبیا و اولیاء کے قلوب صافیہ سے صفائی کا کچھ حصہ تمکو بھی ملجاوے۔ اب مولانا پھر اصل قصہ کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔

سبب فصاحت و بسیار گوئی آں فضول نزد رسول

پرتو مستی بے حد نبی ۔۔۔ چوں بزد ہم مست و خوش گشت آں غبی

لاجرم بسیار گو شد از نشاط ۔۔۔ مست ادب بگذاشت آمد در خباط

نے ہمہ جا بیخودی شر میکند ۔۔۔ بے ادب را بے ادب تر میکند

گر بود عاقل نکو فر می شود ۔۔۔ ور بود بد خوئے بدتر مے شود

بر لبیب آید لباب کاس او ۔۔۔ ور غبی کم گردد استیناس او

بیخود از مے باادب گردد تمام ۔۔۔ باخود از مے باادب گردد مدام

لیک اغلب چوں بدند و ناپسند ۔۔۔ بر ہمہ مے را محرم کردہ اند

حکم غالب راست چوں اغلب بدند ۔۔۔ تیغ را از دست رہزن بستند

منشا اسکی گستاخی کا یہ تھا کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مستی کا پرتو اسپر پڑا تو وہ بھی مست ہوگیا اسلئے لامحالہ اس نے فرط نشاط سے بکواس شروع کردی اور ادب کو چھوڑ دیا اور لڑکھڑانے لگا اسپر کوئی یہ شبہ نکرے کہ اس سے معلوم ہوا کہ مستی بری چیز ہے اور جب بری چیز ہے تو انبیاء و اولیا

کو کیوں ہوتی ہے اسلئے کہ مستی خود بُری چیز نہیں اور وہ ہر جگہ بُرا اثر پیدا نہیں کرتی۔ بلکہ جو طبعًا بے ادب ہوتا ہے اُسکی اس صفت کو خوب ظاہر کردیتی ہے پس اگر کوئی عاقل ہو تو اُسکو بہت اچھا بنادیتی ہے اور اگر کوئی بدخصلت ہو تو اُسکی بدخوئی ظاہر کردیتی ہے۔ اور اسکے ساغر کا جوہر اور دو صفت اعلیٰ دانا ہی کو ملتا ہے اور وہ کودن سے وحشت کرتی ہے اسلئے اسکو اپنا جوہر نہیں دیتی اور یہ شراب باطنی ایسی ہی ہے جیسے شراب ظاہری چنانچہ جو بے نفس اور شائستہ و مہذب ہوتے ہیں وہ اس سے اور شائستہ ہو جاتے ہیں اور جو شریر اور اوباش ہوتے ہیں وہ ہمیشہ بیہودہ ہو جاتے ہیں اسپر کوئی یہ شبہ نکرے کہ شائستہ لوگوں کیلئے شراب پینا جائز ہونا چاہئے کیونکہ ان کے پینے میں کوئی مفسدہ نہیں کیونکہ عام حالت یہ ہے کہ لوگ بُرے اور نامرضی الاخلاق ہیں۔ اس لئے شریعت نے حرمت کے قانون کو عام کردیا۔ اور مہذب اور غیر مہذب سب کیلئے ناجائز کردیا کیونکہ اعتبار اکثر کا ہوتا ہے اور اکثر لوگ بُرے ہیں اسلئے ان ڈکیتوں کے ہاتھ سے یہ تلوار لیلی گئی اور شراب کو ان کیلئے ناجائز کیا گیا۔ اور اچھے لوگ چونکہ کم تھے والنادر کالمعدوم اسلئے قانون کو عام رکھا گیا اور کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔ **ف** بیخود از مے الخ اور بر ہمہ مے را محرم کردہ اند میں علامہ بحر العلوم نے مے عشق و مستی عشق مراد لی ہے اور اسکے حرام کرنے کے معنی یہ بتلائے ہیں کہ صوفیا اسے نقص اور عیب سمجھتے ہیں۔ لیکن صاحب ذوق سلیم جانتا ہے کہ یہ بیان بالکل خلاف تحقیق ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ مستی عشق کے اندر چار احتمال ہیں یا تو خود عشق مراد ہو یا اسکا سرور یا وہ بیخودی جو شطحیات سے خالی ہو۔ یا وہ بیخودی جس سے شطحیات صادر ہوں۔ اول و ثانی تو یقینًا مراد نہیں ہوسکتے رہے ثالث و رابع سو وہ بھی مراد نہیں ہوسکتے کیونکہ مولانا مے کو حرام بتارہے ہیں اور بیخودی خواہ اس سے شطحیات صادر ہوں یا نہوں مے نہیں بلکہ اثر مے ہے دوسرے گو سکر باضافت فی الصحو نقص ہو لیکن وہ بھی کمال ہے نہ کہ عیب لہٰذا اسے عیب کہنا ٹھیک نہیں۔ تیسرے محرم کردہ اند بمعنی عیب میگویند ایک ایسا استعمال ہے جس سے معنی مقصود کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوسکتا پھر وجہ اسکی مولانا نے یہ بیان کی ہے کہ اغلب بد و ناپسند ہستند اور قلت و کثرت اس شراب کے پینے والوں میں دیکھی جائیگی۔ نہ کہ مجموعہ شاربین و غیر شاربین میں اور شراب عشق کے پینے والے اہل اللہ ہی ہیں پس انکی نسبت یہ کہنا کہ اغلب بد و ناپسند ہستند کیسے صحیح ہوسکتا ہے اور انکو رہزن کیسے کہا جاسکتا ہے

وان تاملت فی سیاق الکلام ظهرلك وجوه آخر فتامل - ف شراب ظاہری کی حرمت سے کسی کو شراب باطنی کی حرمت کا شبہ نہ ہونا چاہیئے کیونکہ اسکے پینے والے کل مہذب ہوتے ہیں۔

بیان کردن رسول علیہ السلام سبب تفضیل و اختیار کردن آن جوان را بر پیران کار دیدہ کار آزمودہ

گفت پیغمبر کہ اے ظاہر نگر
تو مبیں او را جوان و بے ہنر

اے بسا ریش سیاہ و مرد پیر
اے بسا ریش سفید و دل چو قیر

عقل او را آزمودم بارہا
کرد پیری آن جوان در کارہا

پیر پیر عقل باشد اے پسر
نے سفیدی موئے اندر ریش و سر

از بلیس او پیر تر خود کے بود
چونکہ عقلش نیست او لاشے بود

طفل گیرش چون بود صنا کمال
پیر باشد در ہنر آن خوشخصال

طفل گیرش چون بود عیسی نفس،
پاک باشد از غرور و از ہوس،

آن سفیدی مو دلیل پختگی است
پیش چشم بستہ کش کوتہ گی است

آن مقلد چون نداند جز دلیل،
در علامت جویدا و دایم سبیل

بہر او گفتیم این تدبیر را
چونکہ خواہی کرد بگزین پیر را

لیک پیر عقل نے پیر سن
مے ندانی ممتحن از ممتحن،

آنکہ او از پردۂ تقلید جست
او بنور حق ببیند ہرچہ ہست

نور پاکش بے دلیل و بے بیان
پوست بشگافد در آید در میان

پیش ظاہر بین چہ قلب و چہ سرہ — او چہ داند چیست اندر قوصرہ

اے بسا زر سیہ کردہ بدود — تا رہد از دست ہر دزد حسود

اے بسا مس بندودہ بزر — تا فروشد آن بعقل مختصر

تا کہ باطن بین جملہ کشوریم — دل بہ بینیم و بظاہر ننگریم

قاضیانے کہ بظاہر می تنند — حکم بر اشکال ظاہر می کنند

چون شہادت گفت و ایمانش نمود — حکم او مومن کنند این قوم زود

بس منافق کاندرین ظاہر گریخت — خون صد مومن بہ پنہانے بریخت

جہد کن تا پیر عقل و دین شوی — تا چو عقل کل تو باطن بین شوی

از عدم چون عقل زیبا رو گشاد — خلعتش داد و ہزاران نام داد

کمترین زان نامہائے خوش نفس — اینکہ نبود ہیچ او محتاج کس

گر بصورت وانماید عقل رو — تیرہ باشد روز پیش نور او

در مثال احمقی پیدا شود — ظلمت شب پیش او روشن بود

کو ز شب مظلم تر و تاری ترست — لیک خفاش شقی ظلمت خرست

اندک اندک خوے کن با نور روز — ورنہ خفاشے بمانی بے فروز

عاشق ہر جا شکال و مشکلے است — دشمن ہر جا چراغ مقبلے است

ظلمت اشکال زان جوید دلش — تا کہ افزون تر نماید حاصلش

تا ترا مشغول آن مشکل کند — وز نہاد زشت خود غافل کند

جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ظاہر بیں تو اسکو جوان اور بے ہنر نہ سمجھ کیونکہ ایسا بہت ہوتا ہے کہ ڈاڑھی سیاہ ہوتی ہے اور آدمی بڈھا ہوتا ہے اور ایسا بھی بہت ہوتا ہے کہ ڈاڑھی سفید ہوتی ہے اور دل قیر کی طرح سیاہ ہوتا ہے اور نور باطن حاصل نہیں ہوتا ہے جو کمال عقل کا سبب ہے پس ڈاڑھی کی سفیدی اور سیاہی نقصان و کمال عقل کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ میں نے اس جوان کو بارہا آزمایا ہے اور دیکھا ہے کہ اس نے بہت سے کاموں میں بوڑھاپن کیا ہے تو جو معمر شخص کو پسند کرتا ہے یہ تیری غلطی ہے کیونکہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے اور ہر معمر کارآمد اور مفید نہیں ہوتا دیکھ لے ابلیس سب سے زیادہ معمر ہے اور کوئی اس سے زیادہ معمر نہیں ہو سکتا مگر چونکہ عاقل نہیں اسلئے کسی کام کا بھی نہیں پس معلوم ہوا کہ فی نفسہ معمر ہونا کوئی چیز نہیں بلکہ عاقل ہونے کی ضرورت ہے تو اس ہذلی کو جوان کہتا ہے ہم کہتے ہیں کہ یہ جوان بھی نہ سہی بلکہ بچہ سہی لیکن چونکہ صاحب کمال ہے اسلئے وصف کمال کے لحاظ سے بڈھا ہے اور اگر یہ بچہ بھی ہو تو چونکہ مسیح دم ہے اسلئے غرور اور ہوا و ہوس سے پاک ہوگا اور یہ عین عقل ہے لہذا عاقل ہوگا پس ثابت ہوا کہ ڈاڑھی کی سفیدی کوئی چیز نہیں ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ یہ اس شخص کیلئے جسکی آنکھیں بند ہوں اور جو کہ دور بیں نہ ہو کمال کی دلیل ہے اور چونکہ ایسا شخص مقلد ہے اور مقلد کا سہارا رہنمائی ہے اسلئے اُسے ہمیشہ علامت کی ضرورت ہوتی ہے اسکے لئے ہم نے کہا تھا کہ جب تمکو پیشوا کرنا ہو تو بڈھے کو کرو مگر مراد ہماری پیر عقل ہے نہ کہ پیر سال لیکن مقلد کو ناقص اور کامل میں امتیاز نہیں ہوتا اسلئے اس کے واسطے تو یہی ہے کہ وہ معمر کو اختیار کرے کیونکہ پختگی عقل کا بصیرت سے تو اسکو جوان کی نسبت علم ہے نہ بڈھے کی رہی علامت پختگی سو وہ بڈھے میں موجود ہے نہ کہ جوانمیں اسلئے اسکے لحاظ بڈھے کو ترجیح ہے اور جو لوگ حجاب تقلید سے نکلکر محقق و صاحب بصیرت ہوگئے ہیں وہ حق سبحانہ کے نور سے جو کہ انکو حاصل ہے امر واقعی کو معلوم کرلیتے ہیں انکے لئے علامت کی ضرورت نہیں کیونکہ نور حق سبحانہ کی یہ خاصیت ہے کہ وہ بدون دلیل اور بیان کے کھال کے اندر گھس کر باطنی حالت معلوم کرلیتا ہے برخلاف ظاہر بیں کے کہ اسکے نزدیک کھوٹا اور کھرا دونوں برابر ہیں وہ کیا جانے کہ بھید جسم کے اندر کیا ہے اسلئے اسکے واسطے دلیل و علامت کی ضرورت ہے دیکھو بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی مصلحت سے آدمی کے ظاہر و باطن میں مخالفت ہوتی ہے کبھی باطن اچھا ہوتا ہے

اور ظاہر برا اور اسکی مثال تو یہی ہوتی ہے جیسے کوئی شخص سونے کو چوروں سے بچانے کے لئے
دھوئیں میں رنگ لے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ظاہر اچھا ہوتا ہے اور باطن برا اسکی مثال ایسی ہے
جیسے کوئی شخص تانبے پر سونے کا ملمع کردے تاکہ وہ اسکو کسی کم عقل کے ہاتھ بیچدے پس ہم
لوگ جو تمام عالم کی باطنی حالت باعلام الٰہی جان سکتے ہیں دل کو دیکھتے ہیں اور ظاہر کو نہیں
دیکھتے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ قضاۃ چونکہ باطنی حالت کے معلوم کرنے سے عاجز ہیں اسلئے
ظاہر کو دیکھتے ہیں۔ اور شکل ظاہری پر حکم لگاتے ہیں۔ چنانچہ جب کسی نے کلمۂ شہادت پڑھلیا
اور اپنا ایمان ظاہر کردیا تو اسپر مومن کا حکم کرتے ہیں اور اسکو ظاہر و باطن میں مسلمان سمجھتے ہیں
اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے ایسے منافقوں نے جو کسی مصلحت دنیوی کے بنا پر ظاہر کفر سے بھاگ کر
ظاہراً اسلام میں داخل ہوگئے ہیں مخفی طور پر سیکڑوں مسلمانوں کا خون کردیا ہے خواہ انہیں
قتل کرکے خواہ اُن کو دین سے برگشتہ کرکے۔ جیسا کہ عبداللہ بن سبا اور اسکے متبعین نے کیا بس
تم کوشش کرو کہ شیخ عقل و دین ہوجاؤ۔ تاکہ اہل اللہ کی طرح باطن بین ہوجاؤ۔ اور منافقین
کے ضرر سے محفوظ ہوجاؤ۔ دیکھو جب عقل جمیل پردۂ غیب سے جلوہ نما ہوتی ہے تو آدمی کو معزز
و ممتاز کرتی اور اُسے نہایت نامور کردیتی ہے معمولی حالت اسکی یہ ہوتی ہے کہ وہ شخص بینا
ہوجاتا ہے اور اندھوں کی طرح دوسروں کا محتاج نہیں ہوتا عقل کی تو یہ شان ہے کہ اگر وہ متشکل
اور ظاہر ہو تو اسکے نور کے مقابلہ میں روز روشن تاریک معلوم ہو اور حمقی اور بے عقلی کی حالت
یہ ہے کہ اگر اسکی صورت ظاہر ہو تو تاریکی شب اُسکے سامنے منور معلوم ہو کیونکہ وہ رات سے
بھی زیادہ تاریک اور مظلم ہے۔ شاید کوئی سوال کرے کہ پھر آدمی اُسے کیوں پسند کرتے ہیں اور
اسے کیوں نہیں چھوڑنا چاہتے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ خفاش ہیں اور بدبخت خفاش ظلمت
خواہ ہی ہوتا ہے اور ظلمت ہی اُسکی غذا ہوتی ہے پھر اسے کیسے چھوڑے اب فرماتے ہیں کہ اے
خفاش صفت تو نور عقل سے جو کہ نور روز سے مشابہ ہے رفتہ رفتہ مناسبت پیدا کرلے ورنہ تو
خفاش صفت ہی رہیگا۔ اور جہاں کوئی اشکال اور مشکل ہوگی تو اسی کا عاشق رہیگا۔ اور جہاں
چراغ ولایت ہوگا تو اسکا دشمن ہوگا کیونکہ اشکال و مشکل میں تو ظلمت جہل ہے۔ اور تو ظلمت کا
عاشق ہے اسلئے تو اشکال کا عاشق ہوگا۔ اور چراغ ولایت میں روشنی علم ہے اور تو روشنی کا

دشمن ہے اسلئے اس چراغ سے متنفر ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ تو استدلالیات ہی میں گرفتار رہیگا اور کشفیات سے تجھے بے مناسبتی رہیگی۔ اب ہم تم کو اسکا راز بتلاتے ہیں کہ وہ ظلمت اشکال پر کیوں عاشق ہے سنو اسکا دل ظلمت اشکال کا اسلئے طالب ہے کہ اسکو اسکا مایۂ علم وعقل زیادہ معلوم ہو کیونکہ جب وہ کسی بات میں اشکال یا اسکا جواب پیدا کریگا تو لوگ سمجھیں گے کہ بڑا عاقل اور فہیم ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ تم کو سوال وجواب میں الجھا کر اپنی سرشت بد سے غافل کردے اور تم اسکی باطنی حالت میں غور نہ کر سکو۔

علامت عاقل تمام و نیم عاقل و مرد تمام و نیم مرد و علامت شقی مغرور لاشئے

عاقل آں باشد کہ او با مشعلہ است ＊ او دلیل و پیشوائے قافلہ است

پیرو نور خود ست آں پیش رو ＊ تابع خویش است آں بیخویش رو

مومن خویش است و ایمان آورید ＊ ہم بداں نورے کہ جانش زاں چرید

دیگرے کہ نیم عاقل آمد او ＊ عاقلے را دیدۂ خود داند او

دست در وے زد چو کور اندر دلیل ＊ تا بدو بینا شد و چست و جلیل

واں خرے کز عقل جو سنگے نداشت ＊ خود نبودش عقل و عاقل را گذاشت

رہ نداند نے قلیل و نے کثیر ＊ می نجوید ہم نذیر و ہم بشیر

غرقہ اندر غفلت و در قال و قیل ＊ ننگش آید آمدن خلف دلیل

می رود اندر بیاباں دراز ＊ گاہ لنگاں آیس و گاہے تباز

شمع نے تا پیشوائے خود کند ＊ نیم شمعے نے کہ نورے گد کند

نیست عقلش تا دم زندہ زند ＊ نیم عقلے نے کہ خود مردہ کند

مردهٔ آں عاقل آید او تمام | تا برآید از نشیب خود بہ بام

عقل کامل نیست خود را مردہ کن | در پناہ عاقلے زندہ سخن

زندہ نے تا ہمدم عیسیٰ بود | مردہ نے تا دمگہ عیسیٰ بود

زندہ نے و مردہ نے لاشے بود | غورہ باشد نے عنب نے مے بود

غورهٔ کہ غورگی در نگذرد | سنگ بست و خام و ترش و رد بود

جان کورش گام ہر سو می نہد | عاقبت نجہد و لے بر می جہد

سود ندہد بر جہیدن آں زماں | زانکہ نازل شد بلا از آسماں

یہاں سے مولانا عاقل کامل اور عاقل ناقص اور احمق کی حالت بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عاقل کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی مشعل لئے ہوئے ہو کیونکہ وہ اپنا رہبر خود ہوتا ہے اور دوسروں کا مقتدا اور پیشوا ہوتا ہے اور دوسرے لوگ اسکے سہارے پر چلتے ہیں یہ پیشرو خود اپنے نور کا پیرو ہوتا ہے اور یہ خودی کو چھوڑ کر چلنے والا خود اپنا تابع ہوتا ہے اسلئے گویا کہ وہ خود اپنے اوپر ایمان لاتا اور اسی نور پر ایمان رکھتا ہے جس سے اسکی جان متغذی ہے (یہ شان اصالۃً تو انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ہے اور انکے توسط سے اولیاء اللہ کو بھی اسکا ایک معتد بہ حصہ حاصل ہو جاتا ہے اسلئے وہ بھی ان ہی کیساتھ ملحق ہیں اور چونکہ انبیا کی طرح اولیا اپنے اوپر ایمان نہیں رکھتے بلکہ انکا ایمان انبیا ہی پر ہوتا ہے اسلئے ہم نے مومن خویش ست الخ کو حقیقت پر محمول نہیں کیا بلکہ تشبیہ پر محمول کیا۔ اور مقصود یہ ہے کہ انکو استقلالی شان حاصل ہوتی ہے جیسے مومن بنفسہ کو ہوتی ہے مگر علی تفاوت درجات کمال العقل۔ پس انبیا کو استقلال اتم واکمل حاصل ہوگا اور اولیا کو اس سے کم۔ اور جبکہ یہ معلوم ہو گیا کہ مومن خویش ست سے بیان استقلال مقصود ہے نہ کہ معنی حقیقی تو معنی حقیقی سے سکوت ہوگا اور یہ شبہ نہ واقع ہوگا کہ اس سے لازم ہے کہ یا تو انبیا بھی مومن بنفسہ ہوں یا اولیا بھی مومن بنفسہ ہوں کیونکہ عاقل دونوں ہیں اور دونوں کو مومن

خویش است کہا ہے پس اگر مومن خویش است الخ کے یہ معنی ہیں کہ وہ حقیقۃً اپنے اوپر ایمان رکھتے ہیں تو لازم ہے کہ اولیا بھی مومن بالفسہم ہوں اور اگر یہ معنی ہیں کہ وہ مجازاً اپنے اوپر ایمان رکھتے ہیں تو لازم کہ انبیا بھی مومن بانفسہم نہوں اور محصل دفع شبہ یہ ہو کہ اسکے معنی یہ ہیں کہ وہ علی تفاوت درجات الاستقلال مستقل ہیں جیسے کہ مومن بنفسہ مستقل ہوتا ہے گو دونوں استقلالوں میں فی الجملہ فرق بھی ہے کہ اول کیلئے اتمیت لازم نہیں اور دوسرے کے لئے لازم ہے۔ رہی یہ بات کہ وہ حقیقۃً کس پر ایمان رکھتے ہیں اس سے کوئی بحث نہیں خواہ اپنے اوپر ایمان رکھتے ہوں یا دوسرے پر اب شبہ نہ رہا۔ خود اپنے اوپر ایمان لانے کی ایک مختصر اور واضح توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ انبیا کا اپنے اوپر ایمان ....

.... لانا تو ظاہر ہے رہے اولیا سو انکا ایمان انبیا پر ہے اور مولانا نے ارواح انسانیہ کا اتحاد ثابت کیا ہے جسکی تفصیل گذر چکی تو انکا انبیا پر ایمان لانا اتحاد کی بنا پر گویا کہ خود اپنے ہی اوپر ایمان لانا ہے) اور دوسرا شخص جو نیم عاقل ہے اُسکی حالت یہ ہے کہ وہ عاقل کو اپنی آنکھ جانتا ہے اور اسکے سہارے پر چلتا ہے اور اسکو یوں پکڑ لیتا ہے جیسے اندھا اپنے رہبر کو پکڑ لیتا ہے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اسکی بینائی سے بینا ہو جاتا ہے۔ اور تیز رو اور بڑا شخص ہو جاتا ہے اور تیسرا شخص وہ ہے جو احمق ہو اور عقل بالکل نہ رکھتا ہو اور باوجود ذاتی عقل نہونے کے عاقل کو بھی چھوڑ دیتا ہو اسکی حالت یہ ہے کہ وہ بالکل راستہ نہیں جانتا اور اُس بشیر و نذیر (شیخ) کو نہیں ڈھونڈھتا۔ جو اُسکو منافع سے مطلع کرے اور مضار سے ڈرائے بلکہ وہ غفلت اور فضولیات میں منہمک ہوتا ہے اُسکو شرم آتی ہے کہ کسی رہبر کے پیچھے چلے اسکی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ مسافت طویلہ راہ خدا میں کبھی تو لنگڑا اور مایوس چلتا ہے اور کبھی دوڑ کر یعنی وہ خود رائی سے اُسکو طے کرنا چاہتا ہے پس کبھی تو بے قاعدہ چلتا ہے اور کبھی باقاعدہ نہ اسکے پاس شمع عقل کامل ہوتی ہے کہ اُسے پیشوا بنائے اور نہ نیم شمع یعنی نیم عقل کہ وہ صاحب شمع یعنی شیخ عاقل کو رہبر بنائے اور اس سے نور حاصل کرے۔ اور نہ تو اُسکو عقل کامل ہوتی ہے کہ وہ زندوں کی ہی پھونک مارے اور عیسے علیہ السلام کیطرح روحانی مردوں کو زندہ کردے۔ اور نہ عقل ناقص ہوتی ہے کہ اپنے کو مردہ کرلے اور شیخ عاقل کے سامنے

اپنے کو کامل مردہ بنالے تاکہ وہ حضیض ناسوت سے اوج ملکوت تک پہونچ جاوے پس اگر تمکو عقل کامل حاصل نہو تو اپنے کو ایک زندہ سخن عاقل کی پناہ میں مردہ کرلو خیر یہ مضمون تو جملہ معترضہ کے طور پر تھا اب ہم احمق کی حالت بیان کرتے ہیں سنو وہ نہ تو زندہ بحیات روحانی ہے کہ اسکی پھونک میں بھی دم عیسے کا اثر ہو اور وہ روحانی مردونکو جلا سکے اور نہ مردہ ہی ہے کہ کوئی عیسے نفس شیخ کامل اُسے پھونک مارکر زندہ کردے۔ اور وہ اُسکی پھونک کا محل بنجاوے۔ (پھونک سے مراد فیض تعلیم و صحبت ہے) غرضکہ نہ وہ زندہ ہے اور نہ مردہ بلکہ محض ہیچ ہے۔ اور وہ ایک کچا انگور ہے نہ پختہ ہے جو مے یعنی کامل بن سکے اور نہ خود مے یعنی کامل ہے اور قاعدہ ہے کہ جو کچا انگور ایسا ہو کہ وہ اپنے غورہ پن کو نہ چھوڑے تو وہ ٹھٹرا ہوا اور کچا اور کھٹا اور نکما پھینکنے کی قابل ہوتا ہے لہذا یہ احمق بھی محض نکما ہے۔ نیز اُسکی یہ حالت ہے کہ وہ اٹکل پچو ہر طرف چلتا ہے مگر وہ اس دام ضلالت سے نکل نہیں سکتا۔ ہاں کودتا پھاندتا بہت ہی مگر اسوقت اسکا یہ کودنا پھاندنا کچھ کام نہیں آتا کیونکہ آسمان سے بلا نازل ہوچکی ہے یعنی وہ بلائے حماقت میں گرفتار ہوتا ہی (گو یہ بلائے احمقی اختیاری ہے مگر اسکو آسمان سے نازل ہونے والا اسلیے کہا گیا کہ قضائے آسمانی کو بھی اسمیں گونہ دخل ہے)۔

قصۂ آبگیر و صیادان و آں سہ ماہی یکے عاقل و یکے نیم عاقل و یکے مغرور ابلہ بے عقل و عاقبت ایشان

قصۂ آں آبگیر ست اے عنود	کہ درو سہ ماہی اشگرف بود
در کلیلہ خواندہ باشی لیک آں	قشر افسانہ بود ویں مغز جاں
چند صیادے سوئے آں آبگیر	برگذشتند و بدیدند آں ضمیر
پس شتابیدند تا دام آورند	ماہیان واقف شدند و ہوشمند

آنکہ عاقل بود عزم راہ کرد — عزم راہ مشکل نا خواہ کرد

گفت با آنہا ندارم مشورت — کہ یقین سستم کنند از مقدرت

مہر زاد و بود بر جان شان تند — کاہلی وجہل شان بر من زنند

مشورت را زندۂ باید نکو — کہ ترا زندہ کند آن زندہ کو

اے مسافر با مسافر رائے زن — زانکہ پایت لنگ دارد رائے زن

از دم حب الوطن بگذر مایست — کہ وطن آن سوست جان این سوی نیست

گر وطن خواہی گذر آن سوئے شط — این حدیث راست را کم خوان غلط

چونکہ اوپر نزول بلائے آسمانی کے وقت سعی کا بیکار ہونا بیان فرمایا تھا اسلئے اب اُسکے مناسب ایک قصہ بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک تالاب کا قصہ ہے کہ اُسمیں تین عجیب مچھلیاں تھیں۔ تم نے اس قصہ کو کلیلہ دمنہ میں پڑھا ہوگا لیکن وہ قصہ کا پوست ہے جس عنوان سے ہم بیان کرتے ہیں وہ مغز جان ہے اسلئے اس مقام پر اسکا ذکر لغو نہیں ہے۔ پس تم اسے غور سے سنو اور کلیلہ دمنہ میں پڑھ لینے کی بنا پر بے توجہی نکرو۔ خیر قصہ یہ ہے کہ چند شکاری اس تالاب کی طرف آنکلے اور اسکے پانی میں مخفی مچھلیونکو دیکھا۔ یہ دیکھکر وہ جال لینے دوڑے۔ مچھلیاں انکے اس ارادہ پر مطلع اور خبردار ہوگئیں پس ان میں جو مچھلی عاقل تھی اُس نے تو وہاں سے چلدینے کا پختہ ارادہ کر لیا یعنی اس رستہ کا قصد کر لیا جو کٹھن تھا اور جسپر چلنے کی خواہش نہوتی تھی اور دل میں کہا کہ میں ان مچھلیوں سے اس معاملہ میں مشورہ نہیں کرتی کیونکہ یہ امر یقینی ہے کہ یہ مجھے اپنی مقدور بھر ڈھل مُل کرینگی۔ اور پیدایش و سکونت کی محبت انکے دل میں اثر کریگی۔ اور وہ مجھے سفر سے مانع ہونگی۔ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ انکی کاہلی اور جہالت کا اثر مجھپر پڑیگا۔ اب مولانا انتقالی فرماتے اور مضمون ارشادی بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مشورہ کیلئے زندہ دل اور اچھے شخص کی ضرورت ہے جو کہ تمہیں زندہ کر دے اُسکے بعد فرماتے ہیں کہ ایسے لوگ کہاں ہیں یعنی بہت کم ہیں اور عام حالت تو

خراب ہی ہے۔ خیر تم چونکہ عالم ناسوت سے عالم ملکوت کا سفر کرنا چاہتے ہو اسلئے ایسے ہی لوگوں سے مشورہ کرو کیونکہ جو لوگ عورتوں کی طرح خانۂ ناسوت میں محبوس ہیں انکی رائے تمہاری پاؤں توڑ دیگی یعنی اس سے مانع ہوگی۔ دیکھو تم حب الوطن من الایمان کے فریب میں نہ آجانا اور عالم ناسوت کو وطن سمجھکر اسمیں نہ رہ پڑنا۔ بلکہ اس سے گذر جانا۔ کیونکہ وطن اصلی تو عالم غیب ہے۔ کیونکہ تمہاری حقیقت روح ہے اور روح ناسوتی نہیں ہے بس اگر وطن مطلوب ہے تو دریائے ناسوت کے اس پار پہونچ جاؤ اور اس صحیح حدیث حب الوطن من الایمان کو غلط مت پڑھو یعنی اسکو عالم ناسوت پر محمول نکرو۔

سرّ حدیث حب الوطن من الایمان

در وضو ہر عضو را ورد ے جدا
آمدہ است اندر خبر بہر دعا

چونکہ استنشاق بینی می کنی
بوئے جنت خواہ از رب غنی

تا ترا آں بو کشد سوئے جناں
بوئے گل باشد دلیل گلستاں

چونکہ استنجا کنی ورد و سخن
ایں بود یارب تو زینم پاک کن

دست من اینجا رسید ایں را بشست
دستم اندر شستن جانست سست

اے ز تو کس گشتہ جان ناکساں
دست فضل تست در جانہا رساں

حد من ایں بود کردم من لئیم
زاں سوئے حد را نقی کن اے کریم

از حدث شستم خدایا پوست را
از حوادث تو بشو ایں دوست را

حکایت آں شخص کہ بوقت استنجا گفت اللّٰھم ارحنی رائحۃ الجنۃ بجائے اللّٰھم اجعلنی من التوابین واجعلنی

من المتطہرین کہ ورد استنجاست این را در وقت استنشاق خواند عزیزے گفت سوراخ دعا گم کردہ

آں یکے در وقت استنجا بگفت — کہ مرا با بوئے جنت دار جفت

گفت شخصے خوب ورد آوردہ — لیک سوراخ دعا گم کردہ

ایں دعا چوں ورد بینی بود چوں — ورد بینی را تو آوردی بکوں

رائحہ جنت ز بینی یافت حُر — رائحہ جنت کے آید از دبر

اے تواضع بردہ پیش ابلہاں — وے تکبر کردہ تو پیش شہاں

آں تکبر بر خساں خوب ست و چست — ہیں مرو معکوس عکسش بند تست

از پئے سوراخ بینی رست گل — بو وظیفہ بینی آمد اے عتل

بوئے گل بہر مشام ست اے دلیر — جائے آں بو نیست ایں سوراخ زیر

کے ازینجا بوئے خلد آید ترا — بو ز موضع جو اگر باید ترا

ہمچنیں حب الوطن باشد درست — تو وطن بشناس اے خواجہ نخست

چونکہ اوپر حدیث حب الوطن من الایمان کے غیر محل سے متعلق کرنے کی ممانعت کی تھی اور محل سے متعلق کرنے کی ترغیب دی تھی اسلئے اب اس مضمون کو ایک قصہ سے واضح فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اولاً یہ سمجھ لو کہ وضو میں ہر عضو کیلئے ایک جداگانہ وظیفہ دعا کیلئے .... حدیث میں آیا ہے چنانچہ حکم ہے کہ جب تم ناک میں پانی دو تو حق سبحانہ سے بوئے جنت کی درخواست کرو اور کہو اللّٰھم ارحنی من رائحۃ الجنۃ۔ تاکہ حق سبحانہ تمکو جنت کی بو سنگھا دیں اور وہ بو تمہیں جنت میں لیجاوے کیونکہ قاعدہ ہے کہ بوئے گل گلستاں کی طرف رہبر ہوتی ہے۔ اسی طرح بوئے جنت کیطرف

راہنمائی کرے گی اور حکم ہے کہ جب استنجا کرو تو تمہارا وظیفہ اور کلام یہ ہونا چاہئے کہ اے اللہ تو مجھے نجاست سے پاک کر۔ میرا ہاتھ تو یہیں تک پہونچتا ہے سو اس نے اس مقام کو دہو ڈالا لیکن میرا ہاتھ میری جان کو دہونے سے عاجز ہے پس اے وہ ذات جو نالائقوں کو لائق بناتی ہے۔ تیرا دست قدرت جانوں تک پہونچتا ہے پس تو میری جان کو پاک کر دے مجھ نالائق کی رسائی تو یہیں تک تھی اسلئے میں نے اسی کو پاک کر لیا۔ پس اس مقام سے ادہر جو شے ہے یعنی روح تو اُسے پاک کر دے اور اے اللہ میں کھال کو تو دہو چکا ہوں۔ مگر تو میرے دل و جان کو دہو دے۔ جو میرے دوست ہیں خیر یہ تو تمہید تھی اب اصل مطلب سنو۔ ایک شخص استنجے کے وقت کہہ رہا تھا کہ اے اللہ تو مجھے بوئے جنت سے پیوستہ رکھ کسی شخص نے اس دعا کو سنکر کہا کہ میاں دعا تو تمنے اچھی کی۔ لیکن اس دعا کا سوراخ بھول گئے بھائی یہ دعا تو سوراخ بینی کی تھی تمنے سوراخ مقعد پر اسے کیوں پڑھا جنت کی بو تو ناک سے محسوس ہوتی ہے پاخانہ کے مقام سے تو جنت کی بو نہیں آتی۔ اب مولانا یہاں سے ایک استطرادی مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جو احمقوں کے سامنے تواضع کرتا ہے اور اہل اللہ سے تکبر کرتا ہے تو محل تواضع و تکبر بھول گیا تکبر تو کمینوں کے مقابلہ میں عمدہ اور موزوں ہے تو بیڑہا مت چل یہ تیرا ٹیڑہا چلنا تیرے لئے بیڑی ہے جو تجھے نفس کے قبضہ سے نہ نکلنے دیگی اس مضمون استطرادی کو ختم کر کے پھر اصل قصہ کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس شخص نے کہا کہ پھول تو سوراخ بینی کیلئے اُگا ہے اور بُو تو ناک کا حق ہے اور بوئے گل تو قوت شامہ کیلئے ہے پیچھے کا سوراخ اس بو کا محل نہیں تو سوچ تو سہی کہیں جنت کی بو تجھے پاخانہ کے مقام سے آسکتی ہے ہرگز نہیں۔ پس تو اس بو کو اسکے محل سے طلب کر اب مولانا فرماتے ہیں کہ یوں ہی حب الوطن من الایمان نہایت صحیح ہے مگر تمکو پہلے وطن کو پہچاننا چاہئے کہ کون ہے اور پھر وطن کی محبت کرنی چاہئے۔

گفت آں ماہی زیرک رہ کنم	دل زرائے و مشورت شان بر کنم
نیست وقت مشورت ہیں راہ کن	چوں علی تو آہ اندر چاہ کن
محرم آں آہ کمیاب ست وبس،	شب روی پنہاں روی کن چوں عسس

سوی دریا عزم کن زیں آب گیر | بحر جو وی ترک ایں گرداب گیر
سینہ را پا ساخت میرفت آں حذور | از مقام با خطر تا بحرِ نور
ہمچو آہو کز پئے او سگ بود | می دود تا در تنش یک رگ بود
خواب خرگوش و سگ اندر پے خطاست | خواب خود در چشم ترسندہ کجاست
رفت آں ماہی رہ دریا گرفت | راہ دور و پہنۂ پہنا گرفت
رنجہا بسیار دید و عاقبت | رفت آخر سوئے امن و عافیت
خویشتن افگند در دریائے ژرف | کہ نیابد حد آنرا ہیچ طرف
پس چو صیاداں بیاوردند دام | نیم عاقل را ازاں شد تلخ کام
گفت آہ من فوت کردم فرصت را | چوں نگشتم ہمرہ آں رہنما
ناگہاں رفت او ولیکن چوں برفت | می ببایستم شدن در پے بتفت
ایں زماں سودے ندارد حسرتم | چوں کنم چوں فوت شد آں فرصتم
بر گذشتہ حسرت آوردن خطاست | باز ناید رفتہ یاد آں ہباست

اب مولانا مچھلیوں کے قصہ کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عاقل مچھلی نے کہا کہ مجھے چلدینا چاہیئے اور ان سے مشورہ اور رائے لینے کا خیال چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور اپنے نفس سے خطاب کر کے کہا کہ اب مشورہ کا وقت نہیں ہے پس تجھے رستہ پر پڑ لینا چاہیئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کیطرح کنوئیں میں اظہار غم کرنا چاہیئے (مشہور ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اسرار بیان فرماتے تھے تو وہ نہ ضبط کر سکتے تھے اور نہ کسی سے کہہ سکتے تھے اسلئے کنوئیں میں مُنہ ڈالکر اپنے دل کا بخار نکالتے تھے مگر یہ واقعہ ثابت نہیں مولانا نے بنا بر شہرت لکھدیا ہے دہو کھا نہ کھانا چاہیئے) کیونکہ اس اظہار غم کے محرم کمیاب ہیں اور اب تجھکو صرف یہ چاہیئے کہ کسی کو راز دار نہ

بنائے اور کو توال کیطرح رات کو اور تنہا چلے یعنی سفر مخفی اور بلا مشورہ اختیار کرے تاکہ کوئی مزاحم نہو اور چاہیئے کہ اس تالاب کو چھوڑ کر دریا کا عزم کرے اور اس گرداب کو چھوڑے اور دریا کو طلب کرے یہ سوچکر اس ہوشیار مچھلی نے اپنے سینہ کو پاؤں بنایا اور سینہ کے بل اس خوفناک مقام سے بحر نور میں چلدی۔ (بحر نور سے مراد بحر حقیقت و معرفت نہیں ہے کما وہم بلکہ دریائے متعارف ہے اور توجیہ اضافت یہ ہے کہ مصائب و بلایا کو ظلمت سے تشبیہ دیجاتی ہے اسکے مقابلہ میں راحت و آسایش نور سے مشابہ ہونگے اور معنی بحر نور دریائے موجب راحت ہونگے واللہ اعلم) اور وہ وہ یوں دوڑی جسطرح وہ ہرن جسکے پیچھے کتا لگا ہوا ہو اسوقت تک دوڑتا ہے جب تک کہ اس میں ذرا سی بھی قوت باقی ہوتی ہے اور دوڑنا بھی چاہیئے کیونکہ ایسی حالت میں غفلت کی نیند سونا جبکہ کتا پیچھے لگا ہو سخت غلطی ہے اسکے علاوہ ڈرنے والے کو نیند آبھی تو نہیں سکتی۔ پھر سو کیونکر سکتا ہے خیر تو وہ مچھلی چلدی اور دریا کا رستہ لیا اور بہت لمبا چوڑا رستہ اختیار کیا گو اُسے رستے میں بہت کچھ تکلیفیں ہوئیں مگر بالآخر وہ امن و عافیت کے مقام پر پہونچگئی۔ اس نے اپنے کو ایسے گہرے سمندر میں ڈالدیا جسکے کنارہ کو کوئی نظر نہیں محسوس کر سکتی تھی پس جبکہ شکاری لوگ جال لے آئے تو نیم عاقل مچھلی کی زندگی تلخ ہوگئی اور اس نے کہا کہ افسوس میں نے وقت کھودیا میں اس راہبر کی ہمراہ کیوں نہ چلی گئی یہ مسلم ہے۔ وہ بدون کہے اچانک چلی گئی لیکن جب وہ چلی گئی تھی اور مجھے معلوم ہو گیا تھا تو فوراً ہی مجھے بھی اسکے پیچھے چلدینا چاہیئے تھا۔ خیر اب پچھتانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ جب وقت نکل گیا تو اب کیا ہو سکتا ہے اب مولانا فرماتے ہیں کہ گذشتہ پر پچھتانا سخت غلطی ہے کیونکہ وہ تو اب واپس ہو نہیں سکتا اسلئے کہ وہ تو اب معدوم ہو چکا پھر لوٹ کیسے سکتا ہے لہذا اس پچھتاوے کو چھوڑنا چاہیئے۔ اور آئندہ کی فکر کرنی چاہیئے۔ اسکے بعد مولانا اسکے متعلق ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں۔

قصہ آں مرغ کہ وصیت کرد کہ بر گذشتہ پشیمانی مخور و در تدارک وقت اندیش و بر فتہ غم مخور

آں یکے مرغے گرفت از مکر دام	مرغ اورا گفت کائے خواجہ ہمام

تو یکے مرغ ضعیفے ہمچو من | صید کردہ خوردہ گیر اے نیک ظن

تو بسے گاوان و میشاں خوردۂ | تو بسے اشتر بقربان کردۂ

تو نگشتی سیر زانہا در زمن | ہم نگردی سیر از اجزائے من

مر مرا آزاد گرداں از کرم، | اے جوانمرد کریم محتشم،

ہل مرا تا کہ سہ پندت بردہم | تا بدانی زیرکم یا ابلہم،

اول آں پندت دہم بر دست تو | بدہمت اے جاں و دل سرست تو

بر سر دیوار بدہم ثانیش، | تا شوی زاں پند شاد و خوب و کش

واں سوم پندت دہم من بر درخت | کہ ازیں سہ پند گردی نیکبخت

آنچہ بر دست ست اینست آں سخن | کہ محالے را ز کس باور مکن

بر کفش چوں گفت اول پند رفت | گشت آزاد و براں دیوار رفت

گفت دیگر بر گذشتہ غم مخور | چوں ز تو بگذشت زاں حسرت مبر

بعد ازاں گفتش کہ در جسمم کتیم، | دہ درم سنگ است یک دُرِّ یتیم

دولتِ تو بخت فرزنداں تو | بود آں گوہر بحق جان تو

فوت کردی دُر کہ روزیت نبود | کہ نباشد مثل آں دُر در وجود

آنچناں کہ وقتِ زادن حاملہ | نالہ دارد خواجہ شد در غلغلہ

گشت غمناک و ہمی گفت آہ آہ | ایں چرا کردم کہ شد کارم تباہ

من چرا آزاد کردم مر ترا | زیں حیل از راہ بردی مر مرا

مرغ گفتش نے نصیحت کردمت | کہ مبادا بر گذشتہ دی غمت
چون گذشت و رفت غم چون میخوری | یا نکردی فہم پندم یا کری
وان دوم پندت بگفتم کز ضلال | ہیچ تو باور مکن قول محال
من نیم خود دہ درم سنگ اے اسد | دہ درم سنگ اندرونم چون بود
خواجہ باز آمد بخود گفتا کہ ہین | باز گو پند سوم اے نازنین
گفت آری خوش عمل کردی بدان | تا بگویم پند ثالث رایگان
این بگفت و بر پرید و شاد رفت | سوئے صحرا سرخوش و آزاد رفت
پند گفتن با جہول خوابناک | تخم افگندن بود در شورہ خاک
چاک حمق و جہل نپذیرد رفو | تخم حکمت کم دہش اے پندگو
زانکہ جاہل جہل را بندہ بود | چونکہ تو پندش دہی او نشنود

ایک شکاری نے فریب اور جال سے ایک پرندہ پکڑا اس پرندہ نے اس سے کہا کہ جناب میں نے مانا کہ آپ نے مجھسے کمزور جانور کو پکڑ کر کھا لیا لیکن آپ خیال فرمائیں کہ آپنے بہت سی گائیں اور بہت سی بھیڑیں چٹ کرلی ہیں مگر ہنوز آپکا پیٹ نہیں بھرا۔ پس ضرور ہے کہ مجھے کھا کر بھی آپکا پیٹ نہ بھریگا۔ پس میرے نزدیک بہتر رائے یہ ہے کہ آپ مجھے براہ کرم آزاد کردیں اور چھوڑ دیں۔ تاکہ میں آپکو تین نصیحتیں کروں اور اس سے آپکو معلوم ہوجاوے کہ میں دانا ہوں یا بیوقوف لیکن شرط یہ ہے کہ پہلی نصیحت تو آپکے ہاتھ پر بیٹھا ہوا کرونگا اور دوسری دیوار پر تاکہ آپ اس سے شاداں وفرحاں ہوں اور تیسری نصیحت میں آپ کو درخت پر بیٹھکر کرونگا۔ ان تین نصیحتوں سے آپ خوش اقبال ہوجاوینگے اس رائے کو شکاری نے منظور کرلیا۔ اور پرندہ نے کہا کہ پہلی نصیحت جو آپکے ہاتھ پر بیٹھے ہوئے ہے یہ ہے کہ محال بات کوئی کہے تم اسکا یقین نکرنا۔ جبکہ اس نے اسکے ہاتھ پر بیٹھکر

پہلی نصیحت کر دی تو اب وہ حسب الشرط آزاد ہو گیا۔ اور دیوار پر جا بیٹھا اور وہاں بیٹھکر کہا کہ دوسری نصیحت یہ ہے کہ گذشتہ پر افسوس نکرنا۔ اور جو بات تمھارے ہاتھ سے نکلجاوے اُسپر پچھتایا مت۔ یہ کہکر اُس نے کہا کہ میرے پیٹ میں دس درم وزن کا ایک موتی پوشیدہ ہے اور تمھاری جان کی قسم وہ تمھاری دولت اور تمھارے بال بچوں کی خوش اقبالی کا ذریعہ تھا مگر افسوس کہ تمھارے ہاتھ سے وہ موتی نکل گیا کیونکہ تمھاری قسمت ہی میں نہ تھا۔ جو کہ عالم وجود میں اپنا نظیر نہیں رکھتا یہ سنتے ہی اس شکاری نے یوں آہ وزاری شروع کی جیسے دردزہ کے وقت حاملہ عورت کیا کرتی ہے اور بہت غمگین ہوا اور کہا کہ ہائے ہائے میں نے یہ کام کیوں کیا جس سے میرا کام بگڑ گیا اور میں نے تجھے کیوں آزاد کر دیا۔ کمبخت تو نے مجھے چال کر کے راہ راست سے بھٹکا دیا۔ پرندہ نے کہا کہ کیا میں نے آپکو نصیحت نہ کی تھی کہ گذشتہ کا تم کو افسوس نکرنا چاہئے جبکہ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا تو اب کیوں غم کرتے ہو۔ اب دو حالتیں ہیں یا تو تم نے میری نصیحت کو سمجھا نہیں یا تم بہرے ہو۔ خیر دوسری نصیحت میں نے آپکو یہ کی تھی کہ اپنی غلطی سے تم محال بات کبھی نہ ماننا مگر تم نے اسکے بھی خلاف کیا کیونکہ میرا کل وزن تین درم نہیں تو دس درم وزن کا موتی میرے اندر کیسے ہو سکتا ہے یہ سنکر اسکو ہوش آیا اُس نے کہا کہ اچھا اب تیسری نصیحت بھی کر دے اُس نے کہا کہ بجا ہے آپ نے ان دو نصیحتوں پر خوب عمل کیا ہے کہ میں تیسری نصیحت کر کے کھوؤں۔ یہ کہکر خوش خوش اڑ گیا اور مزہ سے آزادانہ جنگل کی طرف چلدیا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ جاہل اور اونگھنے والے (بے رغبت) آدمی کو نصیحت کرنا شورہ خاک میں بیج ڈالنا یعنی فضول ہے۔ حماقت اور جہالت کا چاک رفو نہیں کیا جا سکتا اور وہ شورہ زمین ہے اسلئے اے نصیحت گر ایسے کو نصیحت کا بیج نہ دے کیونکہ جاہل آدمی جہل کا غلام ہوتا ہے اور جب تم اسے نصیحت کرتے ہو تو وہ اسے نہیں سنتا۔

چارہ اندیشیدن آن ماہی نیم عاقل و خود را مردہ کردن

نیم عاقل گفت در وقت بلا	چونکہ ماند از سایۂ عاقل جدا
کو سوئے دریا شد و از غم عتیق	فوت شد از من چنان نیکو رفیق

لیک زاں نندیشم و بر خود زنم
خویشتن را ایں زماں مردہ کنم

پس برآرم اشکم خود بر زبر
پشت زیر و می روم برآب بر

می روم بر وے چنانکہ خس رود
نے بسباحے چنانکہ کس رود

مردہ گردم خویش بسپارم بآب
مرگ پیش از مرگ امنیست از عذاب

مرگ پیش از مرگ امنیست اے فتیٰ
ایں چنیں فرمود مارا مصطفیٰ

گفت موتوا کلکم من قبل ان
یاتی الموت تموتوا بالفتن

ہمچناں مرد و شکم بالا فگند
آب میبردش گہ نشیب و گہ بلند

ہر یکے زاں قاصداں بس غصہ خورد
کہ دریغا ماہیٔ مہتر بمرد

شاد میشد او ازاں گفت دریغ
پیش رفت ایں بازیم رستم ز تیغ

پس گرفتش یک صیاد ارجمند
پس برو تف کرد و بر خاکش فگند

غلط غلطاں رفت پنہاں اندر آب
ماند آں احمق ہمی کرد اضطراب

از چپ و از راست می جست آں سلیم
تا کہ بجہد خویش برہاند گلیم

دام افگندند اندر دام ماند
احمقی او را در آں آتش نشاند

بر سر آتش بہ پشت تابۂ
با حماقت گشت او ہمخوابۂ

او ہمی جوشید از تف سعیر
عقل می گفتش الم یاتک نذیر

او ہمیگفت از شکنجہ وز بلا
ہمچو جان کافران قالوا بلیٰ

باز میگفت او کہ گر ایں بار من
وا رہم از محنت گردن شکن

من نسازم جز بدریائے وطن	آبگیرے را نسازم من سکن
آب بیحد جویم و ایمن شوم	تا ابد در امن و در صحت روم
ہمچنیں ہے کرد با خود وعدہا	کہ چنیں ورطہ اگر گردم رہا
دامن عاقل بگیرم روز و شب	تا نیفتم در چنیں رنج و تعب

اب مولانا پھر قصہ کی طرف رجوع کرتے ہیں - اور کہتے ہیں کہ جب وہ نیم عاقل مچھلی سایۂ عاقل سے جدا رہگئی تو اس نے مصیبت کے وقت کہا کہ وہ تو دریا کی طرف چلدی اور غم سے آزاد ہوگئی اسلئے اُسے تو فائدہ ہوا مگر میرا یہ نقصان ہوا کہ میرا ایک بہتر ساتھی جاتا رہا لیکن اب میں اسکا خیال ہی چھوڑتی ہوں اور بطور خود ہی کوئی تدبیر کرتی ہوں خیر اسوقت رہائی کی تدبیر یہ ہے کہ میں اپنے کو مردہ کرلوں اور صورت اسکی یہ ہے کہ اپنا پیٹ اوپر کرلوں اور کمر نیچے اور پانی پر تیرنے لگوں اور اسپر یوں تیروں جیسا کہ تنکا بلا اختیار و شعور تیرتا ہے نہ کہ ایسا تیرنا جیسا کہ آدمی تیرتا ہے غرضکہ میں مردہ ہوجاؤں اور اپنے کو پانی کے حوالہ کردوں اور اپنی حس و حرکت سے کچھ کام نہ لوں - بلکہ محض اسکے تابع ہوجاؤں - کیونکہ مرنے سے پہلے مرنا عذاب سے نجات دینے والا ہے - اب مولانا فرماتے ہیں کہ واقعی مرنے سے پہلے مرنا موجب امن ہے اسلئے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی فرمایا ہے اور کہا ہے کہ تم سب اس سے پہلے مرجاؤ کہ تمہیں موت آئے یعنی تم فتنوں میں مبتلا ہوکر مرو - یعنی تم اپنی زندگی ہی میں اپنی خواہشات کو فنا کردو اور مرضی حق سبحانہ کے تابع ہوجاؤ ورنہ فتنوں میں مبتلا ہوکر مروگے - غرضکہ وہ یوں ہی مرگئی اور اپنا پیٹ اوپر کرلیا - اور بالکل بے حس و حرکت ہوگئی - پس کبھی پانی اسکو نیچے لیجاتا کبھی اوپر لاتا تھا یہ دیکھکر ان شکاریوں کو بہت رنج ہوا اور کہا کہ ہائے افسوس بڑی اعلیٰ درجہ کی مچھلی مرگئی - وہ مچھلی اس افسوسناک گفتگو سے خوش ہوتی تھی اور کہتی تھی کہ میری چال چلگئی اور میں خنجر سے بچ گئی اسکے بعد ایک شکاری نے اسے اٹھایا اور تھوک کر اُسے زمین پر پھینکدیا پس وہ تو چپکے چپکے رڑھکتی ہوئی پانی میں پہونچ گئی مگر جو مچھلی احمق تھی وہ تڑپتی رہی وہ احمق کبھی ادہر اچھلتی تھی اور

کبھی اُدہر اور مقصود یہ تھا کہ اس مصیبت سے نکلجاوے اور اپنا کمبل چھڑالے مگر کہاں نکل سکتی تھی آخر انھوں نے جال پھینکا اور وہ جال میں آگئی۔ دیکھو حمقی نے اسے اس مصیبت میں پھنسایا اگر وہ بھی اپنے ساتھیوں کی موافقت کرتی تو کبھی مصیبت میں نہ پھنستی اور حماقت ہی کے سبب آگ کے اوپر توے کی پشت سے ہمخواب ہوئی یعنی بھونی گئی وہ آگ کی گرمی سے جوش کھاتی تھی مگر عقل اس سے کہتی تھی کہ تیرے پاس کوئی ڈرانے والا نہ پہونچا تھا یعنی کیا ایسے واقعات نہ پیش آئے تھے جن سے تو متنبہ ہوتی اسکا جواب وہ اس شکنجہ اور اس مصیبت میں سے وہ دیتی تھی جو کفار دیں گے یعنی کیوں نہیں ضرور آیا تھا خیر تو وہ کہتی تھی کہ اگر میں اب کے اس گردن شکن تکلیف سے بچ جاؤں تو اب دریا ہی میں رہونگی اور تالاب میں کبھی نہ رہونگی اور بہت سا پانی تلاش کر کے بے کھٹکے ہو جاؤنگی اور ہمیشہ کیلئے چین اور سکھ میں چلی جاونگی غرضکہ وہ اسی قسم کی اپنے سے عہد کر رہی تھی کہ اگر اب کے اس بھنور سے نکلجاؤں تو رات دن عاقل کا دامن تھامے رہونگی تاکہ میں اسکو چھوڑ کر پھر مصیبت میں نہ پڑجاوں۔

بیان آنکہ عہد کردن احمق در وقت گرفتاری وندم ہیچ وفائے ندارد کہ ولوردوا لعادوا لما نھوا عنہ وانھم لکاذبون چوں صبح کاذب وفا ندارد

عقل می گفتش حماقت با تو است
با حماقت عہد را آید شکست

عقل را باشد وفائے عہدہا
تو نداری عقل رو اے خربہا،

عقل را یاد آید از پیمان خود
پردہ نسیان بدرانند خرد،

چونکہ عقلت نیست نسیان میر تست
دشمن و باطل کن تدبیر تست

از کمی عقل پروانہ خسیس
یاد نارد ز آتش و سوز و حسیس

چونکہ پرش سوخت توبہ می کند / آز نسیانش بر آتش می زند

ضبط و درک و حافظی و یادداشت / عقل را باشد کہ عقل آنرا فراشت

چونکہ گوہر نیست تابش چوں بود / چوں مذکر نے ایابش چوں بود

ایں تمنا ہم ز بیعقلی اوست / کایں نہ بیند کان حماقت را چہ خوست

ایں ندامت از نتیجہ رنج بود / نے ز عقل روشن چوں گنج بود

چونکہ شد رنج آں ندامت شد عدم / می نیرزد خاک آں توبہ و ندم

آں ندم از ظلمت غم بست بار / پس کلام اللیل یمحوہ النہار

چوں برفت آں ظلمت غم گشت خوش / ہم رود از دل نتیجہ وزادہ اش

میکند او توبہ و پیر خرد / بانگ لو ردوا لعادوا می زند

وہ مچھلی نادم ہو رہی تھی مگر عقل اس سے کہہ رہی تھی کہ حماقت تیری ساتھ ہے اور حماقت کے ساتھ عہد کا ٹوٹنا لازم ہے پس تیری یہ ندامت قائم رہنے والی نہیں ہے۔ وفائے عہد تو عقل کا کام ہے اور عقل تجھے ہے نہیں تو وفائے عہد کیونکر ممکن ہے اور عقل ہی کو اپنے پیمان یاد رہتے ہیں اور وہی پردۂ نسیان کو چاک کرتی ہے نہ کہ حماقت۔ پس چونکہ تجھے عقل نہیں ہے اسلئے نسیان تجھپر حاکم اور تیری تدبیر کا باطل کرنے والا اور اسکا دشمن ہے۔ دیکھو عقل کے نہونے سے پروانہ کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اسکو آگ اور اسکی سوزش اور اسکی آواز یاد نہیں رہتی جب اسکے پر جلتے ہیں اسوقت وہ توبہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اب اسکے پاس نہ پھٹکونگا مگر نسیان اسے پھر آگ سے بھڑا دیتا ہے اور وجہ اسکی یہی ہے کہ ضبط اور ادراک محفوظ رکھنا اور یادداشت عقل کا کام ہے کیونکہ عقل ہی انکو رفعت دیتی ہے اور عقل ہے نہیں تو یہ باتیں کیونکر ہو سکتی ہیں۔ اسلئے کہ یہ امور تو عقل کے تابع ہیں پس جبکہ متبوع ہی نہ ہو۔ تو توابع کیونکر ہو سکتے ہیں۔ مثلاً جب موتی ہی نہو تو اسکی چمک کیسے ہو سکتی ہے۔ اسی طرح جبکہ عقل نہو جو یاد دلانے والی ہے تو اسکا اس فعل سے

رجوع کیونکر ہو سکتا ہے۔ خیر تو اس مچھلی کی یہ تمنا بھی اسکی بے عقلی سے ناشی ہے کیونکہ وہ نہیں جانتی کہ حماقت کی عادت کیا ہے۔ حماقت کی عادت یہ ہے کہ وہ عہد کو بھلا دیتی ہے پس اگر وہ یہ جانتی تو عہد بھی نکرتی کیونکہ سمجھتی کہ ایسی حالت میں عہد کرنا فضول ہے۔ رہی یہ بات کہ ندامت کیوں نہیں رہتی سو اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ ندامت اثر ہے تکلیف کا اور روشن اور خزانہ کی طرح قابل قدر عقل کا نتیجہ نہیں ہے۔ لہذا جبکہ تکلیف نہیں رہتی تو ندامت بھی نہیں رہتی پس ایسی توبہ اور ندامت خاک کی برابر بھی نہیں ظلمت غم سے بیس مرتبہ ندامت ہوتی ہے لیکن جب وہ ظلمت نہیں رہتی تو وہ ندامت بھی نہیں رہتی۔ اور اسکی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے ہاروں الرشید کی کنیزک نے کہا تھا کہ رات کی بات رات گئی اسلئے کہ قاعدہ ہے کہ دن رات کی بات کو مٹا دیتا ہے اور جبکہ ظلمت غم جاتی رہی اور خوشی حاصل ہو گئی تو دل سے اسکا اثر جو اس سے پیدا ہوا تھا یعنی ندامت وہ بھی جاتا رہتا ہے پس وہ مچھلی توبہ کرتی ہے مگر عقل تجربہ کار کہتی ہے کہ اگر پھر اسکو راحت ہو جاوے تو یہ پھر غافل ہو جاویگی جیسے کہ حق سبحانہ کفار کی نسبت فرماتے ہیں کہ وہ دوزخ میں اپنے ناشائستہ افعال سے توبہ کریں گے اور کہیں گے کہ اگر ہم کو دنیا میں بھیجدیا جاوے تو ہم معاصی کا ارتکاب نہ کریں گے لیکن انکا یہ بیان بالکل غلط ہے اگر انکو پھر دنیا میں بھیجدیا جاوے تو یہ پھر معاصی کا ارتکاب کریں گے۔

عقل ضد شہوت است اے پہلواں ۔ آنکہ شہوت می تند عقلش مخواں

وہم خوانش آنکہ شہوت را گذاشت ۔ وہم قلب نقد زر عقلہاست

بے محک پیدا نگردد وہم و عقل ۔ ہر دو را سوئے محک کن زود نقل

ایں محک قرآن و حال انبیا ۔ چوں محک مر قلب را گوید بیا

تا ببینی خویش را ز آسیب من ۔ کہ نۂ اہل فراز و شیب من

عقل را گر ارہ سازد دو نیم ۔ ہمچو زر باشد در آتش او سلیم

اور چونکہ بیان کیا تھا کہ عقل یہ کہتی وہ کہتی ہے اسلئے اب عقل کی حالت بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم جانتے ہو عقل کیا چیز ہے عقل مخالف ہے خواہشات نفسانیہ کی پس جو قوت مدرکہ خواہشات نفسانیہ کے تابع ہو اُسے عقل نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ جو شہوات کی مزاحمت نکرے اور انکو آزاد چھوڑ دے اُسے وہم کہنا چاہئے اب سمجھو کہ وہم ایک کھوٹا سونا ہے اور کھرا سونا زر عقول ہے رہی یہ بات کہ کھرا کھوٹا کیونکہ معلوم ہو اسکے لئے ہم کہتے ہیں کہ یہ بات بدون کسوٹی کے نہیں معلوم ہو سکتی۔ اور بدون کسوٹی کے وہم وعقل میں امتیاز نہیں ہو سکتا۔ پس تمکو چاہئے کہ دونوں کو کسوٹی کے پاس لیجاؤ اور اس سے جانچو شاید تم کہو کہ کسوٹی کیا چیز ہے اسلئے ہم یہی بتائے دیتے ہیں سنو کسوٹی قرآن اور احوال انبیا ہیں پس دونوں کے اقتضارات کو ان ہی سے ملاکر دیکھو جسکے اقتضارات ان سے ملجاویں وہ عقل ہے اور جسکے نہ ملیں وہ وہم ہے یہ کسوٹی معروف کسوٹی کی طرح کھوٹے سونے (وہم) کو دعوت دیتی ہے کہ تو آتا کہ تجھے میری تاثیر سے معلوم ہو کہ تیرا دعویٰ زری جھوٹا ہے اور تو میری جانچ کے قابل نہیں اور تو میرے امتحان میں پورا نہیں اتر سکتا۔ رہی عقل سو اس کی یہ حالت ہے کہ کسوٹی تو کسوٹی اگر اسے آرہ سے بھی دو ٹکڑے کر دیا جاوے تو وہ یوں ہی خنداں رہے گی جیسے آگ میں سونا۔

محاوبات موسیٰؑ کہ صاحب عقل بود و فرعون کہ صاحب وہم بود

وہم مر فرعون عالم سوز را	عقل مر موسےٰؑ جان افروز را
رفت موسےٰؑ بر طریق نیستی	گفت فرعونش بگو تو کیستی
گفت من عقلم رسول ذوالجلال	حجۃ اللہ ام اما نم از ضلال
گفت نے خامش رہا کن ہاؤ ہو	نسبت و نام قدیمت را بگو
گفت کہ نسبت مرا از خاکدانش	نام اصلم کمترین بندگانش،
بندہ زادہ آں خداوند وحید،	زادہ از پشت جواری و عبید،

نسبتِ اصلم ز خاک و آب و گل — آب و گل را داد یزداں جان و دل

مرجع ایں جسم خاکم ہم بخاک — مرجعِ تو ہم بخاک اے سہمناک

اصلِ ما و اصلِ جملہ سرکشاں — ہست از خاکی و آنرا صد نشاں

نے مدد از خاک میگردد تنت — از غذائے خاک فربہ گردنت

چوں رود جاں میشود او باز خاک — اندراں گورِ مخوف سہمناک

ہم تو و ہم ما و ہم اشباہ تو — خاک گردند و نماند جاہ تو

گفت غیر ایں نسب نامیت ہست — مرترا آں نام خود اولیٰ ترست

بندۂ فرعون و بندہ بندگانش — کہ ازو پروردہ اول جسم و جانش

بندۂ باغی و طاغی و ظلوم — زیں وطن بگریختہ از فعلِ شوم

خونی و غداری و حق ناشناس — ہم بریں اوصاف خود میکن قیاس

در غریبی خوار و درویش و خلق — کہ ندانستی سپاس ما و حق

گفت حاشا کہ بود با آں ملیک — در خداوندی کسے دیگر شریک

واحد اندر ملک و اورا یار نے — بندگانش را جز او سالار نے

نیست خلقش را دگر کس مالکے — شرکتش دعوی کند جز ہالکے

نقشِ او کردہ است نقاشِ من اوست — غیر اگر دعوی کند او ظلم جو است

تو نتانی ابروئے من ساختن — چوں توانی جانِ من بشناختن

بلکہ آں غدار و آں طاغی توئی — کہ کنی با حق تو دعوائے دوئی

گر بکشتم من عوانے را بسہو، نے برائے نفس کشتم نے بلہو

من زدم مشتے و ناگہ او فتاد آنکہ جانش خود نہ بد جانے بداو

من سگے کشتم تو مرسل زادگاں صد ہزاران طفل بے جرم و زباں

کشتۂ و خوں شان در گردنت تا چہ آید بر تو زیں خون خوردنت

کشتۂ ذریت یعقوبؑ را بر امید قتل من مطلوب را

کوری تو حق مرا خود بر گزید سرنگوں شد انچہ نفست می پزید

گفت اینہا اہل بے ہیچ شک ایں بود حق من و نان و نمک

کہ مرا پیش حشر خواری کنی روز روشن بر دلم تاری کنی

گفت خواری قیامت صعب تر گر نداری پاس من در خیر و شر

زخم کیکے را نمی تانی کشید زہر مارے را تو چوں خواہی چشید

ظاہرا کار تو ویراں می کنم لیک خارے را گلستاں می کنم

مولانا نے اوپر عقل اور وہم کا تشابہ بیان کیا تھا اور امتیاز کیلئے کسوٹی کی ضرورت بتلائی تھی اب دونوں کے امتیاز کو ایک مثال سے ظاہر فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہم تو فرعون عالم سوز کیلئے حاصل تھا اور عقل موسی علیہ السلام کیلئے جو کہ جان کو منور کرنے والے ہیں تفصیل اسکی یہ ہے کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا اور کہا کہ بتلاؤ تم کون ہو اسپر انھوں نے طریق فنا اختیار کیا اور کہا میں اپنی ذات سے کچھ نہیں ہوں ہاں حق سبحانہ کا صاحب عقل رسول اور اسکے بند و نیز اسکی حجت اور انکے لئے گمراہی سے امان ہوں یہ سنکر فرعون نے کہا کہ بس چپ رہو اور ان فضولیات کو ختم کرو۔ اور اپنا پرانا نسب اور نام بیان کرو۔ اسپر انھوں نے فرمایا کہ آپ بڑا نسب یہ سمجھیں کہ میں خاک سے پیدا ہوا ہوں اور میرا اصلی نام خدا کا ایک ادنی غلام ہے میں اس خدائے یکتا کے بندہ کا بیٹا ہوں

اور اسکے غلاموں اور لونڈیوں سے پیدا ہوا ہوں میرا اصل نسب یہ ہے کہ میں خاک اور آب وگل سے پیدا ہوا ہوں اور حق سبحانہ نے آب وگل کو دل وجان عطا فرمائے ہیں یہ تو میری ابتدائی حالت تھی اب انتہائی حالت بتاتا ہوں میرا یہ جسم خاکی خاک ہی میں لوٹ بھی جاویگا اور صرف میں ہی نہیں بلکہ تو بھی خاک ہی میں لوٹے گا غرض کہ ہم مطیعین حق سبحانہ اور تم سب سرکشوں کی اصل خاک ہے اور اسکی سیکڑوں علامتیں ہیں دیکھو کیا تمھارا جسم خاک سے مدد نہیں لیتا اور غذائے خاکی سے تمھاری گردن موٹی نہیں ہوتی ضرور ہوتی ہے پس یہ کھلی علامت ہے تمھارے خاکی ہونے کی۔ جب تمھارا خاکی ہونا ظاہر ہو گیا تو اب میں کہتا ہوں کہ وہ روح ہے جس نے اسکو خاک سے علیحدہ کر رکھا ہے جب وہ چلی جائیگی تو پھر یہ جسم ڈراونی قبر میں جا کر خاک میں ملجاویگا اور ہمکو بھی اسی پر قیاس کر لو۔ پس ثابت ہوا کہ تو اور ہم اور تیرے تمام اشباہ وامثال خاک ہو جائیں گے اور تیرا جاہ قائم نہ رہیگا یہ سنکر فرعون نے کہا کہ نہیں اس نسب کے علاوہ تمھارا ایک اور نام بھی ہے اور تمھارے لئے اس نام کا لینا زیادہ اولیٰ ہے اور وہ یہ ہے کہ تو وہ عبد فرعون اور اُسکے غلاموں کا غلام ہے جس نے اس (فرعون) کے ذریعہ سے ابتدا سے اپنے جسم وجان کو پالا ہے اور تو اُسکا ایک باغی اور سرکش اور ظالم غلام ہے جو اپنے منحوس فعل کے سبب اُسکے پاس سے بھاگ گیا ہے اور بے وفا اور ناحق شناس ہے۔ یہ تیرے مختصر اوصاف ہیں تو اپنے دیگر اوصاف کو بھی انہیں پر قیاس کر لے۔ مثلاً تو غریب الوطنی میں ذلیل اور محتاج اور چیتھڑوں لگا ہے جسنے ہمارا شکر اور حق نہیں پہچانا اور اسکی بدولت اس حال کو پہونچا۔ اسپر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا حاشا کہ اس شہنشاہ حقیقی کے ساتھ اُسکی خدائی میں کوئی اور شریک ہو وہ اپنے ملک میں یکتا ہے اسکا کوئی شریک نہیں اور وہی اپنے بندوں کا حاکم ہے اُسکے سوا کوئی اور حاکم نہیں اپنی مخلوق کا وہی مالک ہے اس کے سوا کوئی مالک نہیں اُسکی شرکت کا کون دعویٰ کر سکتا ہے بجز اُسکے جو تباہ اور برباد ہونے والا ہو میری تصویر اسی نے بنائی ہے اور میرا مصور وہی ہے اگر کوئی اور اس امر کا دعویٰ کرے۔ تو وہ ظالم ہے تو میرا ایک ابرو نہیں بنا سکتا پھر تو میری جان کا پیدا کرنا کیا جانے۔ اور تو جو مجھے غدار وغیرہ کہتا ہے تو میری نسبت تو یہ الزام غلط ہے ہاں تو خود غدار اور سرکش ہے کہ حق سبحانہ کے ساتھ مشارکت کا مدعی ہے رہا یہ الزام کہ میں نے ایک پولیس مین کو قتل کیا یہ الزام ایک حد تک صحیح ہے

لیکن مجھ سے زیادہ اس جرم کا تو مجرم ہے کیونکہ اگر میں نے ایک پولیس میں خطاءً مار ڈالا ہے تو در حقیقت
میں نے کوئی جرم نہیں کیا کیونکہ میں نے اسے نہ کسی خواہش نفسانی کی بنا پر مارا ہے اور نہ فضول
مارا ہے بلکہ حقیقت اسکی یہ ہے کہ میں نے اسکے ایک گھونسہ مارا تھا اس سے وہ دفعۃً گر گیا۔
اور جسمیں خود ہی جان نہ تھی۔ اس مردہ (روحانی) نے جان دیدی خلاصہ یہ کہ میرا قصد اسکے
قتل کا نہ تھا بلکہ وہ قتل اتفاقی تھا پھر وہ چنداں معصوم الدم بھی نہ تھا کیونکہ کافر تھا پس اگر
میں نے ایک کتے کو خطاءً مار ڈالا تو کوئی جرم نہیں کیا تو نے تو لاکھوں بے تمیز زادوں کو بے جرم اور
بے قصور قتل کیا ہے اور تیری گردن پر انکا خون ہے دیکھئے اسقدر خونخواری کا تجھپر کیا وبال
پڑتا ہے۔ تو نے اولاد یعقوب علیہ السّلام کو قتل کیا ہے اس امید پر کہ تو مجھے جسکا قتل تجھے مقصود
بالذات ہے قتل کر دے۔ لیکن تیری آنکھوں میں خاک جھونک کر حق سبحانہ نے محفوظ رکھا
اور برگزیدہ کیا اور جو خیالات تیرا نفس پکار رہا تھا ان کو منقلب کر دیا اسپر فرعون نے جواب
دیا کہ ان باتوں کو چھوڑ اور یہ بتا کہ کیا میرا اور میرے نان و نمک کا یہی حق ہے کہ تو مجھے میری
جماعت کے روبرو ذلیل کرتا ہے اور روز روشن کو مجھپر تاریک کرتا ہے یہ سنکر حضرت موسٰی
علیہ السّلام نے جواب دیا کہ اس ذلت سے کیا ڈرتا ہے قیامت کی رسوائی سے ڈر وہ زیادہ
سخت ہے۔ جو تجھے لامحالہ حاصل ہوگی۔ اگر تو بھلائی اور برائی میں میرا لحاظ نہ رکھیگا اور میری
اطاعت نہ کریگا تو غور تو کر کہ جب تو ایک پسو کے ڈنک کی تکلیف یعنی معمولی ذلت نہیں برداشت
کر سکتا تو سانپ کا زہر (اتنی بڑی رسوائی) کیونکر پی سکتا ہے یہ صحیح ہے کہ میں بظاہر تیرا بنا بنایا
کھیل بگاڑ رہا ہوں لیکن حقیقت میں کانٹے کو گلستاں اور تجھ ناقابل کو قابل بنا رہا ہوں۔

بیان آنکہ عمارت در ویرانی است و جمعیت در پریشانی و درستی در شکستگی و مراد در بے مرادی و وجود در عدم

آں یکے آمد زمین را می شگافت	ابلہے فریاد کرد و بر نتافت
کایں زمیں را از چہ ویراں میکنی	می شگافی و پریشاں مے کنی

گفت اے ابلہ برو بر من مراں | تو عمارت از خرابی باز داں

کے شود گلزار و گندم زار ایں | تا نگردد زشت و ویراں ایں زمیں

کے شود بستان و کشت و برگ و بر | تا نگردد نظم او زیر و زبر

تا نہ بشگافی بہ نشتر ریش غنز | کے شود نیکو و کے گردد نغز

تا نسوزد خلطہا یت از دوا | کے رود سوزش کجا یابد شفا

پارہ پارہ کردہ درزی جامہ را | کس زند آں درزی علامہ را

کہ چرا ایں اطلس بگزیدہ را | بر دریدی چہ کنم بدریدہ را

ہر بنائے کہنہ کآباداں کنند | نے کہ اول کہنہ را ویراں کنند

ہمچنیں حداد و نجار و قصاب | ہست شاں پیش از عمارتہا خراب

آں ہلیلہ واں بلیلہ کوفتن | زاں تلف کردند معموری تن

تا نکوبے گندم اندر آسیا | کے شود آراستہ زاں خوانِ ما

اب مولانا مضمون سابق کو امثلہ سے واضح فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک شخص زمین کو (ہل وغیرہ سے) پھاڑ رہا تھا ایک احمق کو دیکھکر تاب نہ رہی اور چلا اٹھا کہ ارے زمین کو کیوں خراب کر رہا ہے اور اسے کیوں پھاڑتا اور پراگندہ کرتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ او بیوقوف جا اپنا کام کر اور مجھسے مت الجھ پہلے تو یہ سیکھ کہ سنوارنا کسے کہتے ہیں اور بگاڑنا کسے بھلا تو یہ تو بتا کہ جب تک یہ زمین خراب اور ویران نہوگی اُسوقت تک باغ اور گیہوں کا کھیت کیسے بن سکتی ہے اور جب تک یہ زمین تلپٹ نہوگی اُسوقت تک اس سے باغ اور کھیتی اور پتے اور پھل کیسے پیدا ہو سکتے ہیں اور جب تک تو نشتر سے منہ بند زخم کو نہ چیرے گا اُسوقت تک وہ کیسے اچھا ہو سکتا ہے اور جب تک دوا سے تیری اخلاط فاسدہ فنا نہونگی اسوقت تک تیری تکلیف کیونکر دور ہوگی

اور تجھے شفا کیسے حاصل ہوگی دیکھ درزی کپڑے کو ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے لیکن کبھی کوئی شخص اس درزی کامل سے یہ کہتا ہے کہ تو نے اس اعلیٰ درجہ کے اطلس کو کیوں پھاڑا اب میں اس پھٹے ہوئے کو کیا کروں اور دیکھ جس پرانی عمارت کو تعمیر کرتے ہیں کیا اول اسے گراتے نہیں ہیں ضرور گراتے ہیں علیٰ ہذا بڑھئی لوہار قصاب سب یہی کرتے ہیں کہ اصلاح سے پہلے افساد کرتے ہیں علی ہذا ہلیلہ و بلیلہ کو کو نکر انکے جسم کو خراب کرتے ہیں اور پھر انکو تلف کرکے جسم کی اصلاح کرتے ہیں اور دیکھ جب تک گیہوں کو چکی میں نہ پیسا جاوے اسوقت تک ہمارا دسترخوان کھانوں سے کیونکر مالا مال ہو سکتا ہے ان تمام وجوہ سے معلوم ہوا کہ اصلاح سے پہلے افساد ہوتا ہے پس ثابت ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا ارشاد ظاہر اکار تو ویران میکنم الخ نہایت درست ہے۔

جواب دادن موسیٰ علیہ السلام فرعون را در تہدید او

این تقاضا کرد آں نان و نمک	کہ ز شستت وا رہانم اے سمک
گر پذیری پند موسےٰ وا رہی	از چنیں شست بد نا منتہی
بسکہ خود را کردہ بندہ ہوا	کرمکے را کردہ تو اژدہا
اژدہا را اژدہا آوردہ ام	تا باصلاح آورم من دمبدم
تا دم آں از دم ایں بشکند	مار من آں اژدہا را بر کند
گر رضا دادی رہیدی از دو مار	ورنہ از جانب برآرد آں دمار

اب پھر موسیٰ علیہ السّلام کی گفتگو کی طرف رجوع فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ تو جو مجھے اپنے احسانات یاد دلاتا ہے اسکے متعلق یہ ہے کہ تیرے احسانات ہی کا سبب ہے کہ میں تجھے اس پھندے سے چھڑانا چاہتا ہوں پس اگر تو میری نصیحت مان لیگا تو اس لا انتہا اور برے پھندے سے نجات پا جاویگا۔ ورنہ ہمیشہ اسمیں محبوس رہیگا۔ چونکہ تو نے اپنے کو اپنی خواہشات نفسانیہ کا غلام بنا دیا ہے اور اپنے کیڑے کی طرح ضعیف نفس کو اژدہا بنا لیا ہے اسلئے میں بھی

اس اژدہائے نفس کے مقابلہ کیلئے ایک اژدہائے عصا لایا ہوں تاکہ میں ہر وقت اسکی صلاح کرتا رہوں۔ اور اسکی شوکت وقوت کو اسکے ذریعہ سے توڑتا ہوں اسوقت تو دو اژدہوں کے درمیان پھنسا ہوا ہے ایک اژدہائے نفس ہے اور دوسرا اژدہا عصا پس اگر تو میری اطاعت پر رضامند ہو جاوے تو تو ان دونوں سے بچ جاویگا۔ ورنہ یہ دونوں تجھے ہلاک کر ڈالیں گے۔

جواب فرعون موسیٰ علیہ السلام را و تہدید او

گفت الحق سخت استا جادوئی
کہ درافگندی بمکر اینجا دوئی

خلق یک دل را تو کردی دو گروہ
جادوئی رخنہ کند در سنگ و کوہ

گفت ہستم غرق پیغام خدا
جادوئے کہ دید با نام خدا

غفلت و کفرست مایہ جادوئی
مشعلہ دین است جان موسوی

نفی کردن موسیٰ علیہ السلام جادوئے را از خود

من بجادویان چہ مانم اے وقیح
کز دمم پر رشک می گردد مسیح

من بجادویان چہ مانم اے جنب
کہ ز جانم نور می گیرد کتب

من بجادویان چہ مانم اے خبیث
کز خدا نازل شود بر من حدیث

چوں تو با پر ہوا بر می پری
لاجرم بر من گمان آں می بری

ہر کرا افعال دام و دد بود
ہر کریانش گمان بد بود

چوں تو جزو عالمے بر چوں توئی
کل را بر وصف خود بینی غوی

گر تو بر گردی و بر گردد سرت
خانہ را گردندہ بیند منظرت

ور تو در کشتی روی بر یم رواں
ساحل یم را ہمی بینی دواں

گر تو باشی تنگدل از ملحمہ
تنگ بینی جملہ دنیا را ہمہ

ور تو خوش باشی بکام دوستاں
ایں جہاں بنمایدت چوں گلستاں

اے بسا کس رفتہ تا شام و عراق
او ندیدہ ہیچ جز کفر و نفاق

اے بسا کس رفتہ تا ہند و ہری
او ندیدہ جز مگر بیع و شری

اے بسا کس رفتہ ترکستان و چیں
او ندیدہ ہیچ جز مکر و کمیں

طالب ہر چیز اے یار رشید
جز ہماں چیزے کہ میجوید ندید

چوں ندارد مدرکے جز رنگ و بو
جملہ اقلیمہا را گو بجو

گاؤ در بغداد آید ناگہاں
بگذرد او زیں سراں تا آں سراں

از ہمہ عیش و خوشیہا و مزہ
او نہ بیند جز کہ قشر خربزہ

کہ بود افتادہ بر رہ یا حشیش
لایق سیران گاوے یا خریش

خشک بر میخ طبیعت چوں قدید
بستۂ اسباب و جانش لا یزید

واں فضاے خرق اسباب و علل
ہست ارض اللہ اے صدر اجل

ہر زماں مبدل شود چوں نقش جاں
نو بنو بیند جہانے در عیاں

گر بود فردوس و انہار بہشت
چوں فسردہ یک صفت شد گشت زشت

اے ز غفلت از سبب بیخبر
بندۂ اسباب گشتستی تو خر

لاجرم اے دل و سر گشتۂ
مضطرب احوال و مضطر گشتۂ

چشم بکشا و سبب را بنگر	تا شوی فارغ ز اسباب صور

یہ سنکر فرعون نے کہا کہ واقعی بات یہ ہے کہ تو نہایت کامل جادوگر ہے کہ تو نے اپنے مکر سے ہمارے لوگوں میں تفرقہ ڈالدیا۔ لوگ متحد و متفق تھے تو نے انکو دو گروہ کر دیا اور تجھ سے یہ کچھ بعید نہیں کیونکہ جادوگر تو پتھر اور پہاڑ میں روزن کر دیتا ہے اسکے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں پیغام خداوندی میں غرق ہوں اور ہر دم مجھپر وحی آتی رہتی ہے ایسی حالت میں میں جادوگر کیسے ہو سکتا ہوں کیونکہ جادوگری تو نام خدا سے بھی ضد ہے چہ جائیکہ پیغام خدا کے ساتھ جمع ہو جادوگری کا مادہ تو غفلت از خدا اور کفر ہے۔ پس میں جادوگر کیسے ہو سکتا ہوں کیونکہ میری جان تو مشعل دین ہے اور بے شرم تو سوچ تو سہی کہ میں جادوگروں سے کیا مناسبت رکھتا ہوں کیونکہ میری شان تو احیائے ارواح میں ایسی ہے کہ مسیح دیگر کاملین کو جو اپنے اندر صفت احیار ارواح رکھتے ہیں رشک ہوتا ہے اور او نا پاک میں جادوگروں سے کیا مشابہ ہو سکتا ہوں کیونکہ میری جان سے تو آسمانی کتابوں کو نور حاصل ہوتا ہے یعنی میری جان ہی اُن کے نزول اور انکی رونق ورواج کا سبب ہے۔ اور اد خبیث مجھمیں جادوگروں کی کیا بات ہو سکتی ہے کیونکہ مجھپر تو خدا کا کلام نازل ہوتا ہے جو منافی ہے جادوگری کے بات یہ ہے کہ چونکہ تو خواہشات نفسانیہ کے پروں سے اُڑتا ہے اس لیے تو مجھپر بھی یہ گمان کرتا ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جس کسی کے افعال چوپایوں اور درندوں کے سے ہوتے ہیں وہ اچھے لوگوں پر بھی بدگمانی کرتا ہے اور راز اسکا یہ ہے کہ تو عالم کا ایک جزو ہے اسلئے جو صفت تیری ہوتی ہے تو بقیہ عالم کو بھی اُسی صفت پر سمجھتا ہے کیونکہ تو سمجھتا ہے کہ ایک شئے کے تمام اجزا میں آپسمیں تشابہ ہوتا ہے اب ہم مضمون بالا کو دوسری مثالوں سے سمجھانا چاہتے ہیں دیکھ جب تو گھومتا ہے یا تیرا سر چکراتا ہے تو تجھے گھر گھومتا دکھائی دیتا ہے اور اگر کشتی میں سوار ہو کر دریا پر چلتا ہے تو دریا کے کنارہ کو دوڑتا ہوا دیکھتا ہے اور اگر تو کسی سخت مصیبت سے تنگدل ہوتا ہے تو تجھے تمام دنیا تنگ نظر آتی ہے کما قال سبحانہ تعالیٰ وضاقت علیھم الارض بما رحبت علی ہذا اگر تو خوش ہوتا ہے جیسا کہ تیرے دوست تیرے لئے چاہتے ہیں تو یہ تمام دنیا تجھے گلزار معلوم ہوتی ہے علی ہذا بہت سے لوگ شام و عراق تک کا دور و دراز سفر کرتے ہیں مگر اس طویل سفر میں انہیں بجز کفر و نفاق کے اور کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ اور بہت سے

لوگ ہند و ہرات کی مسافت طویلہ قطع کرتے ہیں مگر انہیں صرف بیع و شریٰ ہی دکھائی دیتی ہے
اور کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ اور بہت سے لوگ ترکستان اور چین کا سفر کرتے ہیں مگر انہیں بجز
مکر و فریب کے اور کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ کیونکہ وہ خود ان صفات کے ساتھ موصوف ہوتا ہے اور اُن
ہی کو طلب کرتا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ جو شخص جس چیز کا طالب ہوتا ہے وہ اپنے مطلوب ہی کو
دیکھتا ہے اور اسکے سوا اسے کچھ نظر نہیں آتا۔ چنانچہ جو شخص صرف رنگ و بو کا ادراک کرتا ہے
خواہ وہ تمام دنیا میں گھوم جاوے مگر اُسے وہی دکھلائی دیگا۔ دیکھو ایک گائے بغداد سے پر
از عجائب و غرائب شہر میں آتی ہے اور اس سرے سے اُس سرے تک چلی جاتی ہے لیکن تمام
عیشوں اور خوشیوں اور مزوں وغیرہ کو چھوڑ کر اسکی نظر صرف خربوزہ کے چھلکوں پر پڑتی ہے
جو کہ رستہ میں پڑے ہوتے ہیں یا گھاس وغیرہ پر پڑتی ہے جو کہ گائے یا اسکی حماقت کی رفتار کے مناسب
ہے۔ یعنی جسکے لئے اسکی رفتار ہوتی ہے اور مولانا نے بیان فرمایا تھا کہ جب کوئی ایک مطلوب کو
مطمح نظر بنا لیتا اور اسکا پابند ہو جاتا ہے تو اسکی نظر سے مطلوب کے علاوہ اور اشیا غائب ہو جاتے
ہیں۔ اسکا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ جب کوئی اسباب کو اپنا مطمح نظر بنالے تو مسبب سے غافل ہو جاوے اسلئے
مولانا یہاں سے اسباب کو مطمح نظر بنالینے کی مذمت کرتے ہیں اور مسبب کو مطمح نظر بنانے کی ترغیب
دیتے ہیں۔ آدمی صور نوعیہ کی کھونٹی پر لٹکا ہوا خشک گوشت کی طرح سوکھ جاتا ہے اور پابند
اسباب ہوتا ہے اور اسکی جان کوئی ترقی نہیں کرتی۔ حالانکہ خرق اسباب و علل کا میدان خدائی
ایک کشادہ زمین ہے جسمیں وہ غیر متناہی یعنی لا تقف عند حد ترقی کر سکتی ہے اسلئے اسکو
ترقی کرنی چاہیئے کیونکہ جسوقت جان کی صورت ہر وقت بدلتی رہتی ہے اور وہ ہر آن ترقی کرتی
رہتی ہے اسوقت اسکو ہر دم ایک نیا عالم نظر آتا ہے یعنی علوم جدیدہ اور واردات غریبہ اس پر
فائض ہوتے ہیں اور یہ حالت اسکی نہایت اچھی ہوتی ہے لیکن اگر وہ ایک ہی صفت پر جمکر بیٹھ جاوے
اور ترقی نہ کرے تو کسی کام کی بھی نہیں۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ اگر فردوس بریں اور جنت کی نہریں بھی
ایک صفت پر جم کر رہجاویں تو اُن سے بھی جی بھر جاتا ہے اور بُری معلوم ہونے لگتی ہیں پس ایسے وہ
شخص جو اپنی غفلت کے سبب مسبب سے غافل ہو گیا ہے اور بندۂ اسباب ہو گیا ہے جسکا یہ نتیجہ ہوا ہے
کہ کور دل۔ حیران اور پراگندہ حال اور بےچین ہو گیا ہے اور سکون قلب تیرا جاتا رہا ہے۔ تو آنکھ کھول

اور مسبب کو دیکھ تاکہ تو اسباب ضرر سے مطمئن رہے اور کوئی مضرت دینی تجھے لاحق نہو۔

بیان آنکہ ہر حس مدرک را از آدمی نیز مدرکاتی دیگرست کہ از مدرکات آن حس دیگر بیخبرست چنانکہ ہر پیشہ ور استاد اعجمی از کار استاد دیگر بیخبرست از آنکہ وظیفہ او نیست و بیخبری این از آنچہ وظیفہ او نیست دلیل نبود کہ آن مدرکات نیست واللہ اعلم

چنبر دید جہان ادراک تست — پردہ پاکان حس ناپاک تست

مدتے حس را بشو ز آب عیان — ہمچنین دان جامہ شوئی صوفیان

چون شدی تو پاک پردہ بر کند — جان پاکان خویش را بر تو زند

جملہ عالم گر بود نور و صور — چشم را باشد از آن خوبی خبر

چشم بستی گوش می آری بہ پیش — تا نمائی زلف و رخسارہ بتیش

گوش گوید من بصورت ننگرم — صورت ار بانگے شود من بشنوم

گوش گوید من بصورت ننگرم — حس چشمست آن ز دیدن قاصرم

عالمم من لیک اندر فن خویش — فن من جز حرف و صوتے نیست بیش

ہین بیا بینی ببین این خوب را — نیست بینی در خور این مطلوب را

گر بود مشک و گلابے بو برم — فن من اینست و علم و مخبرم

کے بہ بینم من رخ آن سیم ساق — ہین مکن تکلیف مالیس یطاق

باز حس کژ نه بیند غیر کژ | خواه کژ غژ پیش او یا راست غژ

چشم احول از یکے دیدن یقین | ناظر شرک است نے توحید بین

تو که فرعونے همه مکری و زرق | مر مرا از خود نمیدانی تو فرق

منگر از خود در من اے کژ باز تو | تا یکے تو را نه بینی تو دو تو

بنگر اندر من ز من یک ساعتے | تا ورای کون بینی ساحتے

وارهی از تنگی و از ننگ و نام | عشق اندر عشق بینی والسلام

پس بدانی چونکه رستی از بدن | گوش و بینی چشم می تاند شدن

راست گفت این شه شیرین زبان | چشم گردد مو بموی عارفان

جسم را چشمے نبود اول یقین | در رحم بود او جنین گوشتین

علت دیدن مدان پیه ای پسر | ورنه خواب اندر نه دیدے کس صور

آن پری و دیو می بیند شبیه | نیست اندر دیدگان هر دو پیه

نور را با پیه خود نسبت نبود | نسبتش بخشید خلاق ودود

آدم است از خاک کے ماند بخاک | جنی ست از نار بے هیچ اشتراک

نیست خود مانند آتش آن پری | گرچه اصلش اوست چون مے بنگری

مرغ از باد ست کے ماند بباد | نامناسب را خدا نسبت بداد

نسبت این فرعها با اصلها | هست بیچون ارچه دادش وصلها

آدمی چون زادهٔ خاک هباست | این پسر را با پدر نسبت کجاست

نسبتے گر ہست مخفی از خرد ہست بیچون و خرد کے پے برد

باد را بے چشم اگر بینش نداد فرق چون می کرد اندر قوم عاد

چون ہمیدانست مومن از عدو چون ہمیدانست مے را از کدو

آتش نمرود را گر چشم نیست با خلیلش چون تجشم کردنیست

گر نبودے نیل را آن نور دید از چہ قبطی را ز سبطی مے گزید

گر نہ کوہ و سنگ با دیدار شد پس چرا داؤد را او یار شد

این زمین را گر نبودی چشم جان از چہ قارون را فرو خورد آنچنان

گر نبودے چشم دل حنانہ را چون بدیدے ہجر آن فرزانہ را

سنگریزہ گر نبودے دیدہ ور چون گواہی دادی اندر مشت در

اے خرد بر کش تو پر و بالہا سورہ برخوان زلزلت زلزالہا

در قیامت این زمین بر نیک و بد کے ز نادیدہ گواہی ہا دہد

کہ تحدث حالہا و اخبارہا تظہر الارض لنا اسرارہا

این فرستادن مرا پیش تو میر ہست برہانے کہ بد مرسل خبیر

کہ چنین دارو چنان ناسور را ہست در خور از پئے میسور را

واقعاتے دیدہ بودی پیش ازین کہ خدا خواہد مرا کردن گزین

من عصا و نور بگرفتہ بدست شاخ گستاخ ترا خواہم شکست

واقعات سہمگین از بہر این گونہ گونہ می نمودت رب دین

درخور سِرِّ بد و طغیان تو — تا بدانی کوست درخورد ان تو

تا بدانی کو حکیم است و خبیر — مُصلحِ امراض درمان ناپذیر

تو بتاویلات میگشتی ازاں — کور و کر کاین ہست از خوابے گراں

واں طبیب وان منجم در لمع — دید تعبیرش بپوشید از طمع

گفت دور از دولت و از شاہیت — کہ در آید غصّہ در آگاہیت

از غذائے مختلف یا از طعام — طبع شوریدہ ہمی بیند منام

زانکہ دید او کہ نصیحت جو نۂ — تند و خونخواری و مسکیں خو نۂ

بادشاہان خوں کنند از مصلحت — لیک رحمت شان فزونست از عنت

شاہ را باید کہ باشد خوئے رب — رحمت او سبق گیرد بر غضب

نے غضب غالب بود مانند دیو — بے ضرورت خوں کند از بہر ریو

نے حلیمی مخنث وار نیز — کہ شود زن روسپی زان و کنیز

دیو خانہ کردہ بودی سینہ را — قبلہ سازیدہ بودی کینہ را

شاخ تیزت بس جگرہا را کہ خَست — نک عصایم شاخ شوخت را شکست

چنبر دید جہاں الخ سے چشم احوال از یکے دیدن الخ تک دونوں احتمال رکھتا ہے یہ بھی کہ مولانا کا مقولہ ہو۔ اور یہ بھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خطاب ہو فرعون کو۔ دوسری صورت میں اے تحقیق واں جامہ شوی صوفیان مولانا کا مقولہ اور جملہ معترضہ ہوگا۔ میرے نزدیک شق ثانی راجح ہے اسلئے میں اسی کو اختیار کرتا ہوں اب حل سنو۔ اوپر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو غلط بیں بتلایا تھا اب اس غلط بینی کے منشا کو متعین فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تیرے عالم کو علی ما ہو علیہ

دیکھنے سے مانع تیری حس جسمانی ہے اور تو جو پاکوں کو علی ماہم علیہ نہیں دیکھ سکتا بلکہ اُن کو اپنا ہی سا جانتا ہے اسکی وجہ بھی تیری یہ ناپاک حس ہی ہے پس کچھ دنوں تو اپنے کو مثل بارہ کا خوگر بنا اور چشم باطن سے کام لینے کی کوشش کر اس پانی سے تیرے حواس جسمانیہ دھلکر پاک صاف ہوجائیں گے اب مولانا جملہ معترضہ کے طور پر فرماتے ہیں کہ صوفی لوگ اپنا جامہ جس اسی طرح دہوتے ہیں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو ہدایت کی تھی اسکے بعد پھر مضمون سابق کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں جب یہ پاک صاف ہوجائیں گے تو جو حجاب اسوقت تیرے اور پاکوں کے درمیان حائل ہے جو تجھے انکے دیکھنے سے مانع ہے وہ اُٹھ جاویگا اور ارواح پاکان اپنے کو تیرے سامنے کردیں گی اور تو انکو دیکھ سکے گا۔ موجودہ حالتمیں جو تو عالم کو علی ماہو علیہ نہیں دیکھ سکتا اُسکی وجہ یہ ہے کہ تو تمام عالم کو ایسے حواس سے محسوس کرنا چاہتا ہے جن سے اُسکا ادراک نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً تو اسکو چشم ظاہر سے دیکھنا چاہتا ہے اور یہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ چشم ظاہر سے تو عالم کی خوبی وغیرہ اسوقت معلوم ہوسکتی ہے جبکہ وہ سب نور اور صور بنجاوے۔ کیونکہ آنکھ اُنہی کا ادراک کرتی ہے اور یہ ہو نہیں سکتا تو تمام عالم تجھے دکھلائی بھی نہیں دیسکتا۔ ایسی حالت میں تیری ایسی مثال ہے جیسے کوئی آنکھ بند کرکے کان سامنے کردے تاکہ اُسکو زلف اور رخسارہ نیت کا دکھلادے (کیونکہ چشم ظاہر سے چشم باطن کی مدرکات کو دیکھنے کی کوشش کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ مبصرات کو کان سے معلوم کرنا) اور اسوقت کان اسکو یہ جواب دے کہ مجھے صورتا کی طرف کوئی میلان نہیں اسلئے میں اسکا ادراک نہیں کرسکتا۔ ہاں اگر صورت کوئی آواز نکالے تو میں سن سکتا ہوں رہا دیکھنا سو وہ آنکھ کا کام ہے میں اس سے قاصر ہوں میں جاننے والا ہوں لیکن اپنے کام کا اور میرا کام حروف اور آوازوں کا سننا ہے اس سے زیادہ نہیں ایسے وہ ناک کو پکارے اور کہے کہ اے ناک تو آ اور اس حسین کو دیکھ حالانکہ ناک بھی اس مطلوب سے مناسبت نہیں رکھتی اسلئے وہ یہ جواب دے کہ میں یہ کام نہیں کرسکتی ہاں اگر مشک اور گلاب ہو تو میں اسے سونگھ سکتی ہوں کیونکہ میرا کام اور میرا فن اور میری صفت باطنیہ یہی ہے میں اس حسین کا چہرہ کیسے دیکھ سکتی ہوں آپ مجھے اس کام کا مکلف نہ بنائیے جسکی مجھ میں طاقت نہیں

خلاصہ یہ کہ ہر چیز کا ادراک کرنے کیلئے اس حالت کی ضرورت ہے جو اسکے مناسب ہو۔ لیکن اتنی بات بھی کافی نہیں بلکہ اسکے ساتھ اسکی ضرورت ہے کہ وہ سالم من الآفۃ ہو کیونکہ بھینگی آنکھ ضرور غلط بین ہوگی خواہ مبصر اسکے سامنے ٹیڑھا چلے یا سیدھا اور بھینگی آنکھ بالیقین ایک نہیں دیکھ سکتی بلکہ وہ ایک سے زائد دیکھے گی اور ایک نہ دیکھے گی جب یہ معلوم ہوگیا۔ تو اے فرعون چونکہ تو سراپا مکر اور فریب ہے اور اسلئے تیری حس باطن ماؤف ہے لہذا تو مجھے بھی اپنا ہی سا جانتا ہے اور مجھ میں اور اپنے میں فرق نہیں کرتا پس تجھے سست بینی درکار ہے تو اسے غلط رو تو مجھے اپنی خودی کو قائم رکھکر مت دیکھ تاکہ تو غلط بینی سے محفوظ رہے اور اکہرے کو دوہرا نہ دیکھے بلکہ اپنے کو مجھ میں فنا کر اور پھر مجھے دیکھ اسوقت تجھ کو میری حقیقت بھی معلوم ہوگی اور تو اس عالم کے علاوہ جسکو تو اب دیکھ رہا ہے ایک نہایت فراخ میدان (عالم غیب) دیکھے گا اور اسوقت تو اس عالم ناسوت سے جو کہ تنگ ہے اور ننگ و نام سے چھوٹ جاویگا۔ اور عشق ہی عشق تجھے نظر آئیگا اور تو علائق جسمانیہ سے علیحدہ ہوجاویگا۔ پس جبکہ تو علائق جسمانیہ سے آزاد ہوجاویگا اسوقت تو دیکھے گا کہ کان اور ناک کا آنکھ بنجانا ممکن ہے اور یہ ممکن ہے کہ کان اور ناک وہ کام دیں جو آنکھ دیتی ہے اور جن حواس سے تو اسوقت عالم کو دیکھنا چاہتا ہے مگر نہیں دیکھ سکتا اُسوقت تو انہیں حواس سے اسے دیکھ سکیگا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو فرمایا ہے کہ گوش و بینی چشم می تاند شدن یہ نہایت صحیح ارشاد ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ عارفوں کا بال بال آنکھ کا کام دیتا ہے (مگر ہر وقت اور ہر حال میں نہیں بلکہ جب حق سبحانہ چاہتے ہیں کیونکہ یہ ایک کرامت ہے اور کرامت اہل اللہ کی اختیاری نہیں ہوتی) اگر کسی عقل پرست کو یہ امر مستبعد معلوم ہو تو ہم اسکو دلیل سے بھی ثابت کرتے ہیں دیکھو یہ بات یقینی ہے کہ ابتداءً جسم کیلئے آنکھیں نہ تھیں بلکہ وہ رحم کے اندر ایک مضغہ گوشت تھا اسکی نسبت کوئی عاقل محض اپنی عقل سے اور مشاہدہ سے قطع نظر کرکے یہ حکم نہیں لگا سکتا تھا کہ یہ دیکھ سکتا ہے مگر قدرت حق سبحانہ سے وہ بینا ہوگیا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ وہ دیکھنے ضرور لگا مگر آنکھوں ہی سے تو دیکھتا ہے اور کسی جزو سے تو نہیں دیکھتا۔ پس اہل اللہ بدون آنکھوں کے کیسے دیکھ سکتے ہیں تو اسکا جواب یہ ہے

کہ رطوبت چشم علت ابصار نہیں علت ابصار تو قدرت و مشیت حق سبحانہ ہے اور یہ ایک طریق
عادی ہے پس حق سبحانہ قادر ہیں کہ اسکے لئے دوسرا طریق بھی تجویز کر دیں جسطرح یہ طریق
تجویز کیا تھا۔ رہی یہ بات کہ رطوبت چشم علت نہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ اگر علت ہوتی تو کوئی
شخص خواب میں صور اشیاء کو نہ دیکھ سکتا۔ کیونکہ یہ ابصار بالضرورۃ رطوبت چشم کے ذریعہ سے
نہیں ہوتا اور دیکھو جنات اور شیاطین مبصرات کو دیکھتے ہیں لیکن انکی آنکھوں میں رطوبت معلوم
نہیں ہے جس کو علت ابصار سمجھا جاتا ہے اچھا اسے بھی چھوڑو ہم کہتے ہیں کہ رطوبت اور نور میں
کونسا علاقہ ذاتیہ ہے جسکی بناء پر یہ رطوبت بالذات اس نور کو مقتضی ہے یقیناً کوئی نہیں پس
لا محالہ یہی کہا جاویگا کہ حق سبحانہ نے انمیں علاقہ پیدا کیا پس جس نے نور اور رطوبت میں محض اپنی
قدرت و مشیت سے بلا رطوبت کے اقتضائے ذاتی کے یہ علاقہ پیدا کیا وہ اس نور اور دیگر اشیا
میں بھی علاقہ پیدا کر سکتا ہے پھر استبعاد کیوں ہے اور یہ کچھ نور اور رطوبت ہی پر منحصر نہیں
بلکہ جو چیز جس چیز سے مناسبت اور تعلق رکھتی ہے اسکو اس سے ذاتی کوئی بھی مناسبت نہیں
بلکہ محض عطائی اور وہبی ہے دیکھو بنی آدم منی سے پیدا ہوئے مگر انمیں اور منی میں کیا مناسبت ہے
اور کون عاقل حکم کر سکتا ہے کہ اس سے بنی آدم پیدا ہو سکتے ہیں علی ہذا جنات آگ سے پیدا ہوئے
مگر ان میں کوئی ایسا اشتراک نہیں جسکی بناء پر عقل حکم لگا سکے کہ اس سے جنات پیدا ہو سکتے ہیں کیونکہ
جن آگ سے کچھ بھی میل نہیں کھاتے حالانکہ اگر تم دیکھو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ وہ آگ سے ہی
پیدا ہوئے ہیں علیٰ ہذا پرندے ہوا سے پیدا ہوئے ہیں لیکن بھلا ان میں اور ہوا میں کونسی مشابہت
ہے پس معلوم ہوا کہ باوجودیکہ ان میں کوئی مناسبت نہیں تھی مگر خدائے تعالیٰ نے انمیں تعلق
پیدا کر دیا۔ پس ان فروع کو اپنے اصول کی ساتھ یہ تعلق کسی ایسی علت پر مبنی نہیں جو اصول
کی ذات میں موجود ہو اور اس تعلق کو مقتضی ہو بلکہ محض وہب و عطائے حق سبحانہ ہے اگرچہ یہ
تعلق فروع کو ان کے اصول کے ساتھ جوڑتا ہے۔ اگر ہمارا یہ بیان صحیح نہیں تو بتلاؤ کہ آدمی جو
خاک سے پیدا ہوا ہے ان دونوں باپ بیٹوں یعنی خاک اور انسان میں کونسی نسبت ہے
اور اگر واقع میں کوئی ایسی نسبت ہو بھی جو عقول سے مخفی ہے تو اسکا وجود ہمیں مضر نہیں
کیونکہ عقل اسکی کیفیت نہیں معلوم کر سکتی۔ اور اسکا پتہ نہیں چلا سکتی۔ جب یہ صورت ہے

تو ممکن ہے کہ جو نسبت ذاتیہ رطوبت چشم اور نور میں ہے ممکن ہے کہ وہ نسبت اوروں میں بھی ہو گو ہم نہیں جانتے پس بدون آنکھ کے ابصار کے انکار کی کون سی وجہ ہے۔ اور صرف ممکن ہی نہیں بلکہ واقع بھی ہے کیونکہ ہوا۔ آگ۔ پانی۔ مٹی بدون آنکھ کے دیکھتے ہیں چنانچہ اس دعوے کو ہم دلیل سے ثابت کریں گے اور یہ تمام مسلم ہے کہ ابصار چشم مبنی ہے اس مناسبت ذاتیہ پر جو رطوبت اور ابصار کے درمیان میں ہے اور بدون اس مناسبت کے ابصار نہیں ہو سکتا تو لازم ہے کہ اشیاء مذکورہ اور ابصار میں بھی وہ مناسبت موجود ہو۔ ہو کر ہو المدعی۔ اب تو اشیاء مذکورہ بدون آنکھ کے کیونکر دیکھتی ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ اگر ہوا بدون آنکھ کے نہ دیکھتی ہوتی تو قوم عاد کے افراد میں کیونکر امتیاز کرتی اور مومن و کافر میں کیسے امتیاز کرتی اور بھلے برے کو کیونکر پہچانتی علی ہذا اگر آگ نہ دیکھتی ہوتی تو آتش نمرود کے حضرت ابراہیمؑ کو جلانے میں کیوں تکلف ہوتا اور اگر پانی بدون آنکھ کے نہ دیکھتا تو آب نیل قبطی اور سبطی میں کیونکر تمیز کرتا اور اگر مٹی بدون آنکھ کے نہ دیکھتی تو پہاڑ اور پتھر داؤد علیہ السلام کے دوست کیوں ہوتے علی ہذا اگر زمین کی باطنی آنکھیں نہ ہوتیں تو قارون کو کیسے نگل لیتی اور اگر ستون حنانہ کے آنکھ نہ ہوتی تو وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مفارقت کو کیونکر دیکھتا علی ہذا اگر کنکریوں کے آنکھیں نہ ہوتیں تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مٹھی میں اُن کے صدق کی گواہی کیونکر دیتیں۔ پس اے عقل محجوب تو اپنے پر و بال سمیٹ لے اور اپنی ذاتی پرواز کو چھوڑ کر سورۂ اذا زلزلت الارض زلزالہا پڑھ اور اس سے معلوم کر کہ زمین قیامت میں اچھی بری باتوں کی شہادت دیگی اور بدون دیکھے کیسے شہادت دے سکتی ہے اسلئے معلوم ہوا کہ وہ بدون آنکھ کے دیکھتی ہے چنانچہ حق سبحانہ فرماتے ہیں کہ زمین اپنے حالات اور اپنے واقعات بیان کریگی اور ہم سے اپنے اسرار ظاہر کریگی۔

(ف بحر العلوم نے "دراے خرد برکش تو پروبالہا الخ"، کے معنی ان الفاظ سے بیان کئے ہیں اے خرد ناقص اگر ترا ادراک زمین خلجان رونماید زود پرواز نمودہ سورۂ زلزال بخواں مگر مجھے یہ توجیہ اچھی نہ معلوم ہوئی اسلئے میں نے مذکورہ بالا توجیہ اختیار کی واللہ اعلم) یہاں تک مولانا اپنے تائیدی مضمون کو ختم کر کے پھر گفتگو موسیٰ علیہ السلام کی طرف رجوع فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُنھوں نے فرمایا کہ میرا ایسے سردار کے پاس رسول بنا کر بھیجا خود دلیل ہے اس بات

کی کہ بھیجنے والا اس سے خوب واقف ہے کہ ایسی دوا ایسے ناسور کے شفا کیلئے نہایت مناسب ہے
اور مجھ سا قاہر تجھ سے شریر کیلئے نہایت موزوں ہے اور یہ امر خود ایک بھاری دلیل ہے میرے
دعوے رسالت کے صدق اور تیرے دعوے جادوگری کے کذب کی نیز اس سے پہلے تو نے
ایسے واقعات دیکھے تھے کہ جو دلیل تھے اس امر کی کہ خدا مجھے اپنے تقرب و رسالت کیلئے منتخب
کرے گا۔ اور میں عصا اور نور ہاتھ میں لیکر تیری شاخ گستاخ کو توڑونگا یعنی تجھ شریر و مفسد
کو تباہ و برباد کرونگا۔ یہ بھی دلیل ہے میرے صدق اور تیرے کذب کی اور یہ خوفناک واقعات
حق سبحانہ نے طرح طرح سے اور تیری خوئے بد اور سرکشی کے مناسب اسلئے بھی دکھلائے تھے
تاکہ تجھے معلوم ہو جاوے کہ وہ تیرے مناسب امر کو خوب جانتا ہے اور تاکہ تجھے معلوم ہو جاوے
کہ وہ حکیم اور خبیر اور ان امراض کا مصلح ہے جو ناقابل علاج ہیں لیکن تو ان میں تاویلیں کرکے
ان سے اندھا بہرا بنتا تھا اور سمجھتا تھا کہ یہ نیند کا اثر ہے اور واقعات مذکورہ اضغاث احلام
ہیں۔ اور طبیب اور منجم بھی واضح طور پر ان کی تعبیر جانتے تھے مگر طمع جان کی وجہ سے چھپاتے
تھے اور کہتے تھے کہ حضور کی دولت اور حکومت یعنی خود حضور سے یہ بات دور رہے کہ کوئی
رنج دہ بات حضور کے علم میں آوے۔ بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ مختلف غذاؤں یا کھانوں
سے طبیعت پراگندہ ہو کر خواب پراگندہ دیکھتی ہے اور یہ وہ اس لئے کہتے تھے کہ انھوں نے
سمجھ لیا تھا کہ تو طالب نصیحت نہیں ہے بلکہ تندخو اور خونخوار ہے اور مسکین خصلت نہیں ہے
یہ ضرور ہے کہ بادشاہ بمصلحت خون کرتے ہیں لیکن انکی رحمت انکی سرکشی پر غالب ہوتی ہے
اور بادشاہ کو ایسا ہی ہونا چاہئے کہ خدا کی خصلت اپنے اندر رکھتا ہو یعنی اسکی رحمت اسکے
غضب سے زائد ہو۔ اور شیاطین و جنات کی طرح اسکا غصہ غالب نہو کہ ناحق خون کرے
اور نہ اسکے اندر مخنث کا سا حلم ہو کہ بیوی اور لونڈی فاحشہ ہو جاوے۔ مگر اسے پرواہ نہو
خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اب سن کہ تو نے اپنے سینہ کو شیطان خانہ بنا رکھا تھا اور کینہ کو اپنا
مطمح نظر بنا رکھا تھا تیرے نیزہ کی انی نے بہت سے جگروں کو زخمی کر رکھا تھا اسلئے میرے
عصا نے تیری شاخ گستاخ کو توڑا۔

حملہ آوردن این جہانیان و تاخت بردن تا در بندان غیب کہ سرحد غیب است و غفلت ایشان ازین کہ چون غازی بغزا نرود کافر تاخت آرد

حملہ بردند اسپہ جسمانیان ‌ ‌ ‌ جانب قلعہ و دز روحانیان

تا فروگیرند در بندان غیب ‌ ‌ ‌ تا کسے نا یداز ان سو پاک جیب

غازیان حملہ غزا چون کم برند ‌ ‌ ‌ کافران بر عکس حملہ آورند

غازیان غیب چون از حلم خویش ‌ ‌ ‌ حملہ نا ورند بر تو زشت کیش

حملہ بردے سوئے در بندان غیب ‌ ‌ ‌ تا نیاید این طرف مردان غیب

چنگ در صلب و رحمہا در زدی ‌ ‌ ‌ تا کہ شارع را بگیری از بدی

چون بگیری شہرہی کہ ذوالجلال ‌ ‌ ‌ برکشاد ست از برائے انتسال

سد شدی در بندہا را اے لجوج ‌ ‌ ‌ کوری تو کرد سرہنگی خروج

نک منم سرہنگ و ہنگت بشکنم ‌ ‌ ‌ نک بنامش نام و ننگت بشکنم

تو ہلا در بندہا را سخت بند ‌ ‌ ‌ چند گاہے بر سبال خود بخند

سبلتت را بر کنند یک یک قدر ‌ ‌ ‌ تا بدانی کالقدر یعمی البصر

سبلت تو تیز تر یا آن عاد ‌ ‌ ‌ کہ ہمی لرزید از دمشان بلاد

تو ستیزہ رو تری یا آن ثمود ‌ ‌ ‌ کہ نیامد مثل ایشان در وجود

صد ازینہا گر بگویم تو کری ‌ ‌ ‌ بشنوی و ناشنودہ آوری

توبہ کردم از سخن کانگیختم　　بی سخن من دارویت آمیختم

کہ نہد بر ریش خامت تا پزد　　تا بسوزد ریش و ریشت تا ابد

تا بدانی کو خبیرست اے عدو　　می دہد ہر چیز را در خورد او

کے کژی کردی و کے کردی تو شر　　کہ ندیدی لایقش در پئے اثر

کے فرستادی دمے بر آسماں　　نیکیئے کز پئے نیامد مثل آں

گر مراقب باشی و بیدار تو　　ہر دمے بینی جزائے کار تو

چوں مراقب باشی و گیری رسن　　حاجتت ناید قیامت آمدن

آنکہ رمزے را بداند او صحیح　　حاجتش ناید کہ گویندش صریح

ایں بلا از کودنی آید ترا　　کہ نکردی فہم نکتہ و رمز را

از بدی چوں دل سیاہ و تیرہ شدہ　　فہم کن اینجا نشاید خیرہ شدہ

ورنہ خود تیرے شود آں تیرگی　　در رسد در تو جزائے خیرگی

ور نیاید تیرت از بخشایش است　　نے پئے نادیدن آلایش است

پس مراقب باش گر دل بایدت　　کز پئے ہر فعل چیزے زایدت

ور ازیں افزوں ترا ہمت بود　　از مراقب کار بالاتر بود

موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ دیکھ میں تیری سرکوبی کیلئے موجود ہوں گو تم لوگوں نے قلعۂ عالم غیب پر حملہ کیا تھا۔ تاکہ تم اسپر قبضہ کرلو اور وہاں سے کوئی مقدس شخص تمہاری سرکوبی کیلئے نہ آسکے اور وجہ اس جرأت کی یہ تھی کہ قاعدہ ہے کہ جب غازی لوگ حملہ غازیانہ کم کر دیتے ہیں تو اُلٹے کافر ہم

حملہ کرتے ہیں اسی طرح چونکہ غازیاں ربانی نے اپنے حلم سے تجھ بدکیش پر حملہ چھوڑ رکھا تھا اور کوئی بنی تیری سرکوبی کیلئے نہیں آیا تھا۔ لہذا تو نے قلعۂ غیبی پر حملہ کیا تاکہ اہل اللہ کی جماعت تیری سرکوبی کے لئے نہ آسکے یعنی تو نے صلب آبا اور رحم امہات پر تسلط کرنا چاہا تاکہ تو اپنی شرارت سے اس راہ پر قبضہ کرلے۔ اور تو نے مردوں کو عورتوں سے مقاربت کرنیکی ممانعت کر دی اور جو بچے پیدا ہو چکے تھے اُن کو قتل کرانا شروع کیا۔ لیکن تو اس راہ پر کیسے تسلط کر سکتا تھا جسکو اس عظیم الشان شہنشاہ نے فزائش نسل آدم کیلئے کھول رکھا ہے گو تو ان قلعوں کیلئے دیوار بن گیا اور ان کے سپاہیوں کی مزاحمت کی مگر تیری آنکھوں میں خاک جھونک کر ایک سپاہی نکل ہی آیا۔ دیکھ وہ سپاہی میں ہوں اور تیری شوکت و قوت کو توڑ پھوڑ کر رکھدوں گا اور خدا کا نام لیکر تیرے نام و ننگ کے پرزے اڑا دونگا دیکھ جہانتک تجھ سے ہو سکے تو اپنی حفاظت کیلئے قلعونکو بند کرلے۔ اور جتنی تدبیریں تجھے اپنے بچاؤ اور میری مدافعت کی ہو سکیں کرلے۔ اور کچھ دلوں تاک اپنی ساتھ مسخر کرلے۔ تو کیا مونچھوں پر تاؤ دیتا ہے تقدیر الٰہی تیری مونچھ کا ایک ایک بال اکھاڑ ڈالے گی۔ یہانتک کہ تجھے معلوم ہو جاویگا کہ تقدیر الٰہی اندھا کر دیتی ہے تیری مونچھیں کچھ قوم عاد کی مونچھوں سے تیز نہیں ہیں۔ جسکے سانس سے شہر تھرا جاتے تھے۔ (مبالغہ ہے قوت و شوکت میں حقیقت مراد نہیں) پس جب وہ ہلاک ہو گئی تو تو کیا ہے اور تو بتلا کہ تو لڑاکا ہے یا قوم ثمود زیادہ لڑاکا تھی جسکے مثل کوئی قوم عالم وجود میں نہیں آئی یقیناً وہی زیادہ لڑاکا ہے تو جب وہ ہلاک کر دیگئی تو تیری کیا ہستی ہے خیر مجھے اس گفتگو نا صحانہ کو چھوڑنا چاہئے کیونکہ بیکار ہے یہ تو کیا اگر سیکڑوں ایسی باتیں بیان کرونگا تب بھی تو بہرا ہی رہیگا۔ یعنی سنے گا مگر اُن کو یوں اڑا دیگا جیسا کہ سنا ہی نہیں۔ اچھا اب تک جو گفتگو میں نے کی ہے اس سے توبہ کرتا ہوں اور بلا کچھ کہے سنے تیرے لئے دوا تیار کرتا ہوں تاکہ اسکو تیرے کچے پھوڑے پر لگاؤں تاکہ وہ پک جاوے اور تاکہ وہ پھوڑا اور تیری ڈاڑھی دونوں ہمیشہ کیلئے جلجاویں یعنی تو ہمیشہ کیلئے ملیا میٹ ہو جاوے اور یہ تدبیر اسلئے کرتا ہوں تاکہ تجھے معلوم ہو جاوے کہ حق سبحانہ واقف امور ہیں اور ہر چیز کو وہی عطا کرتے ہیں جو اسکے مناسب ہے اور چونکہ تیری سرکشی اور طغیانی اس حد تک پہونچ گئی تھی کہ اُسکا اسکے سوا کوئی علاج ہی نہ تھا اسلئے اس طرح اسکا علاج کیا گیا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ یہ بات بالکل ٹھیک ہے۔ کہ حق سبحانہ ہر چیز کو وہی عطا کرتے ہیں

جو اسکے مناسب ہے۔ ورنہ سوچکر بتاؤ کہ تم نے کب کجی اور شرارت کی ہے کہ اسکے مناسب اثر تمنے نہیں دیکھا۔ اور کونسی نیکی تم نے آسمان پر بھیجی ہے جسکے بعد کوئی اچھا اثر آسمان سے نہیں آیا اگر تم اپنے افعال کی نگرانی کروگے اور متنبہ رہوگے تو ہر وقت تم اپنے کام کا خواہ اچھا ہو یا برا بدلا دیکھوگے۔ اور جب تم اپنے افعال کی نگرانی اور اپنی حالت پر غور کروگے اور اس سی کو مضبوط پکڑے رہوگے تو تمہیں اپنے افعال کے بدلے معلوم کرنے کے لئے قیامت کی ضرورت نہوگی۔ بلکہ دنیا ہی میں معلوم ہوجاویگا۔ اور ضرورت قیامت کی ہم نے اسلئے نفی کی ہے کہ یہاں تو افعال کی جزائیں اشارۃً معلوم کرائی جاتی ہیں اور قیامت میں صراحۃً دکھلائی جاوینگی۔ اور قاعدہ ہے کہ جو اشارۃ تو سمجھ سکے اسکے لئے تصریح کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لہذا جب جزاؤں کو یہاں سمجھ جاوے تو اسکو اس کام کیلئے قیامت کی ضرورت نہ رہے گی۔ گو اور وجوہ سے ضرورت ہو یہ مصیبت جو تجھپر پڑتی ہے اسکی وجہ یہی ہے کہ تو نکتہ اور رمز کو نہیں سمجھتا۔ اور اپنے افعال ناشائستہ نہیں چھوڑتا ورنہ کوئی مصیبت نازل نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ حق سبحانہ فرماتے ہیں ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر۔ لیکن اگر کسی کو مصائب انبیاء سے شبہ ہو تو اسکا جواب یہ ہے کہ انبیاء سے گناہ تو نہیں ہوتے مگر لغزشیں جنکو خطاء اجتہادی کہتے ہیں ان سے بھی صادر ہوتی ہیں اور ان پر خطاء اجتہادی پر بھی تنبیہ ہوتی ہے پس نہ اُنکے عصمت پر حرف آیا اور نہ آیت کے عموم میں خلل آیا۔ اور جن مصائب کا منشا خطاء اجتہادی بھی نہیں ہے وہ گو بصورت مصیبت ہی ہیں مگر بمعنی رحمت ہیں لہذا آیت میں داخل ہی نہیں برائی کا چونکہ خاصہ ہے کہ اس سے دل سیاہ ہوجاتا ہے اسلئے اپنے افعال کی جزا کو سمجھنا چاہئے۔ اور گستاخ نہونا چاہئے ورنہ یہ تیرہ درونی خود ایک تیر بلا ہوکر تیرے لگے گی۔ اور تجھکو اس بے باکی کا بدلا ملیگا۔ لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ گناہ پر تیر بلا نہیں لگتا اسکی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ وہ گناہ حق سبحانہ کی نظر سے مخفی ہوجاتا ہے بلکہ اسکی وجہ محض لطف اور فضل ہوتا ہے اسی لئے یعفوا عن کثیر فرمادیا ہے۔ لہذا اس سے تمکو جرأت نہونی چاہئے۔ پس خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر تمھیں دل کی ضرورت ہے اور تم چاہتے ہو کہ تم اہل دل ہوجاؤ تو تمکو اپنے افعال کی نگرانی کرنی چاہئے اس سے تم اہل دل ہوجاؤگے کیونکہ ہر فعل سے ایک نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔ اور اس فعل کا نتیجہ یہی ہے۔ اور اگر مزید ترقی کا ارادہ

ہو تو اس واقعہ ہی سے تمکو ترقی بھی ہو سکتی ہے کیونکہ یہ اصل الاصول ہے تمام ترقیات اور مدارج عالیہ کا۔

بیان آنکہ تن ہر یک آزادی ہمچو آہن نیکو جوہر کہ قابل آئینہ است تادر دنیا بہشت و دوزخ و قیامت و غیرہا معائنہ بنماید نہ بطریق خیال بل بعیان

پس چو آہن گرچہ تیرہ ہیکلے — صیقلے کن صیقلے کن صیقلے

تا دلت آئینہ گردد پر صور — اندرون ہر سو ملیحے سیم بر

آہن ارچہ تیرہ و بے نور بود — صیقلے آں تیرگی از وے زدود

صیقلے دید آہن و خوش کرد رو — تا کہ صورتہا توان دید اندرو

گر تن خاکی غلیظ و تیرہ ہست — صیقلش کن زانکہ صیقل گیرہ است

تا درو اشکال بینی رو دہد — عکس حوری و ملک در وے جہد

صیقل عقلت بدان داد است حق — کہ بدو روشن شود دل را ورق

صیقلے را بستہ اے بے نیاز — واں ہوا را کردہ دو دست باز

گر ہوا را بند بنہادہ شود — صیقلے را دست بکشادہ شود

آہنے کائینۂ غیبی بدے — جملہ صورتہا درو مرسل شدے

تیرہ کردی زنگ دادی در نہاد — ایں بود یسعون فی الارض الفساد

تا کنوں کردی چنیں اکنوں مکن — تیرہ کردی آب را افزوں مکن

پر مشوران تا شود این آب صاف	وا ندرو بین ماه و اختر در طواف
زانکه مردم ہست ہمچون آب جو	چون شود تیره نه بینی قعر او
قعر جو پر گوہر ست و پر زرر	ہین مکن تیره که ہست آن صاف و حر
جان مردم ہست مانند ہوا	چون بگرد آمیخت شد پرده سما
مانع آید او ز دید آفتاب	چونکه گردش رفت شد صافی و ناب
حاصل آنکه کم مکن اے بے سرور	صیقلے واللہ اعلم بالصدور

یہ مضمون بھی تتمہ ہے ماقبل کا چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ تو لوہے کی طرح سیاہ ہے لیکن تجھے چاہئے کہ اپنے کو خوب صیقل کرے۔ تاکہ تیرا دل صورتوں سے لبریز آئینہ ہو جاوے اور اسمیں ہر طرف واردات غیبیہ جو با نمک حسینوں کی طرح محبوب و مرغوب ہیں جلوہ گر ہوں۔ تو لوہے کی حالت سے عبرت پکڑ اور سمجھ کہ گو وہ پہلے سیاہ اور بے نور تھا مگر صیقلی نے اسکو صاف اور شفاف کر دیا اور وہ لوہا صیقل ہو کر خوبصورت ہو گیا اور یہ حالت ہو گئی کہ اسمیں صورتیں دیکھ سکتے ہیں بس یوں ہی اگر تیرا جسم خاکی بھی کثیف اور تاریک ہے تو تو اسے صیقل کر کے صاف کر لے کیونکہ وہ صیقل ہونیکے قابل ہے اور صیقل ہو سکتا ہے اسکا نتیجہ یہ ہو گا کہ اسمیں اشکال غیبی ظاہر ہونگی۔ اور حوروں اور فرشتوں کی صورتیں اسمیں منعکس ہونگی کیونکہ جنت اور عالم ملکوت تجھپر منکشف ہو گا حق سبحانہ نے تجھے عقل جو آئینہ جسم و قلب کا صیقل گر ہے اسلئے دی تھی کہ وہ ورق دل کو صیقل کرے اور وہ صاف و شفاف ہو جاوے لیکن تو نے یہ کیا کہ اس صیقل گر کو باندھ دیا اور ہوا جو کہ اس آئینہ کو داور زنگ آلود کرنے والی ہے اسکے ہاتھ کھول دئے اب تو ہی انصاف کر کہ تیرا یہ فعل کہاں تک مناسب ہے۔ بس ضرورت ہے کہ صیقل گر کے ہاتھ کھولے جائیں اور اگر ہوائے نفسانی کے ہاتھ بند ہیں تو اس صیقل گر کے ہاتھ کھل سکتے ہیں۔ اسلئے ضرورت ہے کہ ہوا کے ہاتھ باندھے جائیں۔ تو غور کر کہ وہ لوہا جو صورت غیبیہ کا آئینہ ہوتا اور تمام صورتیں اسمیں آتیں بشرطیکہ وہ صاف ہوتا

تو نے اُسے مکدر کر دیا۔ اور مکدر بھی ایسا کہ زنگ کو اسکی ذات میں داخل کر دیا۔ بڑے غضب کی بات ہے اور یہ حقیقی مصداق ہے یسعون فی الارض فسادا کا (گو آیت کریمہ میں یہ معنی مراد نہیں) کیونکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ "اصل" ارض اللہ قلب عارف ست" اور اسکا سیاہ کرنا اسکا فساد ہے پس جو لوگ دل کو سیاہ کرتے ہیں وہ بہت بڑے ساعی فی الارض بالفساد ہیں۔ خیر گذشتہ را صلوات۔ گو اب تک تو نے اسے سیاہ کیا مگر اب ایسا مت کر اور گو تو نے اسوقت تک اس آب صاف کو مکدر کیا مگر اس سے زیادہ نہ کر۔ اور اب اسے مت ہلا بلکہ چھوڑ دے تاکہ گرد وغبار تہ نشین ہو جاوے اور وہ پانی صاف ہو جاوے یعنی اب کوئی ایسی حرکت نہ کر جس سے اسکی تیرگی بڑھے بلکہ وہ تدبیر کر جس سے یہ تیرگی رفع ہو پس تو یہ کر اور اسمیں صور غیبیہ کے چاند تارے دیکھ لے۔ ہم تجھے قلب کے مکدر کرنے سے اسلئے روکتے ہیں کہ قلوب انسانیہ ایسے ہیں جیسے ندی کا پانی جسکا قاعدہ ہے کہ جب وہ تاریک ہو جاتا ہے تو اسکی تہ نہیں دکھلائی دیتی اور اسکی تہ میں جواہر اور موتی بھرے پڑے ہیں پس اسکو مکدر نہ کرنا چاہئے کیونکہ اب تک وہ صاف و شفاف ہے اسکے مکدر کر لینے سے وہ جواہر مخفی ہو جاویں گے اسی طرح دل جواہر کمالات سے پر ہیں پس انہیں سیاہ نہ کرنا چاہئے ورنہ وہ کمالات مخفی ہو جاویں گے علیٰ ہذا جان انسانی ہوا کی مشابہ ہے اور ہوا جبکہ گرد کے ساتھ مخلوط ہو جاتی ہے تو آسمان کا پردہ بنجاتی ہے اور آفتاب کے دیکھنے سے مانع ہوتی ہے لیکن جبکہ اسکی گرد فنا ہو جاتی ہے تو وہ صاف اور خالص ہو جاتی ہے پس یہی حالت روح کی ہے کہ جب وہ ظلمات معاصی سے تاریک ہو جاتی ہے تو آفتاب حقیقی کے لئے پردہ ہو جاتی ہے اور علی حسب تفاوت مراتب ظلمات معرفت الٰہی سے مانع ہوتی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ جہاں تک ممکن ہو صیقلی میں کمی نہیں کرنی چاہئے اور جہانتک ممکن ہو تصفیہ باطن میں جد و جہد کرنی چاہئے

باز گفتن موسیٰ اسرار فرعونیہ را و واقعات اور اظہر الغیب تا بجیبے حق ایمان آورد واللہ اعلم

می نمودت تا روی راہ نجات	باگمانِ تیرگی حق واقعات

زآهن تیره بقدرت می‌نمود ‏ واقعاتی که در آخر خواست بود

تا کنی کمتر تو آن ظلم و بدی ‏ آن همی دیدی و بدتر می‌شدی

نقشهای زشت در خوابت نمود ‏ می‌رمیدی زان و آن نقش تو بود

همچو آن زنگی که در آئینه دید ‏ روی خود را زشت و بر آئینه رید

که چه زشتی لایق اینی و بس ‏ زشتیم آن تو است ای کور خس

این جفا بر روی زشتت می‌کنی ‏ نیست بر من زانکه هستم روشنی

گاه می‌دیدی لباس سوخته ‏ گه دهان چشم تو بر دوخته

گاه حیوان قاصد خونت شده ‏ گه سر خود را بدندان زده

گه نگون اندر میان آبریز ‏ گه غریق سیل خون آمیز تیز

گه ز بامی نو فتاده گشته پست ‏ گاه در اشکنجه و بسته دو دست

گاه دیده خویش در زنجیر و غل ‏ گاه مغزت را زدندی چون دهل

گه ندات آمد ازین چرخ نقی ‏ گه شقی و گه شقی و گه شقی

گه ندات آمد صریحا از جبال ‏ که برو هستی ز اصحاب شمال

گه ندامی آمدت از هر جماد ‏ تا ابد فرعون در دوزخ فتاد

گه خطاب آمد ترا از هر نبات ‏ گشت مطرود ابد فرعون و مات

زین بترها که نمیگویم ز شرم ‏ تا نگردد طبع معکوس تو گرم

اندکی گفتم بتو ای ناپذیر ‏ زاندکی دانی که هستم من خبیر

خویشتن را کور میکردی و مات	تا نیندیشی ز خواب و واقعات
چند بگریزی نک آمد پیش تو	کوری او رک مکر اندیشِ تو

یہاں سے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حق سبحانہ باوجود تیرے کمال سیاہ دلی کے تجھے واقعات دکھلاتے تھے تاکہ تو راہ نجات پر چلے۔ اور تجھے تیرے غیر مصفا لوہے یعنی سیاہ دل سے اپنی قدرت کاملہ سے وہ واقعات دکھلاتے تھے جو آخر میں ہونے والے ہیں تاکہ تو متنبہ ہو کر ظلم اور برائی کو کم کرے مگر تو دیکھتا تھا اور بگڑتا تھا تیرے خواب تجھے بری بری سی شکلیں دکھلاتے تھے۔ مگر تو ان سے بھاگتا تھا حالانکہ وہ خود تیری ہی صورتیں تھیں اسلئے تیری مثال ایسی تھی جیسے زنگی جس نے آئینہ میں اپنا منہ برا دیکھا اور آئینہ پر بگڑ دیا۔ اور کہا کہ تو نہایت برا ہے لہذا اسی کے لائق ہے مگر آئینہ کہتا تھا کہ میری برائی حقیقت میں میری نہیں بلکہ تیری ہے اسلئے یہ ظلم تو خود اپنے منہ پر کرتا ہے اور مجھ پر نہیں کرتا۔ کیونکہ میں تو روشن ہوں کبھی تو اپنے لباس کو جلا ہوا دیکھتا تھا جسمیں اشارہ تھا اس امر کی طرف کہ تیرا لباس تقوی فنا ہو چکا ہے۔ کبھی تو اپنے منہ اور آنکھ کو سِلا ہوا دیکھتا تھا جسمیں اشارہ تھا اس طرف کہ تو حق گو اور حق بین نہیں کبھی دیکھتا تھا کہ کوئی جانور تیرے خون کے درپے ہے اور کبھی دیکھتا تھا کہ تیرا سر ایک درندہ کے منہ میں ہے یہ جانور اور درندہ خوئے بہیمیہ و سبعیہ تھیں۔ کبھی دیکھتا تھا کہ میں پاخانہ کے بیچ میں پڑا ہوں جسمیں اشارہ تھا اس طرف کہ تو نجاسات معاصی میں آلودہ ہے۔ اور کبھی دیکھتا تھا کہ میں ایک تیز خون آمیز سیلاب میں ڈوب گیا ہوں جسمیں اشارہ تھا اس طرف کہ تیرا خون ناحق تیری ہلاکت کا سبب ہے۔ کبھی دیکھتا تھا کہ میں نے کوٹھے سے گر کر نیچے آگیا ہوں جسمیں اشارہ تھا اس طرف کہ تو عالم بالا کو چھوڑ کر دنیا میں پھنس گیا ہے کبھی دیکھتا تھا کہ شکنجہ میں تیرے ہاتھ پاؤں پھنسے ہوئے ہیں اور کبھی دیکھتا تھا کہ میں طوق و زنجیر پہنے بیٹھے ہوں کبھی دیکھتا تھا کہ میرا سر ڈھول کی طرح کوٹا جارہا ہے ان امور میں اشارہ تھا تیرے افعال کی جزا کی طرف یہ تو خواب کے واقعات تھے۔ مگر صرف انہی پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ بلکہ واقعات بیداری کے ذریعہ سے بھی متنبہ کیا گیا چنانچہ کبھی آسمان سے ندا آتی تھی کہ تو شقی ہے کبھی پہاڑوں سے صاف آواز آتی تھی کہ تو دوزخی ہے کبھی دیگر جمادات سے ندا آتی تھی کہ اے فرعون تو ہمیشہ کیلئے دوزخ میں جائیگا کبھی نباتات

کہتے تھے کہ فرعون ہمیشہ کیلئے درگاہ الٰہی سے مردود ہوگیا۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ ان سے بڑے بڑے اور واقعات ہیں جنکو میں شرم کی بنا پر اور اسلئے نہیں کہتا کہ تیری اونہی طبیعت تیز ہو جاوے اور تجھے غصہ نہ آجاوے تو میری نصیحت کو بالکل ہی سننا چھوڑ دے مختصر طور پر اسلئے بیان کر دیا ہے تاکہ اس مختصر بیان سے تجھے معلوم ہو جاوے کہ میں تیرے واقعات کو جانتا ہوں اور اس سے تجھے معلوم ہو جاوے کہ میں نبی ہوں غرض یہ سب واقعات تجھپر گذرتے تھے مگر تو اندھا بنجاتا تھا اور اپنے کو مغلوب کرلیتا تھا تاکہ تو خواب اور واقعات بیداری سے سوچ میں نہ پڑ جاوے لیکن تو کب تک بھاگ سکتا تھا آخر وہ واقعات تیرے مکار ادراک کے منشا کے خلاف تیرے سامنے آگئے۔

در بیان آنکہ در توبہ باز است

ہین بکن زین پس فراگیر احتراز	کہ زبخشایش در توبہ است باز
توبہ را از جانب مغرب درے	باز باشد تا قیامت بر ورے
تا ز مغرب بر زند سر آفتاب	باز باشد آں در از وے رو متاب
ہست جنت را ز رحمت ہشت در	یک در توبہ است زاں ہشت اے پسر
آں ہمہ گہ باز باشد گہ فراز	واں در توبہ نباشد جز کہ باز
ہین غنیمت دار در باز ست زود	رخت آنجا کش بکوری حسود
پیش ازاں کز قہر در بستہ شود	بعد ازاں زاری تو کس نشنود
باز گرد از کفر واین در باز یاب	تا نگردی از شقاوت ردّ باب

خیر جو کچھ ہو چکا وہ تو ہو چکا اب ایسی باتیں مت کر اور ان سے بچ۔ کیونکہ بخشش خداوندی سے ہنوز در توبہ کھلا ہوا ہے اور مغرب کی جانب سے یہ توبہ کا دروازہ مخلوق کیلئے قیامت تک کھلا رہیگا یعنی جب تک کہ آفتاب مغرب سے نکلے اسوقت تک کھلا رہیگا تو اس سے اعراض مت کر

بلکہ اس سے فائدہ اٹھا۔ دیکھ جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور ان آٹھ میں سے ایک در توبہ ہے پس بقیہ سات کبھی بند ہوتے ہیں اور کبھی کھلے ہوئے لیکن در توبہ ہمیشہ کھلا ہوا ہوتا ہے پس چونکہ یہ دروازہ کھلا ہوا ہے اسلئے اسکو غنیمت جان اور اسکے ذریعہ سے جنت میں پہونچ جا۔ گو حاسدوں یعنی نفس و شیطان کو ناپسند ہو اور یہ کام اسکے بند ہونے سے پہلے ہی ہو جانا چاہئے کیونکہ اسکے بعد تیری آہ و زاری کوئی نہ سنیگا اور وہ دروازہ نہ کھل سکیگا پس تو کفر سے باز آ اور اس کھلے ہوئے دروازہ سے فائدہ اٹھا تاکہ تو اسکے بند ہونے کے بعد اپنی بدبختی کے سبب اس دروازہ سے واپس نہ لوٹا دیا جاوے یا مردود درگاہ حق سبحانہ نہ ہو جاوے (**ف** مولانا کے ظاہر بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ باب توبہ جسکے کھلے ہوتے تک توبہ قبول ہوتی ہے اور وہ در توبہ جو جنت کا دروازہ ہے دونوں ایک ہیں۔ ذوہیں ہیں لیکن حدیث ان اللہ جعل بالمغرب بابا عرضہ مسیرۃ سبعین عاما للتوبۃ لا مالم تطلع الشمس من قبلہ الخ کے ظاہر سے اسکا باب جنت کے مغائر ہونا مفہوم ہوتا ہے فقط واللہ اعلم **ف۲** "توبہ را از جانب مغرب درے الخ" سے آخر ابیات تک ممکن ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہو۔ اور مخاطب۔ فرعون ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ مولانا کا مقولہ ہو اور مخاطب عام ہو واللہ اعلم)

گفتن موسیٰ علیہ السلام مر فرعون را کہ از من یک پند قبول کن و چہار فضیلت عوض بستان

ہیں ز من بپذیر یک چیز و بیار	پس ز من بستان عوض آن را چہار
گفت اے موسیٰ کدامست آن یکے	شرح کن با من ازاں یک اندکے
گفت آں یک کہ بگوئی آشکار	کہ خدائے نیست غیرے از کردگار
خالق افلاک و انجم بر علا	مردم و دیو و پری و مرغ را
خالق دریا و کوہ و دشت و تیہ	ملکت او بیحد و او بے شبیہ

حافظ ہر چیز و ہر کس ہر مکاں
رازق ہر جانور اندر جہاں

ہم نگہدارندۂ ارض و سما
ہم پدید آرندۂ گل از گیا

مطلع او بر ضمیر بندگاں
حاکم و جبار بر گردنکشاں

اوست بہر بادشاہے بادشاہ
حکم او را یفعل اللہ ما یشاء

گفت ای موسیٰ کدام ست آں چہار
کز عوض بدہی مرا بر گو بیار

تا بود کز لطف آں وعدہ حسن
سست گردد چار میخ کفر من

بو کہ زاں خوش وعدہائے مغتنم
بر کشاید قفل کفر صد منم

بو کہ از تاثیر جوئے انگبیں
شہد گردد در تنم ایں زہر کیں

یا ز عکس جوئے آں پاکیزہ شیر
پرورش یابد دمے عقل اسیر

یا بود کز عکس آں جوہائے خمر
مست گردم بو برم از ذوق امر

یا بود کز لطف آں جوہائے آب
تازگی یابد تن شورہ خراب

شورۂ ام را سبزۂ پیدا شود
خارزارم جنت الماویٰ شود

بو کہ از عکس بہشت چار جو
جاں شود از یاری حق یار جو

آنچناں کز عکس دوزخ گشتہ ام
آتش و در قہر حق آغشتہ ام

گہ ز عکس نار و دوزخ ہمچو مار
گشتہ ام بر اہل جنت زہر بار

گہ ز عکس جوشش آب حمیم
آب ظلمم کرد خلقاں را ز بیم

من ز عکس زمہریرم زمہریر
یا ز عکس آں سعیرم چوں سعیر

دوزخ در رویش مظلوم کنوں،	وائے آنکہ یابمش ناگہ زبوں،
موسیا باشد کہ یک شائیم در	در فضیلتہا تہات گردم باخبر
موسیا باشد کہ یابم ما منی	وارہم از کثرت ما و منی
ہیں بگو یا من کدامست آں چہار	کہ عوض خواہیم دادن بر شمار

موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ تو میری ایک بات مان لے اور اُسکو عمل میں لا۔ اُسکے بعد اسکے عوض میں مجھ سے چار چیزیں لیلے۔ اسپر اس نے کہا کہ وہ ایک چیز کیا ہے اُسکی کسیقدر تفصیل بیان کر آپ نے فرمایا کہ وہ ایک بات یہ ہے کہ تو علی الاعلان اسکا اقرار کر کہ خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں۔ وہ بلندی پر افلاک اور ستاروں اور پستی میں انسانوں۔ شیاطین۔ جنات اور جانوروں کا پیدا کرنیوالا ہے نیز دریاؤں پہاڑوں اور جنگلوں اور بیابانوں کا بھی خالق ہے۔ اُسکی سلطنت غیر محدود ہے۔ اور وہ بے نظیر و بے مثل ہے وہ ہر شخص اور ہر مکان کا نگہبان ہے اور عالم میں ہر جاندار کو رزق دینے والا ہے۔ نیز وہ آسمانوں اور زمینوں کا محافظ ہے اور نباتات میں پھول پیدا کرنے والا ہے اپنے بندوں کے دلوں کی باتوں پر مطلع ہے سرکشوں پر حاکم اور اُنکی سرکوبی کرنے والا ہے وہ ہر بادشاہ کا بادشاہ ہے حکم اُسی کا ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی اُسکی مزاحمت نہیں کر سکتا۔ یہ سنکر اس نے کہا کہ اچھا وہ چار چیزیں بھی بیان کیجئے جو مجھے معاوضہ میں ملیں گی تاکہ شاید اُس عمدہ وعدہ کے سبب میرے کفر کا شکنجہ ڈھیلا ہو جاوے۔ اور میں اس سے نکل سکوں اور ممکن ہے کہ ان اچھے اور مغتنم وعدوں کے سبب مجھ سے اور سیکڑوں کے کفر کا قفل بھی کھل جاوے۔ اور وہ مسلمان ہو جائیں اور ممکن ہے کہ جنت کی جوئے شہد سے یہ عداوت کا زہر میرے جسم میں شہد ہو جاوے۔ اور میں تیرا دوست ہو جاؤں یا اُسکی جو ہائے شیر کے پرتو سے میری پابند نفس عقل پرورش پائے۔ یا اُسکی جو ہائے شراب کے پرتو سے میں مست ہو جاؤں۔ اور حکم حق کی چاشنی سے واقف ہو جاؤں۔ یا ممکن ہے کہ اُسکی پانی کی ندیوں کے لطف سے میرا تن جو شور زمین کی مانند اور ویران ہے تازگی حاصل کرلے اور میری اس زمین شور میں سبزۂ معرفت حق سبحانہ پیدا ہو جاوے اور میرا یہ کانٹوں کا کھیت یعنی جسم جنت الماویٰ بنجاوے اور ممکن ہے کہ اس بہشت اور اُسکی چاروں مذکورۂ بالا

نہروں کے پرتو سے میری جان اعانت حق سبحانہ کو اپنا معین بنانیکی طالب ہو جسطرح کہ اب میں دوزخ کے عکس سے آگ بن رہا ہوں اور قہر سے مخلوط ہوں اور جیسا کہ آتش دوزخ کے پرتو سے سانپ کیطرح مستحقین جنت پر زہر اگل رہا ہوں اور جیسا کہ دوزخ کے گرم پانی کے جوش کے اثر سے میرے آب ظلم نے مخلوق کو غرق کر کے بوسیدہ کر دیا ہے یا جسطرح کہ دوزخ کے طبقہ زمہریر کے اثر سے کرۂ زمہریر اور دل سرد ہو رہا ہوں یا جیسا کہ دوزخ کے اثر سے دوزخ کی مانند ہو رہا ہوں اور مظلوم غریبوں کے لئے دوزخ بن رہا ہوں اور بزبان حال کہتا ہوں کہ خرابی ہے اسکے لئے جسکو میں مغلوب پاؤں کیونکہ وہ میرے پنجہ قہر سے بچ نہیں سکتا اور اے موسیٰ ممکن ہے کہ تو وعدوں کی تفصیل سے میرے لئے ہدایت کا دروازہ کھولدے اور میں تیری فضیلتوں سے واقف ہو جاؤں اور ممکن ہے کہ مجھے جائے امن ملجاوے اور میں اپنی کثرت نفسانیت سے نجات پاؤں۔ اچھا تو اب بیان کر دے کہ وہ چار لباس جو تو مجھے معاوضہ میں دیگا وہ کیا ہیں اور انہیں گن۔

شرح کردن موسیٰ آں چار فضیلت پائمزد را

گفت موسیٰ کاولین آں چہار — صحتے باشد تنت را پایدار

ایں عللہائے کہ در تن گفتہ اند — دور باشد از تنت اے ارجمند

ثانیاً باشد ترا عمر دراز — کہ اجل دارد ز عمرت احتراز

ویں نباشد بعد عمر مستوی — کہ بناکام از جہاں بیروں روی

بلکہ خواہان اجل چوں طفل سیر — نے ز رنجے کہ ترا دارد اسیر

مرگ جو باشی ولے نز عجز و رنج — بلکہ بینی در خراب خانہ گنج

پس بدست خویش گیری تیشۂ — می زنی بر خانہ بے اندیشۂ

کہ حجاب گنج بینی خانہ را — مانع صد خرمن ایں یک دانہ را

پس در آتش افگنی ایں دانہ را
پیش گیری تیشۂ مردانہ را

برکنی ایں خانۂ تن بے دریغ
تا بروں آید مہست از زیر میغ

اے بیک برگے ز باغے ماندہ
ہمچو کرمے برگش از رز راندہ

چوں کرم ایں کرم را بیدار کرد
اژدہائے جہل را ایں کرم خورد

کرم کرمے شد پُر از میوہ درخت
اینچنیں تبدیل کرد او نیکبخت

خانہ برکن کز عقیق ایں یمن،
صد ہزاران خانہ شاید ساختن،

تفسیر کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف الخ

گنج زیر خانہ است و چارہ نیست
در خرابی ہیں بیندیش و مایست

کہ ہزاران خانہ از یک نقد گنج
بیتواں کردن عمارت بی زرنج

عاقبت ایں خانہ خود ویراں شود
گنج از زیرش یقیں عریاں شود

لیک آں تو نباشد زانکہ روح
مزد ویراں کردنستش آں فتوح،

چوں نکرد آں کار مزدش ہست لا
لیس للانسان الا ما سعیٰ

دست خالی بعد ازاں تو کائے دریغ
اینچنیں ماہے بد اندر زیر میغ

من نکردم آنچہ گفتند از تہی،
گنج رفت و خانہ و دستم تہی

مانع صد خرمن ایں یک دانہ بود
حائل گنج و حجاب ایں خانہ بود

خانہ را اجرت گرفتے و کری،
نیست ملک تو بہ بیعے یا شری

ایں کرے را مدتے او تا اجل
تا دریں مدت کنی دروے عمل

پارہ دوزی میکنی اندر دوکاں
زیر این دکان تو مدفون دو کان

ہست این دکان کرائے زود باش
تیشہ بستان و تگش را می تراش

تاکہ تیشہ ناگہاں بر کان نہی
از دوکان پارہ دوزی وارہی

پارہ دوزی چیست خورد آب و نان،
می زنی این پارہ بر دلق گران،

ہر زماں می درد این دلق تنت
پارہ بروے می زنی زین خوردنت

اے ز نسل پادشاہ کام یار
با خود آ زین پارہ دوزی ننگ دار

پارہ بر کن ازین قعر دکان،
تا برآرد سر بہ پیش تو دوکان

پیش ازاں کاین مہلت خانہ کرے،
آخر آید تو نخوردہ رو برے،

پس ترا بیروں کند صاحب دکان
این دوکان را بر کند از روے کان

تو ز حسرت گاہ بر سر می زنی،
گاہ ریش خام خود بر می کنی

کاے دریغا آں من بود این دکان
کور بودم بر نخوردم زین مکاں،

اے دریغا گنج را بگذاشتم
آب حیوان را بخاک انباشتم

اے دریغا بود ما را برد باد
تا ابد یا حسرتا شد للعباد

غرہ شدن آدمی بہ ذکاوت و تصورات طبع خویش و طلب ناکردن علم غیب کہ علم انبیاست

دیدم اندر خانہ من نقش و نگار
بودم اندر عشق خانہ بیقرار

ماندہ ام در خانہ حیران و نزار
لابد از معنی شدم من عور و زار

عشق خانہ در دل من کار کرد | لاجرم از گنج ماندم دور و فرد

بودم از گنج نہانی بے خبر | ورنہ دستنبوی من بودے تبر

آہ گر داو تبرّ را دادمے | ایں زمانِ غم را تبرّا دادمے

چشم را بر نقش می انداختم | ہمچو طفلان عشقہا می باختم

پس نکو گفت آں حکیم کامیار | کہ تو طفلی خانہ پر نقش و نگار

در الہی نامہ بس انداز کرد | کہ برآر از دودمان خویش گرد

اسکے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ چاروں میں پہلی چیز یہ ہے کہ تو ہمیشہ تندرست رہیگا اور تیرے جسم سے وہ تمام بیماریاں دور رہیں گی جو طب میں بیان کی گئی ہیں۔ دوسرے تیری عمر نہایت دراز ہوگی۔ کیونکہ موت کو تیری عمر کے فنا کرنے سے اس عرصہ دراز تک احتراز ہوگا۔ اور جب یہ عمر مستوی (یعنی وہ عمر جسکے اجزار راحت میں تمام یکساں ہیں اور جسمیں یہ بات نہیں کہ کبھی تکلیف ہو کبھی راحت) ختم ہو جاویگی تو یہ نہوگا کہ تو اس جہاں سے ناخوش جاوے بلکہ تو موت کا یوں ہی طالب ہوگا جسطرح بچہ دودھ کا ہوتا ہے مگر یہ خواہش کسی ایسی تکلیف کی بنا پر نہوگی جس نے تجھے مقید کر رکھا ہو۔ اور تو موت کا خواہاں ہوگا۔ مگر مجبوری اور تکلیف سے نہیں بلکہ اسکی وجہ یہ ہوگی کہ تو اپنے خانۂ تن کی ویرانی میں ایک خزانہ دیکھے گا پس اس خزانہ کے ملنے کی توقع میں اسکی ویرانی کا خواہاں ہوگا۔ اور اپنے ہاتھ میں تبر لیکر اس گھر پر بے کھٹکے بجانا شروع کریگا۔ (مقصود یہ ہے کہ تو اسکی ویرانی کا بخوشی خواہاں ہوگا یعنی موت کا متمنی ہوگا۔ جیساکہ وہ صاحب خانہ اپنے گھر کی تباہی کا بخوشی خواہاں ہوتا ہے جسکے گھر میں خزانہ ہوتا ہے اور خود اپنی خوشی سے اسے ویران کرتا ہے اور یہ معنی نہیں کہ تو خودکشی کریگا کما یتوھم من الظاھر الکلام یا تیشہ مجاہدات و ریاضات سے اپنے خانۂ ہوائے نفس کو ویران کریگا کما توھم قاصرھم) کیونکہ تو اس گھر کو اس گنج یعنی حق سبحانہٗ کا پردہ دیکھے گا۔ اور اس معمولی شے کو ایک نہایت عظیم الشان دولت کا مانع سمجھے گا۔ اسلئے تو اس معمولی

تنے (تن) کو چولھے میں ڈالیگا اور تیشۂ مردانہ لیکر اس مکان کی تخریب کے لئے آگے بڑھیگا اور اسکو بلا کسی پچھتاوے کے کھود ڈالیگا۔ یعنی اسکے فنا ہونے کو بخوشی منظور کریگا جسکا یہ نتیجہ ہوگا کہ اس ابر کے نیچے سے تیرا چاند نکلے گا اور تجھے مطلوب حقیقی کا وصل عریاں حاصل ہوگا۔ یہاں سے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔ اے وہ شخص جو ایک پتے (جسم) میں مشغول ہو کر ایک باغ (حق سبحانہٗ) سے غافل ہے۔ تیری ایسی مثال ہے جیسے ایک کیڑا جسکو ایک پتے نے اپنے اندر مشغول کر کے انگور سے دور کر دیا ہو۔ اب مولانا جملہ معترضہ کے طور پر فرماتے ہیں لیکن کرم حق سبحانہ اس کیڑے کو ہوشیار کر دیتا ہے تو یہ کیڑا اپنے جہل کے اژدہے کو کھا جاتا یعنی اسکا جہل فنا ہو جاتا ہے اور اسوقت وہ کیڑا وہ کیڑا ہو جاتا ہے جو میوۂ درخت سے سیر ہوتا ہے اور وہ خوش نصیب اس طرح پتے کو میوہ سے بدل دیتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ گو آدمی کیڑے کی مانند ہے اور لذائذ جسمانیہ میں مصروف ہے لیکن جب فضل حق سبحانہ شامل حال ہوتا ہے تو وہ متنبہ ہو کر ان کو چھوڑتا اور مشغول بحق سبحانہ ہوتا ہے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسکے رگ و ریشہ میں ذکر حق سما جاتا ہے اور وہ متخلق باخلاق اللہ ہو جاتا ہے خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اب ہم مضمون سابق کو تمام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے منہمک فی اللذات الجسمانیہ تو اس خانۂ جسم کو ویران کر اور عقیق یمنی کا خزانہ جو اسمیں مستور ہے اسے نکال لے اور گھر کی بربادی کا کچھ خیال نہ کر کیونکہ اس عقیق یمنی کے خزانہ (حق سبحانہ) کے ذریعے ایسے لاکھوں گھر بن سکتے ہیں۔ دیکھ خزانہ اس گھر کے نیچے مدفون ہے اور گھر ایک دن لامحالہ برباد ہوگا۔ پس تو اسکے ڈہانے میں سوچ بچار اور توقف مت کر۔ کیونکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ اس ایک خزانہ کے ملجانے سے بے زحمت ایسے سیکڑوں مکان بنائے جا سکتے ہیں (مقصود یہ ہے کہ جب حق سبحانہ تجھے ملجاویں گے تو وہ تیرے لئے ایسے سیکڑوں جسم بنا سکتے ہیں گو بوجہ ضرورت نہ ہونے کے نہ بناویں اسکے یہ معنی نہیں کہ تجھے قدرت حاصل ہو جاوے گی کہ تو جس تن مثالی کو چاہے اختیار کرے اور اسمیں متمثل ہو جائے۔ کما توھم) آخر یہ گھر جسکو تو بچانا چاہتا ہے ایک روز ضرور ویران ہوگا۔ اور اسکے نیچے سے وہ خزانہ ضرور نکلے گا۔ لیکن اگر خود تو نے اسے ویران نہ کیا تو تجھے وہ خزانہ نہ مل سکے گا۔ کیونکہ یہ دولت تو روح کیلئے اسکے اس گھر کو ویران کرنے کا معاوضہ ہے اور جبکہ اس نے وہ کام نہیں کیا تو اجرت بھی

اسکو نہ ملیگی اسلئے کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جسکے لئے وہ کوششیں کرتا ہے۔ پس اسوقت تو غم و غصہ سے ہاتھ کاٹیگا اور کہیگا کہ ہائے افسوس ایسا چاند اس ابر کے نیچے تھا اور لوگوں نے مجھ سے کہا تھا کہ اس ابر میں ایک چاند مستور ہے پس تو اس ابر کو الگ کر تاکہ چاند نکل آئے لیکن جو بھلائی کی بات انھوں نے مجھ سے بیان کی تھی وہ میں نے نہیں کی اور خزانہ بھی جاتا رہا اور میرا گھر بھی گیا اور میں بالکل خالی ہاتھ رہگیا ہائے افسوس کہ ایک معمولی شئے اتنی بڑی دولت سے مانع ہوگئی تھی۔ اور خزانہ کا پردہ اور اسکے اور میرے درمیان حائل یہ گھر ہوگیا تھا اب مولانا اس کا افسوس نقل کرکے دوسرے عنوان سے نصیحت فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے شخص یہ گھر خرید فروخت وغیرہ کے ذریعہ سے تیری ملک نہیں ہے بلکہ تو نے کرایہ پر لے رکھا ہے اور اس اجارہ کی ایک مدت ہے اور وہ مدت موت تک ہے اور مقصود اس کرایہ پر دینے کا یہ ہے کہ تو کام کرے۔ مگر تو بجائے کام کے اس دوکان میں بیٹھا ہوا گدڑی میں پیوند لگا رہا ہے۔ حالانکہ اس مکان کے اندر ایک خزانہ بھی مستور ہے۔ ارے بیخبر یہ دوکان کرایہ کی ہے تو جلدی کر اور تیشہ لیکر اس دوکان کو کھود ڈال یعنی مجاہدات و ریاضات سے ہوائے نفسانی کو فنا کردے تاکہ تیرا یہ تیشہ کان نقد تک پہونچے۔ اور دولت باطنی تجھے نصیب ہو اور تو اس پارہ دوزی سے نجات پاوے جانتے ہو کہ پارہ دوزی (یعنی پیوند لگانا) کیا چیز ہے۔ ضرورت سے زیادہ کھانا پینا جسے تن پروری کہتے ہیں پس تو جسم کی بھاری گدڑی پر غذائے زائد کے پیوند لگا رہا ہے اور ہر وقت تیری یہ گدڑی پھٹتی ہے اور جسم تحلیل ہوتا ہے اور اسکے ذریعہ سے قوائے شہوانیہ و غضبیہ میں فتور آتا ہے مگر تو کھانا کھاکر پھر اسکی تکمیل کر دیتا اور اسمیں پیوند لگا دیتا ہے اور شکست نہیں ہونے دیتا۔ ارے بھلے مانس تجھے معلوم بھی ہے کہ تو کون ہے تو ایک فیروزمند روحانی بادشاہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے اور ایک شاہزادہ ہے پس تو ہوش میں آ اور عالی ہمتی اختیار کر اور اس پیوند لگانے یعنی تن پروری سے شرم کر تو اس دوکان جسم کی تہہ کا ایک ٹکڑا اڑا دے تاکہ سونے چاندی کی کانیں تیرے لئے ظاہر ہوں۔ اور یہ کام اسوقت سے پہلے کرلے کہ اس کرایہ کے مکان کی میعاد ختم ہو اور مالک دوکان تجھکو نکال باہر کرے اور دوکان کو کھود کر وہ اس خزانہ کو جو اسمیں مدفون ہے نکال لے۔ اور تو حسرت سے کبھی

اپنا سر پیٹے اور کبھی ڈاڑھی نوچے اور کہے کہ ہائے افسوس یہ دوکان میرے قبضہ میں تھی مگر میں نادان تھا اسلئے اس سے فائدہ نہ اٹھا سکا ہائے افسوس کہ میں نے اتنا عظیم الشان خزانہ چھوڑ دیا۔ اور گویا کہ آب حیات کو خاک سے پر کر دیا۔ ہائے افسوس ہماری ہستی برباد ہوگئی۔ اور ہم لوگوں کو لئے قیامت کے لئے پچھتاوا باقی رہگیا۔ میں نے اس مکان کو نقش ونگار سے آراستہ دیکھا اور اسکے عشق میں بے قرار ہوگیا اور اسکی خوبی میں متحیر رہگیا۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اسکی حقیقت اور باطن کے علم سے معرا رہا۔ اور اسکے عشق نے میرے دل پر اثر کیا۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ میں خزانہ سے دور اور جدا رہگیا۔ مجھے خبر نہ تھی کہ اسمیں ایسا خزانہ مستور ہے ورنہ کلہاڑا میرے ہاتھ میں ہوتا اور میں اسے کھود ڈالتا۔ افسوس اگر میں اسپر خوب کلہاڑا بجاتا تو اسوقت غم پر لعنت بھیجتا مگر میں تو اسکے نقش ونگار ہی کو دیکھتا تھا اور بچوں کی طرح اونہیں پر عاشق تھا۔ اسے کھودتا کیونکر افسوس صد افسوس اب مولانا فرماتے ہیں کہ واقعی حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ اے شخص تو بچہ ہے اور مکان جسم مزین ہے مجھے اندیشہ ہے کہ تو اسپر فریفتہ نہو جاوے اسلئے انھوں نے الٰہی نامہ میں بہت نصیحت کی ہے اور فرمایا ہے کہ اپنے کو مٹا دے۔

شرح کردن موسیٰ وعدۂ سوم را،

بس کن اے موسیٰ بگو وعدہ سوم ‌ ‌ ‌ ‌ که دل من زاضطرابش گشت گم

گفت موسیٰ آں سوم ملک دو تو ‌ ‌ ‌ ‌ دو جہانے خالص از خصم وعدو

بیشتر زاں ملک کاکنوں داشتی ‌ ‌ ‌ ‌ کان بد اندر جنگ وایں درآشتی

آنکه در جنگت چناں ملکے دہد ‌ ‌ ‌ ‌ بنگر اندر صلح خوانت چوں نہد

آں کرم کاندر جفا آنہات داد ‌ ‌ ‌ ‌ در وفا بنگر چہ باشد افتقاد

گفت اے موسیٰ چہارم چیست زود ‌ ‌ ‌ ‌ باز گو صبرم شد و حرصم فزود

گفت چارم آنکه مانی تو جواں ‌ ‌ ‌ ‌ موئے ہمچو قیر و رخ چوں ارغواں

رنگ و بو در پیش ما بس کاسد است — لیک تو پستی سخن کردیم پست
افتخار از رنگ و بو و از مکان — ہست شادی و فریب کودکان

بیان این خبر کہ کلموا الناس علی قدر عقولهم

چونکہ با کودک سر و کارم فتاد — ہم زبان کودکان باید گشاد
کہ برو کتاب تا مرغت خرم — یا مویز و جوز و فستق آورم
جز شباب تن نمی دانی بگیر — این جوانی را بگیر اے خرس پیر
ہیچ آژنگے نیفتد بر رخت — تازہ ماند این شباب فرخت
نے نژند پیریت آید برو — نے قد چون سرو تو گردد دو تو
نے شود زور جوانی از تو کم — نے بدندانہا خللہا با الم
نے کمی در شہوت و طمث و بعال — کہ زنان را آید از ضعفت ملال
کے شود مویت سفید و پشت خم — لیک خوشتر لحظہ و مبسم
آنچنان بکشایدت فر شباب — کہ کشود آں مژدہ بر عکاشہ باب

معنی حدیث من بشرنی بخروج الصفر بشرتہ بالجنہ

احمد آخر زمان را انتقال — در ربیع اول آید بے جدال
چونکہ واقف شد دلش زین وقت نقل — عاشق آں وقت گردید او بعقل

چون صفر آمد بشد شاد از صفر — کز بس این ماه می سازم سفر

هر شبے تا روز از شوق ہدیٰ — او رفیق راه اعلیٰ میزدی

گفت هر کس که مرا مژده دہد — چون صفر پا از جہاں بیروں نهد

که صفر بگذشت و شد ماه ربیع — مژده ده باشم مر اورا و شفیع

چون صفر بر بست رخت و ماه نو — گشت پیدا بر فلک با تاب و ضو

گفت عکاشه که بگذشت آں صفر — گفت عکاشه ببر داز مژده در

پس جهاں از نقل عالم شادماں — وز بقایش شادماں ایں کودکاں

چونکه آب خوش ندید آں مرغ کور — پیش او کوثر نماید آب شور

ہمچنیں موسیٰ کرامت می شمر — ہم بدینساں بے قدم رہ می سپر

که نگردد صاف اقبال تو درد — ہم نگردد اطلس بخت تو برد

ہر چہ خواہی یابی از بخت جواں — شادماں مانی نگردی ناتواں

گفت احسنت نکو گفتی ولیک — تا کنم من مشورت با یار نیک

فرعون نے کہا کہ خیر تقریر کو طول نہ دے وہ تیسرا وعدہ بیان کر کیونکہ اضطراب شوق سے میرے حواس ٹھکانے نہیں اسپر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تیسری چیز دوہرا ملک ہے یعنی دونوں جہانوں دنیا وعقبیٰ کی شاہی تجھکو دیجائیگی جسمیں کسی مخالف اور دشمن کی مزاحمت کا اندیشہ نہوگا اور یہ ملک اس ملک سے کہیں زیادہ ہوگا جو کہ ابتک تجھکو حاصل تھا کیونکہ یہ تو جنگ کی حالت میں ملا ہے اور وہ صلح کی حالت میں ملیگا۔ پس تو غور کر کہ جو جنگ کی حالت میں تجھے اتنا ملک دیدے وہ صلح کی حالت میں کسقدر انعام کریگا اور جسکے فضل نے تیرے ظلم کی حالت میں تجھے اسقدر دیا اسکی عنایت

دفا کی حالت میں کس درجہ ہوگی یہ سنکر اُس نے کہا کہ اب چوتھی شے بھی جلدی سے بتلادے کیونکہ اب مجھے تاب نہیں اور میری حرص بڑھ گئی ہے۔ اُنھوں نے فرمایا کہ چوتھی چیز یہ ہے کہ تو جوان ریگا اور تیرے بال قیر کی طرح کالے رہیں گے اور سُرخ ارغوان کی طرح سُرخ رہے گا گو رنگ و بو ہمارے نزدیک نہایت حقیر ہے اسلئے محل انعام میں اسکا ذکر میں علو ہمت کے خلاف سمجھتا ہوں۔ مگر چونکہ تو پست حوصلہ ہے اسلئے گفتگو بھی میں نے عالی نہیں کی۔ رنگ و بو اور مکان پر فخر تو بچوں کی خوشی اور انکا بہکانا ہے۔ لیکن چونکہ مجھے ایک نادان سے بالا پڑا ہے اسلئے باتیں بھی اسی ڈھب کی کرتا ہوں اور جبکہ بچوں سے کہتے ہیں کہ تو مکتب میں جا میں تجھے مرغی لے دونگا یا مویز اور اخروٹ اور پستہ لا دونگا کیونکہ وہ انہیں چیزوں کو پسند کرتا ہے اسی طرح چونکہ تو شباب جسمانی کے سوا دوسرا شباب روحانی جانتا ہی نہیں اسلئے میں کہتا ہوں کہ یہی جوانی لے اس سے تیرے چہرے پر کوئی جھری نہ پڑے گی۔ اور یہ شباب تر و تازہ رہیگا۔ اور جابڑھاپے کی خستگی تجھپر واقع نہوگی اور نہ تیرا سرو کا سا قد دوہرا ہوگا۔ اور نہ قوت جوانی کم ہوگی نہ تیرے دانتوں میں کوئی نقص یا درد ہوگا اور نہ قوت باہ اور قوت مجامعت میں کمی ہوگی کہ تیری کمزوری سے عورتوں کو دل تنگی پیش آئے۔ نہ تیرے بال سفید ہونگے اور نہ کمر جھکے گی بلکہ دمبدم تیری حالت بہتر ہوگی اور شوکت جوانی تجھپر فرحت کا دروازہ یونہی کھولدیگی جسطرح جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خوشخبری نے عکاشہ پر کھولدیا تھا (یہ نقل بالمعنے ہے لہذا اس تاویل کی ضرورت نہیں جو ایوبیؔ کی ہے کہ حضرت موسیٰ کو یہ واقعہ وحی کے ذریعہ سے معلوم ہوگیا تھا) اب مولانا فرماتے ہیں کہ جس واقعہ کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ اسمیں کسی کا نزاع نہیں کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا انتقال ربیع الاول میں ہوا ہے۔ پس جبکہ آپکو اس وقت انتقال کی خبر ہوئی ہے تو آپ بحکم عقل اسوقت پر عاشق ہوگئے اور جب ماہ صفر آیا تو آپ اسکے آنے سے بہت خوش ہوئے۔ بدیں خیال کہ اب زمانۂ انتقال قریب آگیا ہے۔ اور اس مہینے کے بعد جہان سے سفر کرونگا۔ آپ ہر رات کو شوق راہ یابی راہ عالم بالا سے اللھم الرفیق الاعلیٰ کا نعرہ لگاتے تھے۔ چونکہ آپ کے شوق و ذوق کی یہ حالت تھی اسلئے آپنے فرمایا کہ جو شخص مجھے اسوقت جبکہ صفر رخصت ہوجاویگا یہ خوشخبری دیگا کہ ماہ صفر گذر گیا اور ربیع الاول آگیا تو میں اسکو جنت کی خوشخبری دونگا۔ اور حق سبحانہ سے اسکی شفاعت کرونگا بس جبکہ ماہ صفر کا

ثانڈ ابھاند الدگیا اور نیا چاند آسمان پر باآب وتاب ظاہر ہوا اسوقت عکاشہ نے کہا کہ حضور صفر گذر گیا اور رخصت ہو گیا آپ نے فرمایا کہ تجھے جنت ملے گی۔ ایک دوسرا آیا اس نے بھی کہا کہ وہ صفر گذر گیا آپنے فرمایا کہ وہ خوشخبری عکاشہ لے گیا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ دیکھو بہت سے مردان خدا ہیں کہ اس عالم کے انتقال سے خوش ہوتے ہیں اور ایک یہ لونڈے اہل دنیا ہیں کہ اسکی بقا سے خوش ہوتے ہیں۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ اور راز اسکا یہ ہے کہ ان اندھے جانوروں کو آب شیریں نصیب نہیں ہوا۔ اسلئے انکو کھارا پانی ہی آب کوثر معلوم ہوتا ہے یعنی چونکہ ان کو اس عالم کی لذات نصیب ہی نہیں ہوئیں۔ اسلئے یہ لذات دنیو یہ ہی کو لذات جانتے ہیں۔ خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا اب سنو کہ موسٰی علیہ السلام یوں ہی انعامات بیان فرماتے رہے اور راہ ہدایت کو بدون اقدام معروف کے طے کرتے رہے۔ اور فرماتے رہے کہ تیرے اقبال کی شراب صاف تلچھٹ نہ بنے گی۔ اور تیرے بخت کا اطلس چادر نہو گا یعنی تیرے اقبال میں کبھی کمی نہ آئیگی۔ بلکہ تو جو چاہیگا تیرا بخت جوان تجھے دیگا اور تو ہمیشہ خوش وخرم رہیگا اور کبھی مضمحل نہو گا۔ یہ سنکر اس نے کہا کہ یہ تو تو نے بہت اچھی باتیں کیں اور میں ماننے کے لئے تیار ہوں مگر اتنی مہلت چاہتا ہوں کہ اپنے دوست سے مشورہ کرلوں۔

مشورت کردن فرعون با آسیہ در ایمان آوردن

باز گفت او ایں سخن با آسیہ	گفت جاں افشاں بریں اے دل سیہ
بس عنایتہاست متن ایں مقال	زود دریاب اے شہ نیکو خصال
وقت کشت آمد زہے پرسود کشت	ایں بگفت و گریہ کرد و گرم گشت
بر جہید از جا و گفتا بخ لک	آفتابے تاج گشتت اے کلک
عیب کل را خود بپوشاند کلاہ	خاصہ چوں باشد کلہ خورشید و ماہ
ہمدراں مجلس کہ بشنیدی تو ایں	چوں نگفتی آرے و صد آفریں

این سخن در گوش خورشید ار شدے — سرنگوں بر بوئے آں زیر آمدے

ہیچ می دانی چہ وعدہ است و چہ داد — میکند ابلیس را حق افتاد

چوں بدیں لطف آں کرمیت باز خواند — اے عجب چوں زہرہ است بر جاے ماند

زہرہ ات ندرید تا آں زہرہ ات — بودے اندر ہر دو عالم بہرہ ات

زہرہ کز بہر حق او بر درد — چوں شہیدان از دو عالم برخورد

غافلی ہم حکمت ست و این عمیٰ — تا بماند لیک تا این حد چرا

غافلی ہم حکمت است و نعمت است — تا نہ پر درزد و سرمایہ ز دست

لیک نے چندانکہ ناسورے شود — زہر جان و عقل رنجورے شود

خود کہ یابد اینچنیں بازار را — کہ بیک گل میخری گلزار را

دانۂ را صد درختان عوض — حبۂ را آمدت صد کان عوض

کان للہ دادن آں حبہ است — تا کہ کان اللہ آید بدست

زانکہ این ہوئے ضعیف بیقرار — ہست شد زاں ہوے رب پائدار

ہوئے فانی چونکہ خود با او سپرد — گشت باقی دائم و ہرگز نمرد

ہمچو قطرہ خائف از باد و ز خاک — کہ فنا گردد بدیں ہر دو ہلاک

چوں باصل خود کہ دریا بود جست — از تف خورشید و باد و خاک رست

ظاہرش گم گشت در دریا و لیک — ذات او معصوم و پا برجا و نیک

ہین بدہ اے قطرہ خود را بے ندم — تا بیابی در بہائے قطرہ یم

ہین بدہ اے قطرہ خود را این شرف — در کف دریا شو امین از تلف

خود کرا آید چنیں دولت بدست
قطرہ را بحرے تقاضا گر شدہ است

چوں تقاضا میکند دریا ترا
پس چہ استادی و درماندی ہلا

اللہ اللہ زود بفروش و بخر
قطرہ دہ بحر پر گوہر ببر

اللہ اللہ ہیچ تاخیرے مکن
کہ ز بحر لطف آمد ایں سخن

اللہ اللہ زود بشتاب و بجو
چونکہ بحر رحمت است و نیست جو

اللہ اللہ گوئے شو بیدست و پا
تا شود چوگان موئے پا ترا

اللہ اللہ تو گمان بد مبر
بر چنیں انعام عام اے بیخبر

اللہ اللہ زود دریاب اے فتی
تا نگردی در غلط بینی افنا

اللہ اللہ ترک کن ہستی خود
چونکہ خواندست بروے معتمد

اللہ اللہ زود تر تعمیل کن
بر فروز از ایں بشارت بے سخن

اللہ اللہ تا کنوں کژ باستی
گردن اندر معصیت افراستی

اللہ اللہ چوں عنایت در رسید
بے توقف در وے آمیز اے عنید

اللہ اللہ چونکہ عصیانات تو
او نمی مالد بروے شکر گو

اللہ اللہ چوں ز فضلت راہ داد
سر بخاک پائے او باید نہاد

اللہ اللہ با چنیں کفر دو تو
چوں قبولت می کند اکرام او

لطف اندر لطف او گم می شود
کا سفلے بر چرخ ہفتم می شود

ہیں کہ یک بازی فتادت بو العجب
ہیچ طالب ایں بیابد در طلب

در پذیر ایں چار خلعت زود زود
تا نہ بینی در عوض صد عز و سود

گفت با ہامان بگویم اے ستیر
شاہ را لازم بود رائے وزیر

گفت با ہامان مگو ایں راز را
کوز کمپیرے چہ داند باز را

باز اسپیدے بہ کمپیرے دہی
او ببرد ناخنش بہرِ بہی

ناخنے کہ اصل کارست و شکار
کوز کمپیرے ببرد کور وار

کہ کجا بود ست مادر تا ترا
ناخنان زیں سان دراز ست اے کیا

ناخن و منقار و پرش را بُرید
وقت مہر ایں میکند زال پلید

چونکہ تتماجش دہد او کم خورد
خشم گیرد مہرہا را بر درد

کہ چنیں تتماج پختم بہرِ تو
تو تکبر می نمائی و عتو

تو سزائے مرہمان ادبار را
نعمت و اقبال کے سازد ترا

آب تتماجش دہد کایں را بگیر
گر نمی خواہی کہ نوشی زاں فطیر

آب تتماجش نگیرد طبع باز
زاں بتر رنجد شود خشمش دراز

از غضب آں آتشِ سوزان بر سرش
زاں فرو ریزد شود کل مغفرش

اشک از آں چشمش فرو ریزد بسوز
یاد آرد لطفِ شاہِ دلفروز

زاں دو چشم نازنین با دلال
کہ ز چہرۂ شاہ دارد صد کمال

چشم ما زاغش شدہ پر زخم زاغ
چشمِ نیک از چشمِ بد با درد و داغ

چشم دریا بسطتے کز بسط او
ہر دو عالم می نماید تار مو

گر ہزاران بحر در چشمش رود
ہمچو چشمہ پیشِ قلزم گم شود

چشم نگذشتہ ازیں محسوس ہا
یافتہ از غیب بینی بو سہا

خود نمی یابم یکے گوشے کہ من ۔۔۔ نکتہ گویم ازاں چشم حسن

می چکید آں آب محمود جلیل، ۔۔۔ می ربودے قطرہ اش را جبرئیل

تا بمالد در پر و منقار خویش ۔۔۔ گر دہد دستوریش آں خوب کیش

باز گوید خشم کمپیر از فروخت ۔۔۔ فر نور صبر و حلم را نسوخت

باز جانم باز صد صورت تنند ۔۔۔ زخم بر ناقہ نہ بر صالح زند

صالح از یکدم بر آرد با شکوہ ۔۔۔ صد چناں ناقہ بزاید متن کوہ

دل ہمی گوید خموش و ہوشدار ۔۔۔ ورنہ در آیند غیرت بود و تار

غیرتش را ہست صد حلم نہاں ۔۔۔ ورنہ سوزیدے بیکدم صد جہاں

نخوت شاہی گرفتش جائے پند ۔۔۔ تا دل خود را ز پند او کرد بند

کہ کنم با رائے ہامان مشورت ۔۔۔ کوست پشت ملک و قطب مقدرت

مصطفیٰ را رائے زن صدیق رب ۔۔۔ رائے زن بوجہل را شد بولہب

عرق جنسیت چنانش جذب کرد ۔۔۔ کاں نصیحتہا بہ پیشش گشت سرد

جنس سوئے جنس صد پرہ پرد ۔۔۔ بر خیالش بندہا را بر درد

قصۂ آں زن کہ طفل او بر سر ناوداں مے غژید از علی چارہ جست

یک زنے آمد بہ پیش مرتضیٰ ۔۔۔ گفت شہ بر ناوداں طفلے مرا

گرش میخوانم نمی آید بدست ۔۔۔ ور ہلم ترسم کہ او افتد بہ پست

نیست عاقل تا کہ دریابد چو ما ۔۔۔ گر بگویم کز خطر سوئے من آ

هم اشارت را نمی داند بدست ‌‌ ‌ ور بداند نشنود اینهم بدست
بس نمودم شیر و پستان را بدو ‌ ‌ ‌ او همی گرداند از من چشم و رو
از برائے حق شمائید اے مهان ‌ ‌ ‌ دستگیر این جهان و آن جهان
زود درمان کن که می لرزد دلم ‌ ‌ ‌ که بدرد از میوۂ دل بگسلم
گفت طفلے را برآور هم ببام ‌ ‌ ‌ تا ببیند جنس خود را آن غلام
سوئے جنس آید سبک زان ناودان ‌ ‌ ‌ جنس بر جنس ست عاشق جاودان
زن چنان کرد و چو دید آن طفل او ‌ ‌ ‌ جنس خود خوش خوش بدو آورد رو
سوئے بام آمد ز متن ناودان ‌ ‌ ‌ جاذب هر جنس را هم جنس دان
غژغژان آمد بسوئے طفل طفل ‌ ‌ ‌ وارهید او از فتادن سوئے سفل
زان بود جنس بشر پیغمبران ‌ ‌ ‌ تا بجنسیت رهند از ناودان
پس بشر فرمود خود را مثلکم ‌ ‌ ‌ تا بجنس آئید و کم گردید گم
زانکه جنسیت عجائب جاذبے است ‌ ‌ ‌ جاذبش جنس ست هر جا طالبے است
عیسیٰ و ادریس بر گردون شدند ‌ ‌ ‌ با ملائک چونکه هم جنس آمدند
باز آن هاروت و ماروت از بلند ‌ ‌ ‌ جنس تن بودند زان زیر آمدند
کافران هم جنس شیطان آمده ‌ ‌ ‌ جان شان شاگرد شیطانان شده
صد هزاران خوئے بد آموخته ‌ ‌ ‌ دیدهاے عقل و دل بر دوخته
کمترین خوشان بدستے این حسد ‌ ‌ ‌ آن حسد که گردن ابلیس زد
زان سگان آموخته حقد و حسد ‌ ‌ ‌ که نخواهد خلق را ملک ابد

هر کرا دیدا و کمال از چپ و راست ‖ از حسد قولنجش آرد درد خاست

زانکه هر بدبخت خرمن سوخته، ‖ می نخواهد شمع کس افروخته،

هین کمالے دست آور تا تو هم ‖ از کمال دیگراں نافتی بغم

از خدا میخواه دفع این حسد، ‖ تا خدایت وارهاند زین حسد

مر ترا مشغولئے بخشد درون ‖ که نپردازی ازاں سوئے برون

جرعۂ مے را خدا آں می دهد ‖ که بدو مست از دو عالم می رهد

خاصیت بنهاده در کف حشیش ‖ که زمانے می رهاند از خودیش

خواب را یزداں بداں سان میکند ‖ کز دو عالم فکر را بر می کند

کرد مجنوں را ز عشق پوستے ‖ که نه بشناسد عدو از دوستے

صد هزاران اینچنیں می وارد او ‖ که بر ادراکات تو بگمارد او

هست میهائی شقاوت نفس را ‖ که ز ره بیروں برد آں نحس را

هست میهائے سعادت عقل را ‖ که بیابد منزل بے نقل را

خیمۂ گردوں ز سرمستی خویش ‖ بر کند زاں سو بگیرد راه پیش

ایں بهر مستی دلا غره مشو ‖ هست عیسیٰ مست حق خر مست جو

اینچنیں مے را بجو زیں خنبها ‖ مستیش نبود ز کوته دنبها

زانکه هر معشوق چوں خنب است پُر ‖ آں یکے دُرد و دگر صافی چو دُر

مے شناسا هین بچش با احتیاط ‖ تا مے یابی منزه ز اختلاط

مے شناسا هین بچش از روئے ترش ‖ آں مے صافی کزو گردی خمش

ہر دو ستی می دہندت لیک ایں — مستیت آرد کشاں تا رب دیں

تا رہی از فکر و وسواس و حیل — بے عقال ایں عقل در رقص الجمل

انبیا چوں جنس روح اند و ملک — مر ملک را جذب کردند از فلک

باد جنس آتش ست و یار او — کہ بود آہنگ ہر دو بر علو

چوں ببندی تو سر کوزہ تہی — در میان حوض یا جوئے نہی

تا قیامت او فرو ناید بہ پست — کہ دلش خالی ست و در وے باد ہست

میل بادش چوں سوئے بالا بود — ظرف خود را ہم سوئے بالا کشید

باز آں جانہا کہ جنس انبیاست — سوئے ایشاں کش کشاں چوں سایہاست

زانکہ عقلش غالب ست و بے زشک — عقل جنس آمد بخلقت با ملک

واں ہوائے نفس غالب بر عدو — نفس جنس اسفل آمد شد بدو

بود قبطی جنس فرعون ذمیم — بود سبطی جنس موسیٰ کلیم

بود ہاماں جنس تر فرعون را — برگزیدش برد تا صدر سرا

لاجرم از صدر تا قعرش کشید — کہ ز جنس دوزخ اند آں دو پلید

ہر دو سوزندہ چو دوزخ ضد نور — ہر دو چوں دوزخ ز نور دل نفور

زانکہ دوزخ گوید اے مومن تو زود — برگذر کہ نورت آتش را ربود

در بیان حدیث جز یا مومن فان نورک اطفأ ناری از زبان دوزخ

بگذر اے مومن کہ نورت می کشد — آتشم را چونکہ دامن می کشد

میرد آں دوزخی از نور ہم — زانکہ طبع دوزخستش اے صنم
دوزخ از مومن گریزد آنچناں — کہ گریزد مومن از دوزخ بجاں
زانکہ جنس نار نبود نور او — ضد نار آمد حقیقت نور جو
در حدیث آمد کہ مومن در دعا — چوں اماں خواہد ز دوزخ از خدا
دوزخ از وے ہم اماں خواہد بجاں — کہ خدایا دور دارم از فلاں
جاذبہ جنسیت ست اکنوں ببیں — کہ تو جنس کیستی از کفر و دیں
گر بہاماں مائلی ہاماں نئی — ور بموسیٰ مائلی سبحانئی
ور بہر دو مائلی انگیختہ — نفس و عقلے ہر دو آں آمیختہ
ہر دو در جنگند ہاں وہاں بکوش — تا شود بر نفس غالب عقل و ہوش
ساغر صدق از کف موسیٰ بنوش — تا شود غالب معانی بر نقوش
در جہاں جنگ ایں شادی بس است — کہ بہ بینی بر عدو ہر دم شکست
جہد کن تا خصمت اشکستہ شود — گرچہ فرعون دنی ایں نشنود
ایں حدیث آمد ز راز اے ناگزیر — باز گو اضلال فرعون مشیر

غرض کہ فرعون گھر گیا اور اپنی بیوی آسیہ سے یہ ماجرا بیان کیا اُس نے کہا کہ ارے اس وعدہ پر جان قربان کر دے۔ یہ گفتگو بہت سی عنایات کی شرح ہے اور وہ عنایات اسکے واسطے بمنزلہ متن کے ہیں پس تو انکو جلدی سے حاصل کرلے اور ہرگز مت چھوڑ اب زراعت آخرت کا وقت آیا ہے اور یہ زراعت نہایت ہی فائدہ مند ہے ابتک جو وقت گذرا ہے سب بے سود گذرا ہے یہ کہا اور کہکر زار زار رونے لگی اور ایک جوش آگیا۔ اس جوش میں اپنے مقام سے اچھل پڑی اور کہا کہ تجھے مبارک ہو۔ اے گنجے آفتاب تیرا تاج ہو گیا یعنی اتنی بڑی دولت باطنی یا موسیٰ علیہ السلام نے تیری برائینگی

پردہ پوشی کرلی۔ گنجے کے عیب تو ایک معمولی ٹوپی بھی چھپا سکتی ہے۔ چہ جائیکہ وہ ٹوپی جو چاند سورج ہو۔ یعنی معمولی دولت باطنی یا شیخ بھی برائیوں کو ڈھک لیتی ہیں۔ چہ جائیکہ وہ دولت جو تجھے ملنے والی ہے یا خود موسیٰ علیہ السلام میں تو یہ کہتی ہوں کہ تو نے قبول دعوت کو مشورہ پر کیوں موقوف رکھا۔ اسی مجلس میں جسمیں یہ بات سنی تھی خوشی سے اسے کیوں نہ قبول کرلیا۔ یہ بات کچھ ایسی ویسی تھی۔ یہ تو ایسی تھی کہ اگر سورج سی رفیع المرتبت مخلوق کے کان میں پڑتی تو سر کے بل اسکے قبول کیلئے آسمان سے زمین پر آجاتا۔ تجھے معلوم ہے کہ یہ کیا وعدہ اور کیا عطا ہے یوں کہئے کہ ابلیس پر حق سبحانہ رحمت فرما رہے ہیں۔ اور یہ کوئی معمولی کرم نہیں ہے مجھے تو حیرت یہ ہے کہ جب اس کریم نے نہایت رحمت سے تجھے دعوت دی تھی تو خوشی سے تیرا پتا پھٹ کیوں نہ گیا۔ اور وہ برقرار کیسے رہا۔ تاکہ اسکے پھٹنے سے دونوں عالم کی دولت سے تجھے حصہ ملتا کہ دنیا میں نیکنامی ہوتی اور عقبیٰ میں نجات۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ جسکا پتہ خدا کیلئے یعنی اسکی طلب میں مارے غم کے پھٹتا ہے وہ شہیدوں کی طرح دونوں عالم کے منافع سے متمتع ہوتا ہے کیونکہ دنیا میں نیکنامی ہوتی ہے اور عقبیٰ میں نجات۔ لیکن غفلت اور نابینائی میں بھی ایک حکمت ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی باقی رہ سکے اور باقی رہکر کسب معانی کرسکے۔ پس مطلق غفلت کی تو شکایت نہیں شکایت تو اسکی ہے کہ اتنی غفلت کیوں ہو۔ کہ ہزار تنبہ کیا جائے اور تنبہ ہی نہو۔ یہ مسلم ہے کہ غفلت میں حکمت بھی ہے اور وہ ایک اعتبار سے نعمت بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ سرمایۂ وجود جس سے منافع اخرویہ حاصل کئے جاسکتے ہیں بہت جلد ہاتھ سے نہ جاتا رہے۔ لیکن اسکے یہ معنی نہیں کہ ناسور کی طرح ناقابل زوال ہو جاوے۔ اور روح و عقل بیمار کے لئے زہر ہوکر انہیں ہلاک کردے۔ اس استطرادی مضمون کو ختم کرکے پھر گفتگوئے آسیہ کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آسیہ نے کہا کہ ایسا بازار کسے نصیب ہوتا ہے کہ ایک گل دیکر گلستان خریدلے تجھے تو ایک دانہ کے معاوضہ میں سو باغ اور ذرا سے سوئے کے بدلے میں سو کانیں ملتی تھیں ظالم تو نے لے کیوں نہ لیں۔ شاید تم کو تشبیہ گل و گلستاں وحبہ و کان و دانہ و نماتات میں الجھن ہو اسلئے ہم کہتے ہیں کہ حبۂ زر وغیرہ دینا اپنے کو خدا کے ہاتھ بیچدینا اور اسکا ہو جانا ہی اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسکو اسکا معاوضہ ملتا ہے اور وہ معاوضہ یہ ہوتا ہے کہ خدا اسکا ہو جاتا ہے اور خدا کا اسکا ہو جانا سیکڑوں باغوں وغیرہ کا ملنا ہے اور وجہ اس تشبیہ کی یہ ہے کہ جس طرح گل گلستان سے

پیدا ہوتا ہے اور دانہ نخلستان سے اور حبۂ زر کان سے یوں ہی یہ کمزور اور ناپائدار ذات بھی اسی پروردگار کی باقی رہنے والی ذات سے موجود ہوتی ہے یہ تو وجہ تشبیہ تھی اب خدا کا ہو جانیکا فائدہ سنو سو بات یہ ہے کہ جب آدمی اپنے کو خدا کے حوالہ کر دیتا ہے اور سراسر اُسکا مطیع ہو جاتا ہے تو اب اُسکو بقائے روحانی ابدی حاصل ہو جاتی ہے اور موت روحانی اسپر طاری نہیں ہوتی۔ اسوقت اُسکی ایسی حالت ہوتی ہے جیسے ایک قطرہ کہ وہ ہوا اور خاک سے ڈرتا ہو۔ کہ ایسا نہو کہ میں ان سے فنا اور ہلاک ہو جاؤں۔ لیکن جبکہ وہ اپنی اصل میں جو کہ دریا ہے ملجاتا ہے تو حرارت آفتاب اور ہوا اور خاک کی ضرر رسانی کے خوف سے نجات پا جاتا ہے اور گو اسکی صورت مٹجاتی ہے لیکن اُسکی ذات محفوظ اور برقرار اور اچھی حالت میں ہوتی ہے اب مولانا گفتگوئے آسیہ کی طرف عود کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آسیہ نے کہا کہ اے قطرہ (فرعون) تو اپنے کو بدون کسی پشیمانی کے دے ڈال تاکہ تو اُس قطرہ کے معاوضہ میں دریا پائے یعنی اپنے کو فنا کر دے تاکہ خدا تجھے ملجاوے۔ اور اے قطرہ تو اپنے کو اس شرف یعنی فنا فی الحق سے مشرف کر تاکہ تو دریا (حق سبحانہ) کے ہاتھ میں جا کر فنائے روحانی سے محفوظ اور بیخوف ہو جائے۔ ارے ایسی دولت عظمیٰ کس قطرہ کے ہاتھ آتی ہے۔ کہ اسکا بحر طالب ہو یہ تجھ پر نہایت ہی شفقت ہو کہ تجھے اس اصرار کے ساتھ بلایا جا رہا ہے۔ پس جبکہ دریا خود تجھے طلب کرتا ہے پس تو کیا ٹھہرتا اور کیا عاجز ہوتا ہے ارے اپنے کو جلدی بیچدے۔ اور خدا کو اسکے معاوضہ میں لیلے۔ اور ایک قطرہ دیکر موتیوں سے بھرا ہوا **صدر لیلے**۔ ارے دیر مت کر کیونکہ دریائے لطف کی طرف سے تجھے دعوت دیجاتی ہے۔ ارے جلدی دوڑ اور اس دریا کو طلب کر۔ کیونکہ وہ رحمت کا سمندر ہے اور کوئی معمولی ندی نہیں ہے۔ ارے اگر تیرے ہاتھ پاؤں نہیں ہیں اور تو اپنی ذاتی سعی سے اُس تک نہیں پہونچ سکتا تو تو چوگان موسوی کیلئے گیند ہو جا۔ وہ تیرا پاؤں ہو جاویگا۔ یعنی اپنے کو حکم موسیٰ کا بالکل مطیع کر دے اور جو وہ کہیں وہ کر اس ذریعہ سے تجھے اس دریائے رحمت تک وصول ہو جاویگا۔ ارے جن انعامات کا تجھسے وعدہ کیا جاتا ہے تو ان پر بدگمانی مت کر اور انہیں فریب اور دھوکہ مت سمجھ۔ ارے ان انعامات کو جلد حاصل کر تاکہ تو غلط بینی اور انکو دھوکہ سمجھنے سے برباد نہجاوے لئے تو خودی کو چھوڑ دے اور جب حق سبحانہ تجھے بلاتے ہیں تو تو ضرور جا۔ ارے دیر مت کر اور جہانتک ممکن ہو جلدی کر۔ اور اس بشارت سے خوش ہو اور کچھ چون وچرا نہ کر ارے ابتک تو تو نے غلط روی

اختیار کی ہے اور معصیت حق سبحانہ کیلئے گردن بلند کی ہے مگر اب نکر۔ ارے چونکہ عنایت حق سبحانہٗ آپہونچی ہے پس تو توقف مت کر اور اس سے ملجا ارے جبکہ وہ تیری نافرمانیوں سے تجھے شرمندہ نہیں کرتا تو تو اسکا شکر کر۔ ارے جبکہ وہ اپنے فضل سے تجھے اپنے تک رسائی کا رستہ دیتا ہے تو تو اسکے سامنے تذلل اور تمسکن اختیار کر۔ ارے تو دیکھ تو سہی کہ اسکا اکرام اسقدر کفر عظیم کے باوجود بھی تجھے کیونکر قبول کرتا ہے۔ کیا یہ انعام قابل قدر نہیں۔ اب مولانا جوش میں آکر فرماتے ہیں کہ تمام الطاف اسکے لطف کے سامنے ہیچ ہیں کیونکہ ایک خاکی فلک ہفتم پر پہونچ جاتا ہے اور ایک ناسوتی ملکوتی بنجاتا ہے حالانکہ ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ اس عنایت سے بڑھکر اور کیا عنایت ہوسکتی ہے اس جملہ معترضہ سے فارغ ہوکر پھر گفتگوئے آسیہ کی طرف عود کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آسیہ نے کہا کہ ارے ایک عجیب باز (یعنی انعامات عجیبہ) تیرے ہاتھ میں آگیا ہے۔ پس تو اس باز یعنی ان چار خلعتوں کو جنکا تجھسے وعدہ کیا جا رہا ہے جلد سے جلد قبول کر لے تاکہ تجھے قبول کرنے کی صفت معاوضہ میں درسیکڑوں عزتیں اور منافع ملیں۔ یہ ساری تقریر سنکر اس نے کہا کہ اچھا میں یہ واقعہ ہامان سے بیان کرونگا۔ کیونکہ بادشاہ کیلئے وزیر سے مشورہ لے لینا ضروری ہے۔ اسپر آسیہ نے کہا کہ اس راز کو ہامان سے بیان نکر۔ کیونکہ وہ اس کا اہل نہیں۔ بھلا اندھی بڑھیا باز کی قدر کیا جانے چونکہ اس راز کا ہامان سے پالا پڑنے والا ہے جو کہ اسکا اہل نہیں اسلئے اسکی قدر نکریگا اس مناسبت سے مولانا ایک دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور خلاصہ اسکا یہ ہے کہ جب اہل اللہ کو نااہلوں سے پالا پڑتا ہے تو انکو اپنے مذاق کے موافق بنانا چاہتے ہیں۔ اور جبکہ وہ ان کے مذاق کے موافق نہیں بننا چاہتے تو انہیں اذیتیں دیتے ہیں۔ جب یہ معلوم ہوچکا تو اب تفصیل سنو۔ مولانا اس مضمون کو ایک تمثیل کے پیرایہ میں بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر تم ایک سپید باز کو بڑھیا کے حوالہ کردو تو وہ اسکے فائدہ کے زعم میں اسکے ناخن کاٹ ڈالیگی اور ان ناخنوں کو جو اسکے کام یعنی شکار کا مدار ہیں وہ کبڑی بڑھیا اندھیوں کی طرح کاٹ دیگی اور یہ کہے گی۔ ارے تیری ماں کہاں تھی کہ تیرے ناخن اسقدر بڑھ گئے ہیں یہ کہکر وہ اسکے ناخن اور چونچ اور پر کاٹ ڈالے گی اور وہ ناپاک بڑھیا محبت کے وقت یہ برتاؤ کرے گی (پس یہی حالت اہل اللہ کی ہے کہ جب وہ نااہلوں میں پھنس جاتے ہیں تو وہ نااہل انکو اپنے مذاق کے موافق بنانا چاہتے ہیں اور اسکو خیر خواہی سمجھتے ہیں) اور جبکہ وہ

بڑھیا اس باز کو روٹی کے ٹکڑے ملا ہوا شوربا دیگی تو وہ نہ کھائیگا۔ اسپر وہ غصہ ہوگی اور اپنی تمام محبتوں کو بالائے طاق رکھدیگی۔ اور کہے گی کہ میں نے تو تیرے لئے شوق سے یہ کھانا پکایا تھا تو تکبر اور سرکشی کرتا ہے۔ اور میری محبت کی قدر نہیں کرتا۔ بس تو اسی بدحالی کے مناسب ہے۔ اور تجھے نعمت اور خوش نصیبی راس نہیں۔ یہ کہکر وہ اسکو فقط شوربا دیگی۔ اور کہے گی کہ اچھا ٹکڑے نہیں کھاتا تو یہ ہی پی لے۔ مگر وہ باز اسکے شوربے کو بھی نہ پئے گا اس سے وہ اور بھی غصہ ہوگی اور اسکی خفگی بڑھ جائیگی۔ اور غصہ سے وہ جلتا ہوا کھانا اسکے سر پر ڈالدیگی جس سے اسکا سر گنجا ہو جائیگا۔ (اسی طرح جب اہل اللہ نااہلوں کی موافقت نہیں کرتے تو یہ لوگ انکو ستاتے اور تکلیف دیتے ہیں) اس برتاؤ پر اس باز یعنی اہل اللہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں گے۔ اور وہ اپنے بادشاہ کی عنایات کو یاد کریگا۔ کن آنکھوں سے آنسو جاری ہونگے ان نازک اور پرناز آنکھوں سے جو کہ مشاہدہ شہنشاہ حقیقی سے سیکڑوں کمال اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اسکی نہ بھٹکنے والی آنکھ۔ کو دن (اہل دنیا) کی چونچوں کے زخموں سے لبریز ہو گئے اور انکی اچھی آنکھ یعنی اسکی وہ دریا کی مانند فراخ آنکھ جسکی فراخی کے مقابلہ میں دونوں عالم ایک بال معلوم ہوتے ہیں انکی نظر بد سے مبتلائے تکلیف ہوگی اس باز کی یہ حالت ہے کہ اگر اسکی دونوں آنکھوں میں ہزاروں سمندر سما جائیں تو یوں ہی گم ہو جائیں جیسے ایک چشمہ قلزم کے اندر اور اسکی آنکھ کی یہ حالت ہے کہ وہ ان محسوسات سے تجاوز کر کے غیب بینی کے بوسے لیتی ہے یعنی غیب میں ہے یہ تو اس آنکھ کی سطحی تعریف ہے اور اسکی تعریف میں دقیق گفتگو اسلئے نہیں کرتا کہ مجھے کوئی شخص ایسا نہیں ملتا جسکو میں اس اچھی آنکھ کی ایک باریکی سنا سکوں بس وہ آنکھ جسکی یہ حالت ہے اس سے ستودہ صفت اور جلیل القدر آنسو ٹپکیں گے اور اسکو جبریل لیجائیں گے تاکہ اپنے پروں اور منہ پر ملیں بشرطیکہ وہ باز اجازت دے (یہ عنوان ہے اور مقصود صرف اسکی عظمت کا اظہار ہے اور حقیقت مقصود نہیں) خیر جب کہ اس باز (اہل اللہ) کو اسقدر ستایا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ اگر بڑی بی (نااہلوں) کا غصہ بھڑکا ہوا ہے تو کیا مضائقہ ہے اس نے میرے صبر و حلم کے شاندار نور کو تو نہیں جلا دیا۔ میں صبر اور حلم اختیار کرونگا اور یہ میرے جسم کو ضرر پہونچاتی ہے تو پہونچانے دو۔ کیونکہ میری جان کا باز پھر سیکڑوں جسم حاصل کرلیگا۔ (یعنی اگر مجھے ضرورت ہوگی تو حق سبحانہ مجھے سیکڑوں جسم دے سکتے ہیں) آخر یہ بڑی بی ناقہ (جسم) ہی کو تو زخمی کرتی ہے

صالح (روح) کو تو ضرر نہیں پہونچاتی۔ پس صالح اگر ایک باشوکت لفظ (دعا) منہ سے نکالدیں گے تو پہاڑ سے سیکڑوں اونٹنیاں پیدا ہو جاوینگی یعنی روح اگر حق سبحانہ سے طالب جسیم ہوگی تو اسیے سیکڑوں جسیم مل سکتے ہیں (مگر بشرطیکہ کوئی حکمت مانع نہو) مولانا یہاں تک پہونچکر فرماتے ہیں کہ میرا دل کہتا ہے کہ چپ ہو اور ہوش میں آ ورنہ غیرت خداوندی تیرے پرخچے اڑادیگی اسکی غیرت اپنے اندر بہت سے مخفی حلم رکھتی ہے ورنہ ابتک کیا تھا ایک دم میں سیکڑوں جہاں جلگئے ہوتے۔ کیونکہ بہت سی ایسی باتیں ہوجاتی ہیں جو غیرت خداوندی کے خلاف ہوتی ہیں ۔۔ اس مضمون کو ختم کرکے پھر قصہ فرعون کی طرف عود کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ اسکے دل کی اسجگہ کو جسمیں نصیحت جاگزیں ہوتی نخوت شاہی نے گھیر لیا تھا۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ اس نے اپنے گوش دل کو نصیحت کے سننے سے بند کرلیا تھا اور اسکو اپنے دل میں جگہ نہ دیتا تھا اور یہی کہتا تھا کہ میں ہامان سے مشورہ کرلوں کیونکہ وہ میری سلطنت کا پشت و پناہ اور میری قدرت کا دارومدار ہے۔ اس نے ہامان کو مشورہ کیلئے منتخب کیا تھا اور ہونا بھی یہی چاہیے تھا۔ کیونکہ آدمی جیسا خود ہوتا ہے ویسا ہی مشیر تلاش کرتا ہے چنانچہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مشیر صدیق اکبر تھے اور ابوجہل کا مشیر ابولہب تھا۔ اور راز اسکے اس نصیحت آسیہ کو نہ سننے کا یہ تھا کہ ہامان اسکا ہم جنس تھا۔ اور رگ جنسیت اسکو یوں کھینچ رہی تھی کہ تمام نصیحتیں اسکی نظر میں بے وقعت تھیں کیونکہ قاعدہ ہے ایک جنس دوسری جنس کی طرف نہایت تیز دوڑتی ہے اور محض اسکے تصور سے یہ حالت ہوتی ہے کہ اسکے ملنے کے لئے سیکڑوں بیڑیوں کو توڑکر نکل جاتا ہے اب ہم جذب جنس بتجنس کے متعلق قصہ سناتے ہیں جس سے ہمارے بیان کی تائید ہوتی ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں ایک عورت آئی اور آکر کہا کہ چھت کے پرنالہ پر میرا بچہ چلا گیا ہے اب اگر میں اسے بلاتی ہوں تو وہ میرے پاس نہیں آتا۔ اور اگر وہیں چھوڑتی ہوں تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں نیچے نہ گرجائے۔ اگر میں اس سے زبان سے کہتی ہوں کہ مقام خطرہ ہے ہٹ اور میری طرف آ۔ تو وہ ہماری آپکی طرح سمجھ دار نہیں کہ سمجھکر چلا آئے۔ نیز وہ ہاتھ کے اشارہ کو بھی نہیں سمجھتا۔ کہ اشارہ ہی کرکے بلالیا جاوے۔ اور اگر سمجھتا بھی ہو اور نہ آئے تب بھی برا ہے۔ میں نے اسے دودھ اور پستان بھی بہت دکھلائے۔ مگر وہ دیکھتا ہی نہیں بلکہ منہ موڑلیتا ہے۔ ایسی حالت میں نہایت پریشان ہوں اور سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں آپ دین و دنیا میں خدا کے لئے ہمارے دستگیر ہیں۔ پس آپ ہی کوئی

فوری تدبیر کیجئے۔ کیونکہ میرا کلیجہ کانپ رہا ہے کہ ایسا نہو کہ اس تکلیف سے میری جان نکل جاوے اور میں اپنے میوۂ دل یعنی اپنے بچہ سے جُدا ہو جاؤں (یا یہ معنی ہوں کہ تکلیف کے ساتھ میں اپنے بچہ سے قطع تعلق کروں یعنی وہ گر کر مر جاوے اور مجھ سے جُدا ہو جاوے اور میں تکلیف میں مبتلا ہو جاؤں واللہ اعلم) آپ نے فرمایا کہ اچھا یہ کرو۔ کہ ایک بچہ کو کوٹھے پر لیجاؤ تاکہ وہ اپنے ہم جنس کو دیکھے اور فوراً پرنالہ سے اپنے ہم جنس کی طرف چلا آئے۔ کیونکہ ایک جنس دوسری جنس پر عاشق ہے۔ چنانچہ عورت نے ایسا ہی کیا اور جبکہ لڑکے نے اپنا ہم جنس دیکھا تو خوشی خوشی اسکی طرف چلا آیا۔ اور پرنالہ پر سے کوٹھے پر آگیا۔ اس سے تم سمجھ لو کہ ہر جنس کو اسکی جنس اپنی طرف جذب کرتی ہے چنانچہ وہ لڑکا گھڑلیوں چلتا ہوا دوسرے بچہ کی طرف چلا آیا اور نیچے گرنے سے بچگیا۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر آدمی ہوتے ہیں تاکہ لوگ مجانست کے سبب انکی طرف کھینچیں اور ناوداں ضلالت سے رہائی پائیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انا بشر مثلکم اسی لئے فرمایا ہے تاکہ لوگ متنبہ ہوں اور اپنا ہم جنس سمجھکر آئیں۔ اور بتیہ ضلالت میں گم نہوں (اسکا مطلب یہ نہیں کہ آیت قرآنی کا مقصود یہ ہے۔ کیونکہ مقصود تو کفار کی ان ہی درخواستوں کا جواب ہے جو وہ آپ کا دعویٰ نبوت سنکر آپ سے کہا کرتے تھے اور اس طرح ان کو نبوت کی حقیقت سمجھانا اور ان کے اس خیال کی تردید ہے کہ وہ نبوت کو منافی بشریت سمجھتے تھے بلکہ مقصود مولانا کا یہ ہے کہ اس عنوان میں یہ بھی ایک نکتہ ہی) کیونکہ مجانست ایک عجیب جذب کرنے والی شئے ہے اور جہاں کہیں بھی کوئی کسی چیز کا طالب ہے وہاں یہ مجانست ہی اسکی جاذب ہے۔ اسی لئے چونکہ عیسیٰ اور ادریس علیہما السّلام وصفاً ہم جنس ملائکہ تھے اسلئے آسمان پر گئے اور چونکہ ہاروت و ماروت اجسام اور نفوس کے ساتھ مجانست وصفی رکھتے تھے اسلئے اوپر سے نیچے آئے اور کافر چونکہ شیاطین سے مجانست وصفی رکھتے تھے اسلئے وہ شیاطین کے شاگرد ہوئے اور ہزاروں بری خصلتیں سیکھ لیں اور عقل اور دل کی آنکھیں بالکل بند کر لیں انکی جو سب سے معمولی خصلت بد ہے وہ حسد ہے مگر یہ کمتری اضافی ہے نہ کہ حقیقی اسلئے کہ فی نفسہ تو وہ اتنی بڑی شئے ہے کہ اس نے ابلیس سے زاہد کی گردن ماردی ہے۔ پس اولاً حسد ابلیس نے کیا تھا اور اس حاسد سے جسکی حالت یہ ہے کہ وہ کسی کے لئے ملک ابدی نہیں چاہتا اسلئے جدھر بھی وہ کسی کے اندر کوئی کمال دیکھتا ہے حسد سے اسپر قولنج کا دورہ پڑجاتا ہے اور

پیٹ میں درد اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ ان کتے حاسدوں نے یہ خصلت سیکھ لی اور وہ کسی کیلئے ملک ابدی کیوں نہیں چاہتا اور کسی کا کمال کیوں نہیں دیکھ سکتا اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ خود بدقسمت اور محروم ہے اور قاعدہ ہے کہ کوئی بدنصیب خرمن سوختہ کسی کی شمع جلتی نہیں دیکھ سکتا۔ بلکہ چاہتا ہے کہ جسطرح میں غمگین ہوں یوں ہی اور بھی ہوں اور کوئی خوش نہو۔ لیکن جو کوئی حسد کرے اس سے کہنا چاہئے کہ کمبخت تو کیوں حسد کرتا ہے تو بھی کمال حاصل کرتا کہ تو ان سا ہو جاوے۔ اور وہ تجھسے۔ اور دوسروں کے کمال سے تجھے رنج نہو ایک صورت تو دفع حسد کی یہ ہے مگر یہ مخصوص ہے اسی صورت کے ساتھ جہاں وہ کمال اختیاری ہو۔ اور اسکی تحصیل سے کوئی مانع بھی نہو۔ اور دوسری تدبیر جو سب صورتوں کو شامل ہے وہ یہ ہے کہ خدا سے دعا مانگ کہ اے اللہ مجھسے حسد کو دور کر دے اور یہ دعا اسوقت تک کر کہ جب تک کہ خدا تجھے اس جسم سے چھڑا دے اور تجھے باطنی مشغولی عطا فرما دے جس سے تو پرائی جانب مشغول ہی نہو اسوقت حسد کا عادۃً اندیشہ نہ رہے گا۔ اور جب تک یہ بات پیدا نہو اسوقت تک بیفکر نہونا چاہئے۔ (یہ تحدید وقت اس بنا پر نہیں کہ اسکے بعد اطمینان کامل ہو جاتا ہے اور حسد کا اندیشہ بالکل نہیں رہتا۔ بلکہ اس بنا پر ہے کہ اسوقت تک حسد کا احتمال غالب ہے اور بعد کو مغلوب ہو جاتا ہے۔ اس لئے اسی وقت اہتمام دعا کی زیادہ ضرورت ہو واللہ اعلم) چونکہ یہاں ضمناً مستی باطنی کا ذکر آگیا تھا اسلئے اب مولانا یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ مستی کہاں ہو سکتی ہے پس اولاً اسکے لئے ایک مضمون تمہیدی بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق سبحانہ نے شراب کے اندر خاصیت رکھی ہے کہ اس سے مست ہو کر آدمی کو دین و دنیا کی خبر نہیں رہتی علی ہذا ایک مٹھی بھنگ میں یہ اثر رکھا ہے کہ وہ ایک وقت محدود تک آدمی کو خود اسکے نفس سے بھی غافل کر دیتی ہے اور اُسے اپنی بھی خبر نہیں رہتی اسی طرح نیند کو حق سبحانہ نے ایسا بنایا ہے کہ وہ آدمی کو دین و دنیا کی فکر سے چھڑا دیتی ہے اور مجنوں کو عشق لیلیٰ کے ذریعہ سے ایسا بنا دیا کہ اسکو دوست دشمن میں امتیاز نہ رہا۔ ایک یہ کیا اسکے پاس ایسے سیکڑوں نسخے ہیں جنکو وہ تمھارے حواس پر مسلط کر کے تمھیں بیخود کرتا ہے۔ خیر یہ تو مستی ظاہری تھی اب سمجھو کہ مستی باطنی کی بھی یہی حالت ہے کہ وہ آدمی کو بیہوش کر دیتی ہے مگر دو قسمیں ہیں ایک مستی شقاوت۔ دوسری مستی سعادت مستی شقاوت تو نفس کیلئے ہوتی ہے جو کہ اُس منحوس کو راہ راست سے بھٹکا دیتی اور اسکو اس سے بیخبر کر دیتی ہے۔ اور مستی سعادت عقل کیلئے ہوتی ہے جسکے

ذریعہ سے آدمی مقام خلد کو حاصل کرلیتا ہے اور خیمۂ گردوں کو اپنی مستی سے اکھاڑ کر دوسری طرف پہونچ جاتا ہے (یہ ایک عنوان ہے اور مقصود عروج روحانی اور تصرف حق کا بیان ہے یعنی اسکے ذریعہ سے آدمی نہایت عالی مرتبہ اور مقرب عند اللہ ہو جاتا ہے) جب یہ معلوم ہو گیا کہ مستی باطنی بھی دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک مستی نفسانی و مستی شقاوت دوسری مستی عقل و مستی سعادت تو اے دل تو ہر مستی سے دہوکہ نہ کھانا۔ اور اسے کمال یہ سمجھنا کیونکہ دونوں مستیوں میں بہت فرق ہے۔ دیکھ عیسیٰ بھی مست ہیں اور انکا گدہا بھی۔ مگر دونوں کی مستی میں بہت فرق ہے حضرت عیسیٰ شراب حب حق سبحانہ سے مست ہیں۔ اور گدہا شراب عشق جو سے۔ بس یہی حالت عقل اور نفس کی اور اہل اللہ اور اہل دنیا کی ہے جب یہ مضمون تمہیدی معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ ایسی مستی جسکی صفت ہم نے "ہست صہبائے سعادت" الخ میں بیان کی ہے اور جسکی طرف ہم نے "مر ترا مشغولے بخشد درون" الخ میں اشارہ کیا ہے تمکو اہل اللہ سے مل سکتی ہے۔ بس تم اس مستی کو ان خموں سے ڈہونڈہو۔ اور لنڈوروں یعنی ناقصین و اہل دنیا سے یہ مستی عقل حاصل نہیں ہو سکتی۔ اسلئے ان سے نہ طلب کرو۔ ہم نے تمکو اسلئے متنبہ کیا ہے کہ مستی دونوں میں ہے کیونکہ فی الجملہ دونوں مطلوب و معشوق ہیں اور ہر معشوق خم کی طرح شراب سے پر ہوتا ہے اسلئے التباس کا احتمال تھا پس تو دہوکہ نہ کھانا۔ اور دونوں کو ایک نہ سمجھنا۔ کیونکہ دونوں میں فرق ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ ایک دُرد سے پُر ہے اور دوسرا سونے کی طرح صاف شراب سے۔ اور دونوں کو احتیاط سے چکھنا تاکہ تجھے ایسی شراب ملجاوے جو خالص ہو۔ اور جسمیں تلچھٹ یعنی شراب نفسانی کی آمیزش نہو۔ یہ تو اجمالی تنبیہ تھی اب ہم کسیقدر تفصیلی تنبیہ کرتے ہیں۔ سن اس صاف شراب کو جسکو پیکر تو بالکل مدہوش ہو جاوے اس شخص سے چکھنا جو ترش رو یعنی ماسوی اللہ سے اعراض کئے ہوئے ہو۔ اور کسی کو منہ نہ لگاتا ہو (الا للحق) یہ مسلم ہے کہ دونوں شرابیں خواہ شراب نفس ہو یا شراب عقل تجھے مست کر دیں گی مگر پھر بھی دونوں کی مستی میں فرق ہے۔ شراب عقل کی مستی تجھے کھینچکر حق سبحانہ تک پہونچا دیگی جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ تو فکر اور وسواس اور تدبیر و نکی پریشانی سے بچ جاویگا اور تفویض کی شان تجھپر غالب ہوگی اور تو بدون عقل دنیوی سے آزاد ہو کر رقص جمل کریگا یعنی لذت روحانی سے مست ہوگا یہانتک اس مضمون استطرادی کو ختم کر کے پھر مضمون جذب جنس متجنس کی طرف عود کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ چونکہ انبیاء و صفا روح الامین اور فرشتہ یعنی جبریل کے ہم جنس ہوتے ہیں اسلئے اسے آسمان سے کھینچ لیتے ہیں

یعنی جبرئیل علیہ السلام کا انکے پاس وحی لیکر آنا یہ نتیجہ ہے اس مجانست کا جو ان دونوں میں ہے (یہ
ایک سا نکتہ ہے علت نہیں) انبیا کے عالم سفلی میں ہونے سے کسی کو ان کے سفلیات کا ہم جنس ہونیکا
شبہ نہو۔ اسلئے کہ دیکھو ہوا چونکہ آگ کی جنس سے ہے۔ کیونکہ دونوں کا میلان اوپر کی جانب ہے۔ اسلئے جب
تم کسی خالی لوٹے کا منہ بند کرکے حوض یا ندی میں رکھو گے تو وہ قیامت تک طبعًا نیچے نہ جائیگا۔
کیونکہ اسکا اندرون خالی ہے اور اسمیں ہوا بھری ہے۔ اور وہ ہوا طبعًا اوپر کیطرف مائل ہے۔ اور
اپنی ساتھ اپنے ظرف کو بھی اوپر کی جانب لیجانا چاہتی ہے پس اسی طرح ارواح انبیاء گو قسرًا و ضرورۃً
عالم سفلی سے تعلق رکھتی ہیں۔ مگر ہر وقت انکی توجہ عالم بالاہی کی طرف ہے اور وہ اپنے جسم کو بھی جو کہ
ان کیلئے بمنزلہ ظرف کے ہے عالم بالاہی کی طرف متوجہ کئے ہوئے ہوتے ہیں یعنی انکا نفس بھی روح کا
تابع ہوتا ہے۔ اور ناسوت کی طرف انکو بالذات توجہ نہیں ہوتی۔ اس شبہ کو دفع کرکے پھر اصل
مضمون جذب کو بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ انبیا کی حالت تو سن چکے۔ اب سنو کہ جو ارواح انبیا
سے مناسبت رکھتی ہیں وہ انکی طرف یوں ہی کھینچتی ہیں جیسے اجسام کی طرف انکے ظلال۔ ہم نے
دیگر اشخاص کو جو انبیا کی طرف کھینچتے ہیں انبیا کا ہم جنس اسلئے کہا ہے کہ انکی عقول غالب ہیں نفس
پر اور اعتبار غالب کا ہے۔ لہذا وہ عقل ہوئے اور عقل فطرۃً جنس ملائک سے ہے۔ اور ملائک جنس
انبیا سے۔ اسلئے وہ جنس انبیا سے ہیں برخلاف کفار کے کہ ان پر ہوائے نفس غالب ہے اسلئے وہ سراپا
نفس ہیں۔ اور نفس جنس سفلیات سے ہے تف ہے اسپر (یہ جملہ معترضہ ہے اظہار نفرت کیلئے) اسلئے
وہ بھی سفلی ہیں۔ اور جنس انبیاء و ملائکہ سے نہیں اور قبطی فرعون کا ہم جنس ہے لہذا اسکی طرف منجذب
ہے۔ اور سبطی موسیٰ کا ہم جنس۔ اسلئے انکی طرف منجذب ہے اور ہامان چونکہ فرعون کا ہم جنس تھا اس لئے
فرعون نے اسے مشورہ کیلئے منتخب کیا۔ اور اپنے قصر میں لیجاکر مسند وزارت پر بٹھلایا۔ ایک اثر تو مجانست
کا یہ تھا دوسرا اثر یہ ہوا کہ وہ اسکو مسند وزارت سے قعر دوزخ میں لے گرا اور یہ قعر دوزخ میں کیوں گئے
اسکی وجہ یہ تھی کہ دونوں دوزخ کے جنس سے تھے۔ پس دونوں اپنے ہم جنس کی طرف منجذب ہوگئے
یہ دوزخ کے ہم جنس اسلئے تھے کہ دونوں عالم سوز تھے جیسے دوزخ کفار سوز ہے اور دونوں نور ایمان کے
یوں ہی مخالف تھے جیسے کہ دوزخ نور قلب سے بھاگتی ہے اور دوزخ کے نور قلب سے بھاگنے کی دلیل
یہ ہے کہ وہ قیامت میں مومن سے کہیگی کہ اے مومن تو جلدی سے گزر جا کیونکہ تیرا نور میری آگ کو فنا

کئے دیتا ہے ارے مومن جلدی گذر جا۔ کیونکہ جب تیرا نور چلتا ہے تو وہ میری آگ کو بجھائے دیتا ہے۔ پس جسطرح دوزخ نور سے بھاگتی ہے یوں ہی دوزخی (خواہ فرعون ہو یا ہامان یا کوئی اور) بھی اس سے بھاگتا ہے۔ کیونکہ اسکی طبیعت دوزخ ہی کی سی ہے اور دوزخ مومن سے یوں ہی بھاگتی ہے جسطرح مومن دوزخ سے بھاگتا ہے لہذا دوزخی بھی بھاگتا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ مومن دوزخ سے کیوں بھاگتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ اسکا نور مخالف ہے نار دوزخ کے لہذا وہ اس سے بھاگتا ہے اور بھاگنا بھی چاہئے۔ کیونکہ مومن طالب نور ہے اور طالب نور لامحالہ ہارب عن النار ہوگا۔ کیونکہ جسطرح مجانست مقتضی ہے تجاذب کو یوں ہی مضادت مقتضی ہے تنافر کو اور یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب مومن خدا سے دوزخ سے امان مانگتا ہے تو دوزخ اس سے امان مانگتی ہے اور کہتی ہے کہ اے اللہ تو مجھے اس شخص سے دور رکھنا۔ خلاصہ یہ کہ جاذب مجانست ہے۔ اب تم یہ دیکھو کہ تم کفر و ایمان میں سے کس کے ہم جنس ہو۔ اگر بد دینوں کی طرف مائل ہو تو بد دین ہو اور اگر دینداروں کی طرف مائل ہو تو اللہ والے ہو اور اگر دونوں کی طرف مائل ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ نفس و عقل دونوں ملے ہوئے ہیں اور دونوں جنگ میں مصروف ہیں جب عقل غالب ہوتی ہے تو دینداروں کی طرف میلان ہوتا ہے اور جب نفس غالب ہوتا ہے تو بد دینوں کی طرف جھکتے ہو ایسی حالت میں تم کو کوشش کرنی چاہئے۔ کہ عقل نفس پر غالب ہے؛ اور اسکی صورت یہ ہے کہ شراب صدق کا پیالہ کسی شیخ کے ہاتھ سے پیو۔ اور اخلاص حاصل کرو۔ تاکہ تمھارا مقصود حاصل ہو۔ اور معانی (اوصاف روح) کو نقوش (صفات جسم) پر غلبہ ہو۔ اگر نفس بالکل مغلوب نہ ہو تو یہ بھی حالت جنگ میں یہ خوشی بھی کافی ہے کہ دشمن کو ہر وقت نئی شکست ہو۔ پس تم کوشش کرو تاکہ تمھارا دشمن شکست کھاوے۔ اگرچہ فرعون اس نصیحت کو نہیں سنتا اور اپنی شرارت سے باز نہیں آتا بلکہ نفس ہی کو عقل پر غالب رکھنا چاہتا ہے مگر تم سنو کیونکہ تم بہت لائق ہو اور فرعون نالائق ہے (اس عنوان میں عجیب لطافت ہے۔ کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا بمنزلہ پدر مشفق کے ہیں اور اہل دنیا بمنزلہ اطفال کے۔ پس جسطرح باپ اپنے بچہ کو کسی کام کی ترغیب دیتا ہے تو کہتا ہے کہ تو بہت لائق ہے کہ کہنا مان لیتا ہے اور فلاں بچہ برا ہے کہ وہ کہنا نہیں سنتا اور یہ عنوان بہت موثر ہوتا ہے۔ اسی طرح مولانا نے بھی وہی عنوان اختیار کیا ہے) خیر یہ قصہ تو

خواہ مخواہ طویل ہو گیا۔ اب ایک دوسرے فرعون کے گمراہ کرنے کا قصہ بیان کرنا چاہئے جو کہ مشورہ دینے والا ہے یعنی ہامان کا۔

مشورت کردن فرعون با وزیرش ہامان در ایمان آوردن موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

آں ستیزہ رو بسختی عاقبت
وعدہائے آں کلیم اللہ را

گفت با ہامان برائے مشورت
گفت و محرم ساخت آں گمراہ را

گفت با ہامان چو تنہا یش بدید
جست ہامان و گریباں را درید

بانگہا زد گریہا کرد آں لعیں
کوفت دستار و کلہ را بر زمیں

کہ چگونہ گفت اندر روئے شاہ
اینچنیں گستاخ آں حرف تباہ

جملہ عالم را مسخر کردہ تو
کار را با بخت چوں زر کردہ تو

از مشارق وز مغارب بے لجاج
سوئے تو آرند سلطاناں خراج

پادشاہاں لب ہمی مالند شاد
بر ستانہ خاک تو اے کیقباد

اسپ باغے چوں بہ بیند اسپ ما
رو بگرداند گریزد بے عصا

تا کنوں معبود و مسجود جہاں
بودہ گردی کمینہ بندگاں

در ہزار آتش شدن زیں خوشتر است
کہ خداوندے شود بندہ پرست

نے بکش اول مرا اے شاہ چیں
تا نہ بیند چشم من بر شاہ ایں

خسروا اول مرا گردن بزن
تا نہ بیند ایں مذلت چشم من

خود نبودست و مبادا اینچنیں
کہ زمیں گردوں شود گردوں زمیں

بندگان مان خواجه تاش ما شوند	بیدلان مان دلخراش ما شوند
چشم روشن دشمنان و دوست کور	گشت مارا این گلستان قعر گور

خیر تو اس شدت سے جھگڑا لو اور سخت معاند نے انجام کار مشورہ کیلئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وعدوں کو بیان کر دیا اور کہدیا اور اُس گمراہ کو راز دار بنا لیا اور جبکہ اُسکو تنہا پایا تو اس سے سارا واقعہ کہدیا۔ یہ سنکر ہامان اُچھلا کودا اور غم سے اپنا گریبان چاک کر دیا اور شور مچانا اور رونا دھونا شروع کیا اور ٹوپی اور عمامہ کو زمین پر پٹک دیا اور کہا کہ اُس نے یہ بیہودہ بات یوں گستاخانہ حضور کے سامنے کہی کیونکر مجھے تو اسکا ملال ہے۔ کیونکہ آپکی تو یہ شان ہے کہ آپنے تمام عالم کو مسخر کر لیا ہے اور اپنی خوش اقبالی سے ہر معاملہ کو اپنے لئے عمدہ اور مفید بنا لیا ہے اور بادشاہ مشرق و مغرب سے بلا کسی حیلہ و حجت کے آپکے پاس خراج لاتے ہیں اور سلاطین آپکے آستانہ کی خاک کو بخوشی چومتے ہیں اور رعب کی یہ حالت ہے کہ اگر کوئی بغاوت کرتا ہے اور ہمارے مقابلہ کے لئے آتا ہے تو اُسکا گھوڑا ہمارے کو دیکھتے ہی مر جاتا ہے اور ہم کو ڈنڈا لگانے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی ایسی حالت میں تو اسکا حضور کے سامنے یہ الفاظ زبان سے نکالنا ہی آپکی سخت توہین ہے۔ چہ جائیکہ آپ اسکو مان لیں میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ اب تک آپ ایک عالم کے معبود اور مسجود تھے پس کیا ایسی حالت میں آپ ایک ادنیٰ غلام بن سکتے ہیں میرے نزدیک تو ہزار آتشوں میں چلا جانا اس سے بہتر ہے کہ ایک خدا اپنے بندہ کا بندہ ہو جاوے۔ پس میری رائے تو یہ ہے کہ آپ اسکی درخواست کو قبول نکریں اور اگر قبول کرنا ہی ہے تو پہلے مجھے مار ڈالئے تاکہ میں حضور کی یہ توہین اپنی آنکھ سے نہ دیکھوں اور اے بادشاہ آپ ضرور میری گردن ماردیں تاکہ میں بچشم خود یہ ذلت نہ دیکھوں سکو یہ کبھی نہیں ہوا اور نوح ہو کہ زمین آسمان ہو جاوے اور آسمان زمین بنجاوے یعنی ہمارے غلام ہمارے آقا ہو جائیں اور ہم اُن کے غلام اور ہمارے دلدادہ ہمیں ستائیں اور ہم ستائے جائیں۔ اور ہمارے دشمنوں کی آنکھیں روشن ہوں اور دوست اندھے ہوں ایسی حالت میں تو ہمارے لئے مرجانا ہی بہتر ہے اور گور کا گڑھا ہمارے لئے باغ کیطرح عمدہ مقام ہے۔

تزییف سخن ہامان بے ایمان علیہ اللعنۃ

دوست از دشمن ہمی نشناخت او ‌ ‌ ‌ نرد را کورانہ کژ می باخت او

دشمن تو جز تو نبود اے لعین ‌ ‌ ‌ بیگناہان را مگو دشمن بکین

پیش تو ایں حالت بد دولت است ‌ ‌ ‌ کہ دوا دو اول و آخر لت است

گر ازیں دولت نتازی خز خزاں ‌ ‌ ‌ ایں بہارت را ہمی آید خزاں

مشرق و مغرب چو تو بس دیدہ اند ‌ ‌ ‌ کہ سر ایشاں ز تن ببریدہ اند

مشرق و مغرب کہ نبود برقرار ‌ ‌ ‌ چوں کنند آخر کسے را پایدار

تو بداں فخر آوری کز ترس و بند ‌ ‌ ‌ چاپلوست گشت مردم روز چند

ہر کرا مردم سجودے می کنند ‌ ‌ ‌ زہر اندر جان او می آگنند

چونکہ برگردد ازو آں ساجدش ‌ ‌ ‌ داند او کاں زہر بود و موبدش

اے خنک آنرا کہ ذلت نفسہٗ ‌ ‌ ‌ وائے آں کز سرکشی شد چوں کہ او

ایں تکبر زہر قاتل داں کہ ہست ‌ ‌ ‌ از مے پر زہر گشت آں گیج و مست

چوں مے پر زہر نوشد مدبرے ‌ ‌ ‌ از طرب یکدم بجنباند سرے

بعد یکدم زہر در جانش فتد ‌ ‌ ‌ زہر در جانش کند داد و ستد

گر نداری زہریش را اعتقاد ‌ ‌ ‌ کز چہ زہر آمد نگر در قوم عاد

چونکہ شاہے دست یابد بر شہے ‌ ‌ ‌ بکشدش یا باز دارد در چہے

ور بیابد خستۂ افتادہ را ‌ ‌ ‌ مرہمش سازد شہ و بدہد عطا

گرنہ زہرست آن تکبر پس چرا
گشت مشرک بے گناہ و بے خطا

وین دگر را بے ز خدمت چون نواخت
زین دو جنبش زہر را باید شناخت

راہزن ہرگز گدائے را نزد
گرگ گرگ مردہ را ہرگز گزد

خضر کشتی را برائے آن شکست
تا تواند کشتی از فجار رست

چون شکستہ می رہد اشکستہ شو
ایں در خضرست اندر خضر رو

آن کہے کو داشت از کان نقد چند
گشت پارہ پارہ از زخم کلند

تیغ بہر اوست کو را گردنیست
سایہ کافگندست او را زخم نیست

مہتری نفط ست و آتش اے غوی
اے برادر چون بر آذر میروی

ہرچہ او ہموار باشد با زمین
تیرہا را کے ہدف گردد ببین

سر برآرد از زمین آنگاہ او
چون ہدفہا زخم یابد بے رفو

نردبان خلق این ما و منیست
عاقبت زین نردبان افتادنیست

ہرکہ بالاتر رود ابلہ ترست
کاستخوان او بتر خواہد شکست

این فروعست و اصولش آن بود
کہ ترفع شرکت یزدان بود

چون نہ مُردی و گشتی زندہ زو
باغیے باشی بشرکت ملک جو

چون بدو زندہ شدی آن خود ویست
وحدت محض ست آن شرکت کیست

شرح این در آئینہ اعمال جو
کہ نیابی فہم این از گفتگو

گر بگویم آنچہ دارم در درون
بس جگرہا گردد اندر حال خون

بس کنم خود زیرکان را ایں بس است	بانگ دو کردم اگر در دہ کس است
حاصل آں ہاماں بداں گفتار بد	اینچنیں راہے بزاں فرعون زد
لقمۂ دولت رسیدہ تا دہاں	از گلوے او بریدہ ناگہاں
خرمن فرعون را داد او بباد	ہیچ شہ را اینچنیں صاحب مباد
از چنیں ہمراہ بد دوری گزیں	زینہار اللہ اعلم بالیقیں

یہاں سے مولانا ہامان پر عتاب فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُس نے جو موسیٰ علیہ السلام کو دشمن کہا ہے یہ اسکی غلطی ہے اور وہ دوست دشمن میں امتیاز نہیں کرتا۔ اسلئے اندھوں کی طرح غلط ٹھہری چل رہا ہے اور اوٹ پٹانگ باتیں کر رہا ہے اُس سے کوئی کہے کہ او ملعون تیرے سوا تیرا کوئی دشمن نہیں پس تو عداوت سے اوروں کو دشمن نہ بتا تو اپنی اس بُری حالت کو دوست سمجھتا ہے جسکے اول میں دوڑ دھوپ اور جانکاہی ہے اور آخر میں لاتیں تیری غلطی ہے پس اگر تو اس دولت سے نہ بھاگے گا تو یاد رکھ کہ ایکدن تیری اس فرعونی بہار پر خزاں آئیگی۔ اور تو برباد ہوگا۔ اور تو مشرق و مغرب کے تسلط پر کیا نازاں ہے تجھ سے بہت سے لوگوں نے مشرق و مغرب کو حاکمانہ طور پر دیکھا ہے جن کا قضاو قدر نے سر اُڑا دیا۔ اور آج اُن کا نام و نشان بھی نہیں اور وہ باقی رہ بھی کیسے سکتے تھے کیونکہ مشرق و مغرب خود تو باقی رہنے والے ہیں ہی نہیں پھر وہ کسی کو قایم کیسے رکھ سکتے ہیں نیز تو اسپر ناز کرتا ہے کہ لوگ تیرے خوف اور ضرر رسانی سے چند روز کے لئے تیری خوشامد کرتے ہیں۔ لیکن یہ بھی تیری غلطی ہے بلکہ اگر دل سے ہی کریں تب بھی کوئی قابل فخر بات نہیں کیونکہ لوگ جس کسی کو سجدہ کرتے ہیں وہ حقیقت میں اسکی تعظیم نہیں کرتے۔ بلکہ اسکو زہر دیتے ہیں۔ اور گو مسجود کو اُسوقت اسکا پتہ نہیں چلتا لیکن جب اسکو سجدہ کرنے والے اس سے پھر جاتے اور الگ ہو جاتے ہیں خواہ دنیا میں اس سے متنفر ہو کر یا فرکر یا عقبے میں اسکا ساتھ چھوڑ کر اسوقت اسے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی یہ لوگ میرے لئے سم قاتل اور مجھے تنہا چھوڑ دینے والے تھے۔ اب مولانا یہاں سے مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ارے نہایت مزہ میں ہے وہ شخص جسکی طبیعت میں تکسر اور انقیاد ملحق ہو

اور خرابی ہے اُسکے لیے جو سرکشی سے پہاڑ کی طرح گردن بلند اور سخت ہو کہ اُسپر اوامر الٰہیہ کا کچھ بھی اثر نہوتا ہو۔ تم سمجھو کہ تکبر سم قاتل ہے اور ہامان اس زہر آلود شراب سے احمق اور مست بنا ہوا ہے لہذا گو اسوقت وہ خوش ہے اور اسکی ترنگ میں اُسے آگا پیچھا کچھ نہیں سوجھتا مگر انجام اسکا ہلاکت ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی بدنصیب زہر آلود شراب سے مست ہوتا ہے تو کچھ دیر وہ مزہ میں سر ہلاتا اور جھومتا ہے مگر تھوڑی ہی دیر میں وہ زہر اسکی جان میں پھیل جاتا ہے اور لے دے شروع کر دیتا ہے۔ ہم نے تکبر کو زہر کہا ہے۔ اگر تم کو باور نہیں تو ہم پوچھتے ہیں کہ اس نے قوم عاد میں زہریلا اثر کیوں دکھلایا اور اسے کیوں تباہ کیا اور تمکو معلوم ہے کہ جب ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ پر تسلط حاصل کرتا ہے تو اسکو یا قتل کرتا ہے یا قید کرتا ہے لیکن جب کسی زخمی اور شکستہ کو پاتا ہے تو اُسکے زخموں کا علاج کرتا ہے اور داد و دہش کرتا ہے۔ پس اگر تکبر زہر نہیں ہے تو وہ کیوں مارا جاتا ہے اور بادشاہ اسکو بقصور کیوں مارتا ہے اور بدوں کسی خدمت کے دوسرے کی کیوں عزت افزائی کرتا ہے۔ پس ان دو فعلوں سے تم معلوم کر سکتے ہو کہ تکبر زہر ہے اور حقیقت میں قاتل شاہ وہی ہے گو صورۃً قاتل بادشاہ ہوا اور دیکھو کوئی ڈکیت کسی فقیر کو نہیں مارتا اور بھیڑیا دوسرے مردہ بھیڑیے کو نہیں کاٹتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ شکستگی و فقر سبب نجات ہے۔ پس اسکی ضد تکبر و دولت ضرور سبب ہلاکت ہوگی۔ علیٰ ہذا خضر علیہ السلام نے کشتی کو شکستہ کیا تھا تاکہ وہ فاسقوں اور بدکاروں کے پنجہ سے چھوٹ سکے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ شکستگی رہائی کا سبب ہے۔ پس جبکہ تم کو مذکورہ بالا امثلہ و نظائر سے معلوم ہو گیا کہ شکستہ نجات پاتا ہے پس تم سمجھو کہ راحت فقر میں ہے نہ کہ دولت میں اور چین شکستگی میں ہے نہ کہ تکبر میں لہذا دولت کو چھوڑ اور فقر میں پناہ لو۔ اور دیکھو پہاڑ جسمیں مختلف قسم کی دولت ہوتی ہے چاندی سونا لعل وغیرہ کسّی کے صدمات سے پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ اس سے تم دولتمندوں کی حالت سمجھ سکتے ہو اور دیکھو تلوار اسی کیلئے ہے جو گردن کش ہے اور سایہ چونکہ خاکسار ہے اسلئے اسے کوئی عذر نہیں۔ اس سے تمکو خاکساری کی فضیلت اور تکبر کی شامت معلوم ہو سکتی ہے۔ پس اے سردار تو یاد رکھ کہ سرداری لفظاً اور آگ ہے پس تو آگ پر کیوں چلتا ہے اس سے بچ ورنہ جلجائیگا اور ہلاک ہو جائیگا۔ ا۔ تذلل اور تمسکن اختیار کر اسکے ذریعہ سے تو بلاؤں سے نجات پائیگا۔ تو دیکھ کہ اگر کوئی تیرانداز تیر مارنا چاہتا ہے تو جو چیز زمین سے ملی ہوئی اور اس کے برابر ہوگی تیر دنکا نشانہ نہیں بن سکتی لیکن اگر وہ ذرا زمین سے سر اٹھاوے تو فوراً

اسکے تیر لگے گا یہ بھی دلیل ہے اسکی کہ خاکساری مفید ہے اور گردن کشی مضر جب یہ معلوم ہو گیا کہ گردنکشی اور تکبر اور تجبر مضر ہے تو اب تو اسکو ایک سیڑھی فرض کر و اور سمجھو کہ انجام کار اس سے گرنا لازم ہے بس الیسی حالت میں جو زیادہ اونچے چڑھیگا اور زیادہ تکبر کریگا وہ زیادہ احمق ہو گا کیونکہ اُسکی ہڈیاں اوروں سے زیادہ ٹوٹیں گی۔ جو وجہ ہم تکبر کی برائی کی بیان کہہ چکے ہیں یعنی اُسکا مضر ہونا سو وہ تو اسکا نتیجہ ہے۔ اور ہمارا اسکی برائی پر اسکے مضرت سے استدلال اسکے نتیجہ کی برائی سے استدلال ہے۔ لیکن اصل اور منشار اسکی برائی کا یہ ہے کہ تکبر کرنا اور عالی مرتبہ بننا اپنے کو خدا کا شریک بنانا ہے اور جبکہ تم اپنے کو مٹا دو اور حق سبحانہ کی حیات سے زندہ ہو جاؤ یعنی اپنے کو اسکی رضا کا بالکل تابع اور اسکے افعال کا آلہ نہ بنا دو اُسوقت تک تم ایک باغی ہو جو کہ دعویٰ شرکت حق سبحانہ کی بنا پر طالب ملک ہے۔ لیکن جبکہ تم اپنے کو اسکی رضا کا بالکل تابع بنا دو اور تمھاری یہ حالت ہو جاوے کہ گویا کہ تم اسکی حیات سے زندہ ہو اسوقت تم کچھ نہ ہوگے بلکہ وہی وہ ہوگا۔ اور وحدت محضہ ہوگی دوئی ہو ہی گی نہیں پھر شرکت کیونکر ہو سکتی ہے یہ مضمون باریک ہے اسلئے میں اس مضمون کو تمہیں الفاظ سے نہیں سمجھا سکتا۔ پس اگر تم کو اسکی شرح کی ضرورت ہو تو اعمال حسنہ کرو اور اپنے کو اس قابل بناؤ کہ حق سبحانہ بذریعہ کشف کے اس مسئلہ کی حقیقت تم پر منکشف کریں اور بدون تحصیل ذوق و وجدان کے اس بحث میں نہ پڑنا ورنہ گمراہی کا اندیشہ ہے اس مضمون استطرادی کو بیان کر کے مولانا پھر مضمون سابق کی طرف عود کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ گو میرے دل میں مذمت ہستی کی تفصیل بہت کچھ ہے۔ لیکن اگر میں اسے بیان کروں تو بہت سے جگر خون ہو جائیں اور کلیجے پھٹ جائیں۔ اسلئے اسیقدر پر اکتفا کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ عاقلوں کے لئے اتنا بھی کافی ہے اور میں متنبہ کر چکا ہوں اگر کوئی سمجھدار ہو تو سمجھ لے۔ (بانگ۔ دو اس آواز کو کہتے ہیں جو اہل قریہ کو متنبہ کرنے کیلئے اسوقت کیجاتی ہے جبکہ دشمن ان پر حملہ آور ہو) غرضکہ ہامان شریر نے اس بیہودہ تقریر سے یوں فرعون کا راہ مارا جسکی تفصیل تم سن چکے ہو اور جو لقمہ دولت ایمان اسکے منہ تک پہونچ گیا تھا اُس کو اس کے حلق میں سے نکال لیا اور خرمن فرعون کو ملیامیٹ کر دیا۔ خدا کرے کسی بادشاہ کا ایسا بدخواہ وزیر نہو۔ پس تم کو اس قصہ سے عبرت حاصل کرنی چاہئے اور برے رفیق سے دور رہنا چاہئے دیکھنا میری نصیحت کو بھولنا مت اور خبردار اسکے پاس نہ پھٹکنا۔ خیر فرعون کا واقعہ جسطرح ہمکو پہونچا تھا اُسکو ہم نے بیان کر دیا۔ اور یقینی بات خدا ہی زیادہ جانتا ہے کہ واقعہ کیونکر ہے۔

نومید شدن موسیٰ از ایمان فرعون و جا یافتن سخن ہامان در دل فرعون

گفت موسیٰ لطف بنمودیم وجود / خود خداوندیت را روزی نبود

آں خداوندی کہ نبود راستیں / مر ورا نے دست داں نے آستیں

آں خداوندی کہ دزدیدہ بود / بے دل و بے جان و بے دیدہ بود

آں خداوندی کہ دادندت عوام / باز بستانند از تو ہمچو وام

آں خداوندی تو از بندگی / کمتر است از باز دانی اندکی

دہ خداوندی عاریت بحق / کہ خداوندیت بخشد متفق

جب فرعون ہامان کے بہکانے میں آگیا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات ماننے سے انکار کر دیا تو آپ نے فرمایا کہ ہم نے تو بہت عنایت اور بہت کچھ سخاوت کی تھی مگر تیری قسمت ہی میں نہ تھی۔ ہم کیا کریں۔ دیکھ میں پھر کہتا ہوں کہ جھوٹی حکومت بالکل بے تکی ہے اور جو حکومت محض عارضی ہو اور اسلئے ایسی ہو جیسے چرائی ہوئی چیز کہ مالک اسکو چور سے واپس لے لیتا ہے۔ صورت حکومت ہو اور معنی حکومت اسمیں بالکل نہیں۔ تو اس حکومت پہ مغرور نہ ہو جو تجھکو عوام نے دے رکھی ہے۔ اسلئے کہ وہ تیرے مرنے کے وقت تجھ سے یوں واپس لے لیں گے جیسے قرض کو واپس لیتے ہیں پس اگر تو ذرا بھی سمجھے تو تجھے معلوم ہوگا کہ یہ تیری حکومت اس غلامی سے بھی کہیں کم ہے جس سے تو عار کرتا ہے۔ کیونکہ اسکا نتیجہ معزولی ہے۔ اور اسکا نتیجہ شاہی لہذا تو غلامی اختیار کر اور اس عارضی حکومت کو خدا کے حوالہ کر تاکہ حق سبحانہ تجھ کو وہ حکومت عطا فرما دیں جو متفق علیہ ہو اور کسی کو اس سے سرتابی کی گنجائش نہ ہو۔

منازعت کردن امیران عرب با رسول خدا کہ ملک را مقاسمہ کن تا نزاعے نباشد و جواب رسول ایشان را

آں امیرانِ عرب گرد آمدند	نزد پیغمبر منازع می شدند
کہ تو میری ہر یک از ما ہم امیر	بخش کن ایں ملک و بخش خود بگیر
ہر یکے در بخش خود انصاف جو	تو ز بخش ما دو دست خود بشو
گفت میری مر مرا حق دادہ است	سروری و امر مطلق دادہ است
کایں قرآن احمد ست و دورِ او	ہیں بگیرید امر حق را اتقوا
قوم گفتندش کہ ما ہم ز قضا	حاکمیم و داد میری ما خدا
گفت لیکن مر مرا حق ملک داد	مر شما را عاریہ از بہر زاد
میری من تا قیامت باقی است	میری عاریتی خواہد شکست
قوم گفتند اے امیر افزوں مگو	چیست حجت بر فزوں جوئی تو

سیل آمدن و چوب انداختن امرا جہت دفع سیل و غالب شدن مصطفیٰ علیہ السلام بر امیران

در زمان ابرے بر آمد ز امر مُر	سیل آمد گشت آن اطراف پُر
رو بشہر آورد سیلے بس مہیب	اہلِ شہر افغان کناں جملہ رعیب

گفت پیغمبر کہ وقت امتحاں
آمد اکنوں تا نہاں گردد عیاں

ہر امیرے نیزۂ خود در فگند
تا شود در امتحان آں سیل بند

نیزہا را ہمچو خاشاکے ربود
آب تیز سیل پر جوش و عنود

پس قضیب انداخت در وے مصطفیٰ
آں قضیب معجز فرماں روا

نیزہا گم گشت جملہ واں قضیب
بر سر آب ایستادہ چوں رقیب

ز اہتمام آں قضیب آں سیل زفت
رو بگردانید و سوئے بحر رفت

چوں بدیدند از وے آں امر عظیم
پس مقر گشتند آں میراں ز بیم

جز سہ کس کہ حقد ایشاں چیر بود
ساحرش گفتند کاہن از جحود

بود بوجہل لعین و بولہب
واں سوم ہم بود بوسفیان حرب

ملک بر بستہ چناں باشد ضعیف
ملک بر بستہ چناں باشد شریف

نیزہا را گر ندیدی با قضیب
نام شاں بیں نام او بیں اے نجیب

نام شاں را سیل تیز مرگ برد
نام او و دولت تیزش نمرد

پنج نوبت می زنندش ہر دوام
ہمچنیں ہر روز تا روز قیام

چونکہ مولانا نے اوپر فرمایا تھا کہ فانی فی الحق کو ایسی حکومت ملتی ہے جس سے سرتابی کی کسی کو مجال نہیں ہو سکتی اسلئے مولانا اسکی تائید میں ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امرا اور سردار عرب جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں جمع ہوئے اور یوں جھگڑنا شروع کیا کہ آپ بھی ایک امیر ہیں اور ہم بھی۔ لہٰذا ملک کو تقسیم کر لیجئے اور اپنا حصہ لے لیجئے ہم میں سے ہر ایک اپنے حصہ کے متعلق انصاف کا

خواہاں ہے اور چاہتا ہے کہ اُسکا حصہ اُسے ملجاوے۔ پس آپ ہمارے حصوں سے دست بردار ہو جائیے۔ آپ نے فرمایا کہ تمھارا دعویٰ غلط ہے حق سبحانہ کے جانب سے مجھے افسری اور سرداری و حکومت مطلقہ عطا ہوئی ہے اور فرمادیا ہے کہ یہ احمدؐ کا زمانہ ہے۔ اس زمانہ میں بجز انکے کسی کی حکومت نہیں ہو سکتی۔ پس تم اس حکم کو قبول کرو۔ اور اُسکی مخالفت سے بچو اُن لوگوں نے کہا کہ ہم بھی تو بحکم الٰہی ہی حاکم ہیں اور ہمکو بھی تو خدا ہی نے حکومت دی ہے پھر آپ ہماری حکومت کی نفی کیسے کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا بجا ہے لیکن مجھ میں اور تم میں اتنا فرق ہے کہ میری حکومت تو پائدار اور ایسی ہے جیسے کسی کو کوئی شئے ہبہ کر دیجائے اور تمھاری حکومت عارضی ہے تاکہ چند روز اس سے منتفع ہو لو لہذا میری حکومت تو قیامت تک باقی رہیگی اور تمھاری ٹوٹ جائیگی۔ یہ سُنکر لوگوں نے کہا کہ اچھا زیادہ باتیں نہ بنائیے کوئی واضح دلیل بیان کیجئے کہ آپکو ہم سے زیادہ لینے کا کیا حق ہے۔ اتنے میں بقضائے الٰہی ایک ابر اٹھا اور برسنے لگا جس سے ایک ایسی رَو آئی کہ آس پاس کے سارے مقامات میں پھیل گئی اور وہ نہایت خوفناک رَو شہر کی جانب بھی بڑھی یہ دیکھکر تمام اہل شہر ڈر گئے اور آہ وزاری شروع کی یہ دیکھکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب امتحان کا وقت آگیا ہے پس اب اپنی اپنی حکومت کے جوہر دکھلانے چاہئیں تاکہ حقیقت مخفیہ کا ظہور ہو۔ یہ سنکر سب امیروں نے اپنے اپنے نیزے اس رَو میں ڈالدیئے تاکہ اس معرکۂ امتحان میں انکو کامیابی ہو اور سیل بند ہو جاوے۔ لیکن اس پُرجوش اور معاند سیلاب کا تیز پانی ان سب نیزوں کو خس و خاشاک کی طرح بہالے گیا اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسمیں ایک کھجور کی شاخ ڈالی یعنی وہ شاخ جو سیلاب کو عاجز کر دینے والی اور اسپر حاکم تھی۔ پس نیزے تو سارے گم ہو گئے اور وہ شاخ محافظ کی طرح پانی پر کھڑی رہی اور اُسکے اہتمام سے اس عظیم الشان سیلاب نے اپنا رُخ بدل دیا اور دریا کی طرف چلا گیا۔ پس جبکہ ان لوگوں نے آپکا اتنا بڑا تصرف دیکھا تو ڈر کے مارے سب کے سب مان گئے اور ایمان لے آئے۔ بجز تین شخصوں کے جن پر کینہ غالب تھا۔ ان لوگوں نے انکار کیا۔ اور آپکو کاہن اور ساحر کہا۔ ان تین میں ایک ابوجہل تھا دوسرا ابولہب (یہ دونوں تو کافر ہی رہے) اور تیسرے ابوسفیان بن حرب (یہ فتح مکہ میں مشرف باسلام ہو گئے تھے) اس سے آپ لوگوں کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ پابند ہوا لوگوں کی حکومت کسقدر کمزور ہے اور ہوا سے آزاد لوگونکی حکومت کسقدر اعلیٰ ہے۔ اگر کسی کو خلجان ہو کہ نہ ہم نے نیزے دیکھے اور نہ شاخ۔ پھر ہمکو کیونکر اعتبار ہو۔ پس ہم ان سے کہیں گے کہ اگر تم نے نیزے اور شاخ نہیں دیکھے تو نہ سہی۔ ہم تمھاری لئے

دوسرا معیار قائم کرتے ہیں۔ اچھا انکا نام بھی دیکھ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مزاحم تھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی پس تمھیں معلوم ہوگا کہ ان کے نام کو موت کا تیز سیلاب بہا لیگیا۔ اور آپکا نام اور آپکی دولت تو یہ فنا نہیں ہوئی چنانچہ ابتک آپکی پنجوقتی نوبت بجتی ہے اور موذن پانچوں وقت اذان میں آپکا نام لیتا ہے اور قیامت تک ہر روز یوں ہی بجتی رہے گی۔ پس اس واقعہ سے تم دونو کی حکومتوں کا موازنہ کرسکتے ہو۔ **ف** اس قسم کے بیانات سے ہمارے زمانہ کے بتدعین کو دھوکا ہوگیا ہے اور انھوں نے اہل اللہ کیلئے حکومت عامہ بدین معنی ثابت کی ہے کہ یہ حضرات تمام عالم میں باختیار خود متصرف ہیں اور اس طرح ان لوگوں نے اہل اللہ کو متبوع اور حق سبحانہ کو انکا تابع کردیا ہے مگر یہ انکی غلطی ہے اور حقیقت انکی حکومت عامہ کی یہ ہے کہ یہ حضرات فانی فی الحق اور اسکے تابع محض ہیں اور اپنی خواہش کو حق سبحانہ کی خواہش میں اور اپنے اختیار کو اسکے اختیار میں فنا کرچکے ہیں لہذا حق سبحانہ کیلئے جو حکومت حقیقۃً حاصل ہے وہی حکومت انکی طرف مجازاً منسوب ہے۔ اور یہ نہیں کہ انکے لئے حقیقۃً ایسی حکومت حاصل ہو کہ جو کچھ یہ چاہیں باختیار خود کرلیں۔ فتدبر ولا تزل۔

تمامی حدیث موسٰی در تقریع و توبیخ فرعون،

گر ترا عقلےست کردم لطفہا	ور خری آوردہ ام خر را عصا
آنچناں زیں آخرت بیروں کنم	کز عصا گوش و سرت پر خوں کنم
اندریں آخر خران و مردمان	می نیابند از جفائے تو اماں
نک عصا آوردہ ام بہر ادب	ہر خرے را کو نباشد منتجب
اژدہائے می شود در قہر تو	کاژدہائے گشتۂ در فعل و خو
اژدہائے کوہئی تو بے اماں	لیک بنگر اژدہائے آسماں
ایں عصا از دوزخ آمد چاشنی	بر تو و بر مومن آمد روشنی،

ورنہ درمانی تو در زنداں من	مخلصت نبود ز زندان من
باز گرد از کفر سوئے دین حق	ورنہ در نار ابد مانی خلق
باز گرد اے گمرہ بدبخت دوں	ورنہ در دوزخ در افتی سرنگوں
ایں عصائے بود ایندم اژدہاست	تا نگوئی دوزخ یزداں کجاست

یہاں سے پھر قصہ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو عقلمند ہے یا گدہا۔ پس میں دونوں شقوں پر کلام کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اگر تو عقل رکھتا ہے تو میں نے تجھ پر عنایتیں کی ہیں اور چار وعدے کئے ہیں انکو قبول کر اور اگر تو گدہا ہے تو گدہے کیلئے میرے پاس لاٹھی ہے اسکے ذریعے سے میں تجھے اس آخور یعنی دنیا سے یوں مار کر نکال دونگا کہ تیرا سر اور کان لہولہان کر دونگا۔ چونکہ اس آخور میں گدہے اور آدمی یعنی اہل دنیا و اہل عقبیٰ دونوں تیرے ظلم سے مامون نہیں ہیں لہذا میں ایسے گدہے کی تادیب کیلئے جو کہ اچھا نہو یہ لاٹھی لایا ہوں۔ یہ لاٹھی تجھے مغلوب کرنے کیلئے اژدہا بن جاویگی کیونکہ تو افعال و اخلاق میں اژدہا ہے اور قاعدہ ہے کہ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے یہ مسلم ہے کہ تو پہاڑی اور بہت بڑا اژدہا ہے جس سے پناہ نہیں مل سکتی۔ لیکن تو ذرا آسمانی اژدہے کے جوہر بھی دیکھ۔ یہ عصا تیرے لئے نمونہ دوزخ ہے اور مسلمانوں کیلئے راحت بخش ہے یہ اژدہا تجھ سے بزبان حال کہتا ہے کہ او کافر دیکھ تو نور ایمان میں پناہ لے ورنہ تو میرے قیدخانہ میں رہیگا۔ اور اس قلعہ سے رہائی نہ پاسکیگا (مولانا نے اژدہے کے تسلط کو اسکا قیدخانہ اور قلعہ قرار دیا ہے) پس اے فرعون تو کفر سے پھر کر دین حق سبحانہ کی طرف آ ورنہ تو آتش دوزخ میں ذلیل رہیگا۔ اور اے بے نصیب کہنا مان۔ اور کفر سے پھر جا۔ ورنہ تو دوزخ میں سر کے بل گریگا۔ تو یہ نہ سمجھنا کہ دوزخ کہاں ہے کیونکہ حق سبحانہ کی قدرت بہت وسیع ہے اسکے لحاظ سے دوزخ کا ہونا کچھ بھی مستبعد نہیں دیکھ یہ پہلے لکڑی تھی مگر اب اژدہا ہے جو کہ اپنی خونخواری اور آتش فشانی کے لحاظ سے دوزخ کا نمونہ ہے اور یہ انقلاب اسی لئے واقعہ ہوا ہے کہ تو حق سبحانہ کی قدرت پر مطلع ہو اور دوزخ کے نمونہ کو آنکھ سے دیکھ لے اور یہ نہ کہے کہ دوزخ کہاں ہے ؛

در بیان آنکہ شناسائے قدرت حق تعالیٰ نپرسد کہ بہشت کجاست و دوزخ چہ جاست

ظاہرست ایں دوزخ اما بردلت ۔۔۔ ہست پوشیدہ یقین زاب و گل است

ہر کجا خواہد خدا دوزخ کند ۔۔۔ اوج را بر مرغ دام و فخ کند

ہم ز دندانت برآرد درد ہا ۔۔۔ تا بگوئی دوزخ ست و اژدہا

یا کند آب دہانت را عسل ۔۔۔ تا بگوئی کہ بہشتست و حلل

از بن دنداں بروناید شکر ۔۔۔ تا بدانی قوت حکم قدر

پس بدنداں بیگناہاں را بگز ۔۔۔ فکر کن از ضربت نامحترز

نیل را بر قبطیان حق خون کند ۔۔۔ سبطیان را از بلا محصول کند

آب بر فرعون در دم خون شود ۔۔۔ بر کلیمے قند نا ممنون شود

تا بدانی پیش حق تمیز ہست ۔۔۔ درمیان ہوشیار راہ دست

نیل تمیز از خدا آموختہ است ۔۔۔ کہ کشاد آن را و ایں را سخت بست

لطف او عاقل کند مر نیل را ۔۔۔ قہر او ابلہ کند قابیل را

در جمادات از کرم عقل آفرید ۔۔۔ عقل از عاقل بقہر خود برید

در جماد از لطف عقلے شد پدید ۔۔۔ وز نکال از عاقلاں دانش رمید

عقل چوں باراں بامر آنجا بریخت ۔۔۔ عقل ایں سو خشم حق دید و گریخت

ابر و خورشید و مہ و نجم بلند | جملہ بر ترتیب آیند و روند
ہر یکے ناید مگر در وقت خویش | کہ نہ پس ماند ز ہنگام و نہ پیش
چون نکردی فہم این راز انبیاءؑ | دانش آوردند در سنگ و عصا
تا جمادات دگر را بے لباس | چون عصا و سنگ داری از قیاس
طاعت سنگ و عصا ظاہر شود | وز جمادات دگر مخبر شود
کہ ز یزدان آگہیم و طائعیم | ما ہمہ بے اتفاقے ضائعیم
ہمچو آب نیل دانے وقت غرق | کو میان ہر دو امت کرد فرق
چون زمین کش دانش آمد وقت خسف | در حق قارون کہ قہرش کرد نسف
چون قمر کہ امر بشنید و شتافت | پس دو نیمہ گشت بر چرخ و شکافت
چون ستون نالید از ہجر نبیؐ | باخبر گشتہ از ان شیخ و صبی
چون درخت و سنگ کاندر ہر مقام | مصطفےؐ را گفتہ ظاہر السلام

یہاں سے مولانا مضمون ارشادی بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صاحبو دوزخ کا وجود تو بالکل ظاہر ہے مگر تم پر جسمانیت غالب ہے اور تم منہمک فی الناسوت ہو اور عالم غیب سے تمھیں کچھ بھی واسطہ نہیں اسلئے تمھیں محسوس نہیں ہوتی۔ پس یہ دوزخ کا اختفا نہیں ہے بلکہ تمھارا اندھا پن ہے اور اسکی ایسی مثال ہے جیسے آفتاب نکلا ہو مگر اندھے کو دکھلائی نہ دے اور ایک وہ دوزخ کیا میں تو کہتا ہوں کہ حق سبحانہ جسجگہ چاہیں دوزخ پیدا کر سکتے ہیں (مطلب یہ ہے کہ دوزخ کی حقیقت آلۂ تعذیب ہے اور حق سبحانہ جہاں چاہیں آلۂ تعذیب پیدا کر سکتے ہیں) اور وہ اوج کو جو کہ پرندوں کیلئے محل راحت ہے کہ وہ وہاں پہونچکر جال سے بچ جاتے ہیں ان کیلئے جال اور موجب تکلیف بنا سکتے ہیں نیز وہ دانتوں میں اسقدر تکلیف پیدا کر سکتے ہیں کہ آدمی بیساختہ کہہ اٹھے کہ یہ تو دوزخ اور اژدہا ہے یا زہر تھوک کو شہد

بنا سکتے ہیں جس سے آدمی کہہ اُٹھے کہ یہ تو جنت دکھائے بہشت یعنی اسکی طرح موجب راحت ہے اور وہ دانتوں میں سے شکر پیدا کر سکتے ہیں تاکہ تم کو حکم الٰہی کی قوت معلوم ہو اور تم جان لو کہ وہ جو چاہتا ہے کر سکتا ہے پس تم کو دوزخ کے بارہ میں شبہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ اول تو صورت دوزخ موجود ہے گو تم وجود مانع کی وجہ سے دیکھ نہیں سکتے اور اگر وہ نہ ہو تو اسکی حقیقت یعنی نفس بلا الم کے وجود اور اسپر قدرت ہیں تو کچھ شبہ ہی نہیں اور تم کو چاہئے کہ بیگناہوں کو ایذا نہ پہونچاؤ اور اس سزا کا خیال رکھو جس سے بچنا ناممکن ہے اور تم یہ نہ سمجھنا کہ ہمارے مظالم کی حق سبحانہ کو کیا اطلاع ہوگی کیونکہ اسکی شان یہ ہے کہ نیل کو قبطیوں کیلئے خون کر دیتا ہے اور سبطیوں کو اس بلا اور دیگر بلاؤں سے محفوظ رکھا ہے اور اسکے حکم سے پانی فرعون کیلئے ذرا سی دیر میں خون ہو جاتا ہے۔ اور موسیٰ کیلئے قند کا ل بنجاتا ہے یہ اسی لئے ہے تاکہ تجھے معلوم ہو جاوے کہ حق سبحانہ نیکوں اور بدوں کے درمیان تمیز رکھتے ہیں اور انکو جانتے ہیں وہ تو اتنے ممیز ہیں کہ تمیز نہ رکھنے والوں کو تمیز رکھنے والا بنا دیتے ہیں۔ چنانچہ یہ تمیز کہ نیل نے ایک گروہ کو رستہ دیدیا۔ اور دوسرے کو پکڑ لیا۔ اسکو خدا ہی نے دی ہے۔ اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور حق سبحانہ کی قدرت اور اسکے لطف و قہر کو بیان فرماتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اسکی عجیب شان ہے کہ جب وہ مہربانی کرتا ہے تو اپنی مہربانی سے دریا نیل کو عاقل بنا دیتا ہے اور جب وہ قہر کرتا ہے تو اسکا قہر قابیل کو احمق بنا دیتا ہے اور اس سے عقل چھین لیتا ہے اور وہ اپنے کرم سے جمادات میں عقل پیدا کرتا ہے اور اپنے قہر سے عاقلوں سے عقل کا تعلق منقطع کر دیتا ہے اور جمادات میں اسکی مہربانی سے عقل نمودار ہو جاتی ہے اور اسی کے غصہ سے عقلا سے عقل رفو چکر ہو جاتی ہے کیونکہ تابع محض ہے جب اسکو حکم ہوتا ہے کہ کسی کو اپنے فیض سے مالامال کرے۔ تو اسپر مینہ کی طرح برس پڑتی ہے۔ اور جبکہ کسی پر حق سبحانہ کا قہر دیکھتی ہے تو ڈر کے بھاگ جاتی ہے۔ اب ہم تم کو عقل جمادات کی دیگر مثالیں سناتے ہیں۔ دیکھو ابر اور خورشید اور ستارہ سب کی آمد و رفت ایک خاص قاعدہ اور ترتیب کے اندر ہے اور ہر ایک اپنے ٹھیک وقت پر آتا ہے کہ نہ اپنے وقت مقرر سے پیچھے رہتا ہے اور نہ آگے آتا ہے یہ کھلی دلیل ہے انکی عقل کی لیکن جب تعقل جمادات کو تم نے انبیاؑ کے کہنے سے نہ سمجھا۔ تو اسکے لئے دوسری تدبیر کیگئی اور پتھر اور لاٹھی میں عقل پیدا کیگئی چنانچہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے

ہاتھ میں کنکریوں نے توحید اور نبوت کی شہادت دی اور داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑ ہمکلام ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی اژدہا بنی اور مقصود یہ تھا کہ ان پر تم اور جمادات کو قیاس کر لو۔ اور انکی عقل و ادراک کا اعتراف کرو۔ اور پتھر اور عصا کی اطاعت ظاہر ہو کر دوسرے جمادات کی حالت کا پتہ دیدے۔ کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم حق سبحانہ سے واقف اور اسکے مطیع ہیں اور بدون اسکی موافقت کے ہم محض ناکارہ اور بے پناہ ہیں اور تم دیگر جمادات کو بھی آب نیل کی مانند سمجھو جس نے غرق کرنے کے وقت اتباع موسیٰ اور متبعین فرعون میں فرق کیا تھا۔ نیز تم انکو اس زمین کی طرح جانو جس نے دھنسانے کے وقت قارون کے حق میں سمجھ سے کام لیا تھا جسکو اسکے قہر نے فنا کیا تھا نیز تم انکو چاند کی مثل سمجھو جس نے امر حق سبحانہ سنا اور اسکی فوراً اطاعت کی اور انگلی کے اشارہ سے دو ٹکڑے ہو گیا۔ اور پھٹ گیا۔ نیز تم انکو ستون کی مانند سمجھو جو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مفارقت میں رویا جس سے بوڑھے اور بچے سب واقف ہو گئے نیز تم انکو درخت اور پتھر کی مانند جانو جنھوں نے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کھلم کھلا سلام کیا۔ ف ہمچو آب نیل الی آخر الابیات معطوف ہے چوں عصا و سنگ داری الخ پر۔

بحث کردن سنی و فلسفی و جواب دادن دہری که منکر الوہیت ست و عالم را قدیم داند

آں یکے می گفت عالم حادث ست	فانی ست ایں چرخ و حقش وارث ست
فلسفی گفت چوں دانی حدوث	حادثے ابر چوں داند غیوث
ذرۂ خود نیستی از انقلاب	تو چہ میدانی حدوث آفتاب
کرمکے کاندر حدث باشد دفیں	کے بداند آخر و بدو زمیں
ایں بتقلید از پدر بشنیدۂ	از حماقت اندریں پیچیدۂ

چیست برہان بر حدوث این بگو ‌‌ ورنه خامش کن فزون گوئی مجو

گفت دیدم اندرین بحر عمیق ‌‌ بحث می کردند روزے دو فریق

در جدال و در خصام و در شکوه ‌‌ گشته ہنگامہ بران دو کس گروه

سوئے آن ہنگامہ گشتم من روان ‌‌ تا بیابم اطلاع از حالِ شان

من بسوئے جمع ہنگامہ شدم ‌‌ اطلاع از حال ایشان بستدم

آن یکے میگفت گردون فانی است ‌‌ بے گمانے این بنا را بانی است

وان دگر گفت این قدیم و بے کیست ‌‌ نیستش بانی و یا بانی ویست

گفت منکر گشته خلاق را ‌‌ روز و شب آرندهٔ ارزاق را

گفت بے برہان نخواہم من شنید ‌‌ آنچه گوئی آن بتقلیدے گزید

ہین بیاور حجت و برہان که من ‌‌ نشنوم بے حجت این را در زمن

گفت حجت در درون جانم است ‌‌ در درون جان نہان برہانم است

تو نمی بینی ہلال از ضعف چشم ‌‌ من ہمی بینم مکن بر من تو خشم

گفتگو بسیار گشت و خلق گیج ‌‌ در سر و پایان این چرخ بسیج

گفت یارا در درونم حجتے است ‌‌ بر حدوث آسمانم آیتے است

من یقین دانم نشانش آن بود ‌‌ مر یقین دان را که در آتش رود

در زبان می ناید این حجت بدان ‌‌ ہمچو حال و سرِ عشق عاشقان

نیست پیدا سِرِّ گفت و گوی من | جز کہ زردی و نزاری روی من

اشکِ خوں بر رخ روانہ میرود | حجت حسن و جمالش می شود

گفت من اینہا ندانم حجتے | کہ بود در پیش عامہ آیتے

گر بیاری من کنم آنرا قبول | ورنہ کوتہ کن حدیث عرض و طول

گفت چوں قلبے و نقدے دم زند | کہ تو قلبی من نکویم وارجمند

ہست آتش امتحان آخریں | کاندر آتش در فتند آں دو قریں

عام و خاص از حال شاں عالم شوند | از گمان و شک سوئے ایقان روند

در آتش رفتن فلسفی و سوختن فلسفی

آب و آتش آمد ایجان امتحان | نقد و قلبے را کہ آں باشد نہاں

یا من و تو ہر دو در آتش رویم | حجت باقی حیرانان شویم

یا من و تو ہر دو در بحر اوفتیم | کیں در دعوے من و تو کوفتیم

ہمچناں کردند و در آتش شدند | ہر دو خود را بر تف آتش زدند

فلسفی را سوخت خاکستر بکرد | متقی را ساخت تازہ تر بکرد

آں خدا گوینده مرد مدعی | رست و سوزید اندر آتش آں دعی

آزمودہ بشنو ایں اعلام را | کوری افزوں روان خام را

کہ نسوزیدہ است این نام از اجل
کش مسمّیٰ صدر بودہ است اجل

صد ہزاران روح شد دلدادۂ
در رہ او سر بسر افتادۂ

صد ہزاران خلق را در بادیہ
سر گروہ و بے عصا را زادیہ

صد ہزاران نی بسا ہان اندر قران
بر دریدہ پردہائے منکران

چون گروہ ستند غالب شد صواب
در دوام معجزات و در جواب

فہم کردم کانکہ دم زد از سبق
در حدوث چرخ پیروز ست و حق

حجت منکر ہمانہ زر در رو
یک نشان بر صدق این انکار گو

یک منارہ در ثنائے منکران
کو درین عالم کہ تا باشد عیان

منبرے کو کہ در آنجا مخبرے
یاد آرد روزگار منکرے

روئے دینار و درم از نامشان
تا قیامت می دہد از حق نشان

سکۂ شاہان ہمی گردد دگر
سکۂ احمد ببین تا مستقر

بر رخ نقرہ و یا روئے زرے
وانما بر سکہ نام منکرے

بر رخ سیم و زرے اندر جہان
سکۂ بنما بنام منکران

خود مگیر این معجزہ چون آفتاب
صد زبان و نام او ام الکتاب

زہرہ نے کس را کہ یک حرفے ازان
یا بدزدد یا فزاید در میان

یار غالب شو کہ تا غالب شوی
یار مغلوبان مشو ہین اے غوی

حجت منکر ہمیں آمد کہ من / غیر ایں ظاہر نمی بینم وطن

ہیچ نندیشد کہ ہر جا ظاہریست / آں ز حکمتہائے پنہاں مخبریست

فائدہ ہر ظاہرے خود باطن است / ہمچو نفع اندر دواہا کامن است

ایں تفاوت حق نہاد اندر زیاں / تا بدانند اہل عرفاں در جہاں

عمر کرگس سہ ہزار و پانصد است / مر کبوتر را چہ باشد زاں بدست

می بمیرند از کبوتر صد ہزار / مرگ کرگس می نہ بینند آشکار

جملہ پندارند کرگس باقی است / نے غلط کردند یک کس باقی است

چونکہ ظاہر بیں شدند از جہل خویش / می نہ بینند از عمی نے پیش پیش

می نماند در جہاں یک تار و پو / کل شئ ہالک الا وجہہ

تفسیر آیہ کریمہ وما خلقنا السموات والارض وما بینہما الا بالحق نیافرید شان بہر ہمیں کہ شما می بینید بلکہ بہر ہمیں معنی و حکمتے کہ شما نمی بینید

ہر چہ پیدا کرد بہر معنی است / باطنش بنگر بہ بیں ظاہر بایست

ہیچ نقاشے نگارد زیں نقش / بے امید نفع بہر عین نقش

بلکہ بہر میہمانان و مہاں / کہ بفرجہ وا رہند از اندہاں

شادی بچگان و یاد دوستاں / دوستاں رفتہ را از نقش آں

ہیچ کوزہ گر کند کوزہ شتاب | بہر عین کوزہ نے از بہر آب
ہیچ کاسہ گر کند کاسہ تمام | بہر عین کاسہ نے بہر طعام
ہیچ خطاطے نویسد خط بفن | بہر عین خط نہ بہر خواندن
نقش ظاہر بہر نقش غائب است | واں برائے غائب دیگر ببست
تا سوم چارم دہم بر می شمر | ایں فوائد را بمقدار نظر
ہمچو بازیہائے شطرنج اے پسر | فائدہ ہر لعب در تالے نگر
ایں نہادہ بہر آں لعب نہاں | واں برائے آں وآں بہر فلاں
ہمچنیں دیدہ جہات اندر جہات | در پے ہم تا رسی در برد و مات
اول از بہر دوم باشد چناں | کہ شدن بر پایہائے نردباں
واں دوم بہر سوم می داں تمام | تا رسی تو پایہ پایہ تا ببام
شہوت خوردن ز بہر آں منی | واں منی از بہر نسل و روشنی
کند بینش می نہ بیند غیر ایں | عقل او بے سیر چوں نبت زمیں
نبت را چہ خواندہ چہ ناخواندہ | ہست پائے او بگل درماندہ
گر سرش جنبد بباد تیز رو | تو بسر جنبانیش غرہ مشو
آں سرش گوید سمعنا یا صبا | پائے او گوید عصینا خلنا
چوں ندارد سیر میراند چو عام | بر توکل می نہد چوں کور گام
بر توکل تا چہ آید در نبرد | چوں توکل کردن اصحاب نرد

وان نظرہائے کہ آن افسردہ نیست — جز روندہ جز درندہ پردہ نیست

آنچہ در دہ سال خواہد آمدن — وین زبان بیند بچشم خویشتن

ہمچنین ہر کس باندازہ نظر — غیب و مستقبل ببیند خیر و شر

چونکہ سد پیش و سد پس نماند — شد گزارہ چشم و لوح غیب خواند

چون نظر پس کرد تا بدو وجود — آخر او آغاز ہستی رو نمود

بحث املاک زمین با کبریا — در خلیفہ کردن بابائے ما

چون نظر در پیش افگند او بدید — آنچہ خواہد بود تا محشر پدید

پس ز پس می بیند او تا اصل اصل — پیش می بیند عیان تا روز فصل

ہر کسے اندازۂ روشن دلے — غیب را بیند بقدر صیقلے

ہر کہ صیقل بیش کرد او بیش دید — بیشتر آمد برو صورت پدید

گر تو گوئی کان صفا فضل خداست — نیز این توفیق صیقل زان عطاست

قدر ہمت باشد آن جہد و دعا — لیس للانسان الا ما سعیٰ

واہب ہمت خداوندست و بس — ہمت شاہے ندارد ہیچ کس

نیست تخصیص خدا کس را بکار — مانع طوع مراد و اختیار

لیک چون رنجے دہد بدبخت را — او گریزاند بکفران رخت را

نیک بختے را چو حق رنجے دہد — رخت را نزدیکتر وا مے نہد

بددلان از بیم جان در کارزار — کردہ اسباب ہزیمت اختیار

پردلاں در جنگ ہم از بیم جاں	حملہ کردہ سوئے صف دشمناں
دشمناں را ترس و غم در پیش برد	ہم ز ترس آں بددل اندر خویش مرد
چوں محک آمد بلا و بیم جاں	زاں پدید آمد شجاع از ہر جباں
حاصل آں کز وسوسہ ہر سو بیخت	از قضا ہم در قضا باید گریخت

اب مولانا تعقل جمادات کی تائید کیلئے ایک حکایت بیان کرتے ہیں جس سے آگ کا محق و مبطل کو پہچاننا ظاہر ہوتا ہے۔ جب یہ معلوم ہوچکا تو اب حل سنو۔ مولانا فرماتے ہیں کہ کل ایک شخص کہہ رہا تھا کہ عالم حادث ہے اور یہ آسمان مع مافیہا فنا ہو جاویگا اور اسکے فنا کے بعد ایک خدا باقی رہجاویگا جسطرح کہ وارث اپنے مورث کی موت کے بعد باقی رہتا ہے۔ یہ سنکر ایک فلسفی دہری نے کہا کہ تجھے اسکا حدوث کیونکر معلوم ہوا تو تو اسی سے پیدا ہوا ہے اور یہ تو تجھسے پہلے سے ہے پھر تو کیسے کہہ سکتا ہے کہ یہ حادث ہے اور ایک وقت میں معدوم تھا بعد کو موجود ہوا ہے بھلا کہیں ابر کے حدوث کو بارشیں بھی جان سکتی ہیں اور تو اپنے تقلب احوال کے سبب (مثلاً یہ کہ پہلے معدوم تھا اب موجود ہے پھر معدوم ہو جائیگا۔ وغیرہ وغیرہ) ایک ذرہ کی مثل بھی نہیں ہے پس تو اس عالم کے حدوث کو کیا جان سکتا ہے جس سے تجھکو اُس سے بھی کم نسبت ہے جو ذرہ کو آفتاب سے اور جو کیڑا پاخانہ میں رہتا ہو وہ زمین کی ابتدا و انتہا کو کیا جان سکتا ہے پس معلوم ہوتا ہے کہ تو نے مقلدانہ اپنے باپ سے سنا ہے اور اپنی نادانی سے اسکا معتقد ہو گیا ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو اس عالم کے حدوث کی دلیل بیان کر اور اگر دلیل بیان نہیں کرسکتا تو چپ رہ اور فضول باتیں نکر۔ اُس نے کہا کہ اور تو میں کچھ جانتا نہیں۔ اتنا جانتا ہوں کہ اس گہرے سمندر (مسئلہ حدوث و قدم عالم) میں ایک روز دو شخصوں میں مباحثہ ہو رہا تھا اور دونوں لڑ جھگڑ رہے تھے۔ اور ہر ایک دوسرے پر غالب آنیکی کوشش کر رہا تھا۔ اور ان دونوں کے گرد بہت سے لوگوں کا جمگھٹ تھا۔ میں نے یہ ہنگامہ دیکھا تو میں بھی اُس طرف چلا۔ کہ دیکھوں کیا قصہ ہے پس میں نے وہاں جاکر واقعہ معلوم کیا تو معلوم ہوا کہ ایک کہہ رہا ہے کہ آسمان مع مافیہا ایک روز فنا ہونے والا ہے اور یہ بنفسہ موجود نہیں ہے بلکہ اس عمارت کا ایک بنانے والا ہے جس نے اسے

بنایا ہے۔ دوسرا کہہ رہا تھا کہ نہیں بلکہ یہ قدیم ہے اور اسکی کوئی ابتدا یا انتہا نہیں نہ اسکا کوئی
بانی ہے۔ اور اگر کوئی بانی ہے تو خود وہی ہے۔ (حاصل یہ ہے کہ یہ بنفسہ موجود ہے نہ کہ بغیرہ) اسنے
کہا کہ کیا غضب کرتا ہے کہ خالق عالم اور مصرف اللیل والنہار اور رزاق عالم کا انکار کرتا ہے
اس نے کہا کہ اگر تم خالق و مصرف زمان و رزاق عالم کے وجود کے مدعی ہو تو اسکی دلیل بیان کرو۔
کیونکہ میں بدون دلیل کے تمہارا بیان نہیں سن سکتا۔ اور اسکو تقلیداً قبول نہیں کر سکتا۔ اگر تم
کو مجھے اپنا ہم خیال بنانا ہے تو اسکی صرف یہ صورت ہے کہ اپنے دعوے کو دلیل سے ثابت کرو
کیونکہ میں کہہ چکا کہ میں بلا دلیل نہ مانونگا۔ اس نے کہا کہ میرے دعوے کی دلیل میری جان
میں ہے اور اس جان کے اندر وہ برہان مخفی ہے یعنی میں اسکے حدوث کو وجداناً و ذوقاً جانتا
ہوں اور تیری چشم باطن کمزور ہے اسلئے تو اسکے حدوث کو نہیں دیکھ سکتا مگر میں دیکھتا ہوں
پس تو مجھپر غصہ نکر اور خود اپنا قصور سمجھ۔ غرضکہ بہت دیر تک اسی قسم کی گفتگو ہوتی رہی اور مخلوق
اس فرمان بردار آسمان کی ابتدا و انتہا کے بارہ میں متحیر تھی اور کوئی فیصلہ نہ کر سکتی تھی بالآخر
اس نے پھر کہا کہ اگر تو نہیں مانتا تو نہ مان مگر میں سچ کہتا ہوں کہ میرے دل میں اسکی دلیل موجود ہے
جو مجھپر آسمان کے حدوث کو واضح کرتی ہے۔ اور مجھے اسکے حدوث کا پورا پورا الیقین ہے اور
جو اسکو یقینی طور پر جانتا ہو اسکی نشانی یہ ہے کہ وہ آگ میں چلا جاوے پس میں آگ میں گھس
سکتا ہوں۔ میں یہ تو کر سکتا ہوں لیکن دلیل حدوث زبان سے ادا نہیں ہو سکتی جسطرح
کہ عاشقوں کے عشق کا راز اور انکی حالت بیان میں نہیں آسکتی۔ چنانچہ اگر کوئی عاشق سے
کہے کہ تو اپنے عشق کا ثبوت دے اور ثابت کر کہ تیرا معشوق حسین ہے تو وہ کہیگا کہ میرے دعوے
کی حقیقت صرف میرے چہرہ کی زردی اور اسکے اترا ہونے سے ظاہر ہو سکتی ہے اور دلیل سے
ظاہر نہیں ہو سکتی۔ اور میرے اشک خونی جو میرے چہرہ پر جاری ہیں یہی اسکے حسن و جمال
کی دلیل ہیں اور لفظی دلیل کوئی نہیں۔ اس نے کہا جناب میں ان باتوں کو تو جانتا نہیں ہاں اگر
کوئی ایسی دلیل پیش کرو جسکو سب لوگ مان لیں تو میں تمہارا دعوے مان لونگا ورنہ ان لمبی چوڑی
باتوں کو ختم کرو اں سے تمہارا دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس نے کہا اچھا سنو جب کھوٹا
اور کھرا اسونا آپسمیں مباحثہ کریں اور ہر ایک دوسرے سے کہے کہ تو کھوٹا ہے اور میں کھرا ہوں

تو آخری امتحان یہ ہے کہ دونوں آگ میں داخل ہوں۔ اس سے انکا کھوٹا اور کھرا ہونا کھلجاویگا اور عوام وخواص سب انکی حالت سے واقف ہو جائیں گے اور گمان وشک کی حد سے نکلکر سر حد یقین تک پہونچ جاوینگے پس ہم دونوں کا کھوٹ اور کھراپن مخفی ہے اسکے امتحان کیلئے آگ اور پانی ہیں اب یا تو یہ صورت کرو کہ ہم دونوں آگ میں داخل ہوں اور جو لوگ متحیر ہیں اُن کیلئے دلیل بنجاویں یا دونوں سمندر میں کود پڑیں اسلئے کہ ہم دونوں مدعی ہیں میں کہتا ہوں کہ میں سچا ہوں اور تم کہتے ہو کہ میں سچا ہوں۔ الغرض آگ میں داخل ہونا قرار پاگیا۔ اور دونوں آگ میں گھس گئے اور اپنے کو سوزش آتش کے حوالہ کر دیا نتیجہ یہ ہوا کہ آگ نے فلسفی کو تو جلا کر خاکستر کر دیا اور مومن کو راس آئی۔ اور اسکو اور تر وتازہ کر دیا۔ پس وہ خدا کا قائل مدعی حدوث بچ گیا۔ اور فلسفی حرامزادہ جلگیا۔ وہ تو کیا جلتا۔ تم میری اس بات کو سچ سمجھو کیونکہ میں یہ بات تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں (جو ناقص ہو اور میری بات کو غلط کہے وہ خدا کرے اور زیادہ اندھا ہو) کہ جسکا نام کامنشی مکرم عند اللہ اور بزرگ ہوتا ہے جیسا کہ یہ مدعی حدوث عالم تھا اُسکا نام بھی موت سے نہیں تلتا خود اسکا جلنا تو در کنار۔ پس وہ بچ گیا۔ اور ہزاروں جانیں اسکی دلدادہ اور مطیع ہوگئیں اور وہ صحرائے تحیر میں لاکھوں مخلوق کا سردار بنکر انکو اس جنگل سے نکال لے گیا۔ اور لاکھوں بے عصاؤں کیلئے موجب عافیت بنگیا۔ اور اس طرح اسکو اس معرکہ میں نمایاں فتح حاصل ہوئی اور ایک یہ کیا لاکھوں اس قسم کی شرطیں قرآن میں ہیں جنمیں حق سبحانہ نے منکروں کی پردہ دری کی ہے۔ اور جب کفار نے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کوئی شرط کی ہے حق ہی غالب آیا۔ اس طرح بھی کہ آپ کے معجزات دائم رہے اور مخالفین کی کارروائیاں فنا ہوگئیں اور اس طرح بھی کہ انکو دنداں شکن جواب ملگیا۔ خیر تو جب میں نے یہ واقعہ دیکھا تو میں سمجھ گیا کہ جس نے پیشتر یہ کہا تھا کہ آسمان مع مافیہا حادث ہے وہ غالب اور حق پر تھا۔ یہانتک اس مدعی حدوث کی گفتگو کو ختم کر کے مولانا اپنے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ فلسفی مغلوب ہوگیا۔ اور اسکی حجت رسوا ہوگئی۔ اور منکر حق کی حجت تو ہمیشہ مغلوب ہی ہوتی ہے۔ کیونکہ اسکے انکار کے سچے ہونے کی کوئی دلیل ہی نہیں۔ جو سر سبز ہو۔ دیکھو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح ان کے مخالفین مثل ابو جہل و ابولہب وغیرہ کی تعریف میں

کونسا منارہ ہے تاکہ انکی سچائی ظاہر ہو اور آنحضرت صلعم کی طرح کونسا منبر ہے جسپر کوئی واقعات بیان کرنیوالا منکرین کے زمانہ کو بھلائی سے یاد کرتا ہو آنحضرت صلعم اور آپکے موافقین انبیا وغیرہم کے نام کا رخ دینار و درہم قیامت تک رہیگا - برخلاف منکرین کے کہ انکا نام و نشان بھی نہیں - اور بادشاہوں کا سکہ تو بدل بھی جاتا ہے - مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سکہ قیامت تک کبھی نہ بدلیگا - بھلا تم چاندی یا سونے کے سکہ پر کسی منکر کا نام تو دکھا دو - برخلاف جناب رسول اللہ صلی اللہ کے نام کے (ف) مولانا نے انبیا کی صدق پر ان کے ذکر حسن کے بقا اور قیامت تک انکا سکہ جاری رہنے اور منکروں کا نام و نشان مٹ جانے سے احتجاج کیا ہے اسپر شبہ یہ ہوتا ہے کہ کفار اپنے پیشواؤں کی بھی یوں ہی تعریف کرتے ہیں کہ جسطرح مسلمان اپنے انبیاء کی - اور جس طرح اور بادشاہوں کا سکہ پر نام باقی نہیں رہتا یوں ہی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی باقی نہ رہا - پس فرق کیا ہے - اور استدلال کیونکر صحیح ہے - جواب اسکا یہ ہے کہ مولانا کا مقصود یہ ہے کہ جن لوگوں نے انبیا کا مقابلہ اور معارضہ کیا انکا ذکر حسن من حیث انہم معارضون للانبیاء باقی نہیں - پس اول تو کوئی فرقہ کفار کا ایسا نہیں جو ان لوگوں کا متبع ہو جنھوں نے انبیاء کا معارضہ و مقابلہ کیا - مثلاً یہود و نصاریٰ کفار ہیں مگر ابوجہل یا ابولہب یا قارون وغیرہ کے متبع نہیں - اور انکا ذکر نہیں کرتے - بلکہ انبیاء کا ذکر کرتے ہیں - خواہ بے قاعدہ کرتے ہوں اور ہنود وغیرہ اپنے پیشواؤں کا ذکر کرتے ہیں - مگر ان کے پیشواؤں کی نسبت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ انبیاء کے معارض تھے ممکن ہے کہ وہ اہل حق ہوں اور یہ خرابیاں جو ان فرقوں میں اعتقاداً وعملاً ہیں بعد کے لوگوں کی تحریفیں ہوں جیسے یہود و نصاریٰ کی حالت ہے اور اگر کوئی ایسا فرد ہو جس نے انبیا کا معارضہ کیا ہو اور مشہور بھی ہو تو یہ ضرور نہیں کہ وہ منکر ہونے کی حیثیت سے معروف و مثنی علیہ ہو بلکہ ضرور وہ کسی ایسی صفت کی بنا پر مشہور ہوگا جو مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہے پس یہ نیکنامی اور بقاء نام فی الحقیقت انبیاء ہی کی نیکنامی اور انہیں کے نام کا بقاء ہے رہا عدم بقاء سکہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق شبہ سو اسکا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کے نام کا سکہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا سکہ ہے اور اگر کوئی معارضہ کرے کہ پھر کفار کے نام کا سکہ انکے متبوعین کے نام کا سکہ ہوگا - اسلئے انکا سکہ بھی باقی ہوگا - تو اسکا جواب

بیان سابق سے معلوم ہوگیا۔ اور حاصل اسکا یہ ہے کہ اول تو وہ معارضین انبیا نہ تھے اور اگر ہوں بھی تو بحیثیت معارض ہونے کے یہ بقا نہیں بلکہ ان صفات کی وجہ سے ہے جو مشکوۃ نبوت سے ماخوذ ہیں) اچھا اگر اس بیان سے تشفی نہوئی ہو۔ تو یہ آفتاب کی طرح روشن اور بصید زبان اپنے اعجاز کو ظاہر کرنے والا معجزہ جسکا نام قرآن ہے اسی کو لے لو۔ اور سوچو کہ کتنی بڑی بات ہے کہ کسی کی طاقت نہیں۔ کہ اسکا کوئی حرف اڑا لے اور اسمیں سے کم کردے۔ یا اسمیں کسی حرف کا اضافہ کردے (چنانچہ شیعوں نے اسلام میں ہزاروں طرح سے رخنہ اندازیاں کیں اور سیکڑوں حدیثیں گھڑ گھڑ کر اور سنی بنکر محدثین کی کتابوں میں درج کرادیں۔ گو دوسرے محدثین کو انکی جعلسازی کا پتہ لگ گیا۔ اور انھوں نے بتلا دیا کہ فلاں راوی کذاب اور فلاں حدیث موضوع ہے جس سے حق و باطل میں امتیاز ہوگیا۔ اور گو وہ حدیثیں ان کتابوں سے بوجہ ان کے اطراف عالم میں شائع ہوجانے یا ان کے مصنفین کی وفات پاجانے وغیرہ معذوریوں کے نکالی نہیں گئیں اور طالب حق کیلئے اشتباہ نہیں رہا۔ مگر انھوں نے اپنا کام کردیا اور انھوں نے اس قرآن کو بھی محرف بتاکر عوام کو بدظن کرنا چاہا۔ اس قرآن کے علاوہ ایک اور قرآن بھی مانا اور کہا کہ وہ اصلی قرآن ائمہ کے پاس ہے اور اس قرآن میں تحریف کی کوششیں بھی کیں اور اسکے لئے لہو پسینہ ایک کردیا مگر بحمد اللہ یہ قرآن اسی طرح محفوظ ہے جیسا کہ تھا) پس جبکہ تم کو معلوم ہوگیا کہ اہل حق غالب ہیں اور منکرین مغلوب تو تمکو غالب کا ساتھ دینا چاہیئے نہ کہ مغلوبین کا ورنہ انکی ساتھ تم بھی تباہ ہوگے۔ دیکھو مخالف حق کے پاس اس انکار کی کوئی دلیل نہیں۔ بجز اسکے کہ میں ظاہر کو دیکھتا ہوں اور کچھ نہیں دیکھتا۔ لیکن وہ اتنا نہیں سوچتا کہ مخفیات کا انکار مطلقاً صحیح نہیں۔ بلکہ ظاہر کا وجود خود مخفی کے وجود کی دلیل ہے۔ کیونکہ جہاں کہیں بھی کوئی ظاہر ہے وہ ان مخفی اور باطن حکمتوں کا پتہ دیتا ہے جو اسکے وجود میں مخفی ہیں اور ہر ظاہر میں ایک فائدہ ہوتا ہے اور وہ فائدہ خود مخفی اور ظاہر میں یوں مستور ہوتا ہے جسطرح کہ دوا کا نفع اسمیں مستتر ہوتا ہے۔ پس یہ کہنا کیسے صحیح ہوگا کہ غیر ازیں ظاہر نمی بینم وطن۔ اور جبکہ یہ کلیہ غلط ہوگیا تو ان مخفی امور کے انکار کی کوئی وجہ نہیں جنکا اہل حق اثبات کرتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ اس اختلاف یعنی ظہور بعض و بطون بعض میں کیا حکمت ہے سو اسکی وجہ یہ ہے کہ اسکے ذریعہ سے جو لوگ معرفت حق سبحانہ کی اہلیت رکھتے

ہیں وہ معرفت حاصل کریں (تفصیل آئندہ آنے والی ہے) خیر تم کو اس منکر کی غلطی تو معلوم ہو گئی۔ اب منشاء غلطی سنو تفصیل اسکی یہ ہے کہ بنا بر مشہور کرگس کی عمر ساڑھے تین ہزار برس کی ہوتی ہے۔ لیکن سوچو کہ کبوتر کیلئے اس عمر کا کونسا حصہ حاصل ہے۔ وہ حصہ حاصل ہے جسکی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ کچھ بھی نہیں۔ اس بنا پر اگر ایک لاکھ کبوتر بھی مرجائیں تو وہ کرگس کی موت نہیں دیکھ سکتے اسلئے وہ سمجھتے ہیں کہ کرگس باقی اور غیر فانی ہے بس یہی حالت منکرین حدوث و فنائے چرخ کی ہے کہ انکی عمریں چرخ کی عمر سے کوئی مناسبت نہیں رکھتیں۔ اسلئے وہ اسکو باقی سمجھتے ہیں مگر یہ انکی غلطی ہے۔ کیونکہ صرف ایک ذات باقی ہے اور کوئی باقی نہیں۔ لیکن چونکہ وہ اپنی جہالت کے سبب صرف ظاہر کو دیکھتے ہیں اسلئے وہ اپنے اندھے پن سے نہ آسمان کی ابتدائی حالت دیکھتے ہیں اور نہ انتہائی کیونکہ وہ مخفی ہے اور مخفیات کا انکو احساس ہی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ عالم میں ایک بال بھی باقی رہنے والا نہیں اور بجز ذات حق سبحانہ کے ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ ہاں تو ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ جس چیز کو حق سبحانہ نے ظاہر فرمایا ہے اسکو ایک حکمت مخفی کے لئے ظاہر فرمایا ہے۔ پس تمکو ظاہر ہی تک نہ رہجانا چاہیئے بلکہ اسکے باطن پر بھی نظر کرنی چاہیئے اور اسکے حکم اور مصالح میں غور کرنی چاہیئے تاکہ تم کو حق سبحانہ کی معرفت حاصل ہو (ف یہ حکم غور وخوض امور تکوینیہ سے یا تشریعیہ و تکوینیہ دونوں سے متعلق ہے۔ مگر تحصیل معرفت کیلئے۔ اور اسلئے نہیں کہ اپنی عقل کو معیار بنا کر امور تشریعیہ پر تنقید کیجاوے اور جسکی حکمت سمجھ میں آجاوے اُسے مان لیا جاوے اور جسکی علت سمجھ میں نہ آوے رد کر دیا جاوے جیسا کہ بعض گمراہ فرقے کرتے ہیں خوب سمجھ لو) تم غور تو کرو کیا کوئی مصور بلا کسی فائدہ کی توقع کے اور خود تصویر ہی کو مقصود سمجھکر تصویر بناتا ہے ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ اسمیں یہ مصلحت مدنظر رکھتا ہے کہ میرے مہمان اور دیگر معززین انسے دل بہلاوینگے اور اسطرح سے غم سے نجات پاوینگے بچے خوش ہونگے اور گذشتہ دوستوں کی تصویر سے انکی یاد تازہ ہوگی۔ وغیرہ وغیرہ علیٰ ہذا کوئی کوزہ گر محض لوٹے کو مقصود سمجھکر اور بدون اس فائدہ کے کہ اسمیں پانی رکھا جاویگا لوٹا بناتا ہے ہرگز نہیں۔ اور کیا کوئی کاسہ گر پیالہ کو مقصود سمجھکر اور بدون اس خیال کے کہ اسمیں کھانا کھایا جاویگا پیالہ بناتا ہے ہرگز نہیں۔ نیز کوئی لکھنے والا کوئی تحریر

صرف اسکو مقصود سمجھکر اور بدون اس خیال کے کہ اسکو پڑھا جاوے لکھتا ہے کبھی نہیں پس
جبکہ حالت یہ ہے انسان کو بھی ظاہر سے ظاہر مقصود نہیں ہوتا بلکہ ایک مصلحت باطنہ مدنظر
ہوتی ہے تو حق سبحانہ کو آسمان وغیرہ ظواہر سے خود وہی کیونکر مقصود ہونگے پس ثابت ہوا
کہ ہر نقش ظاہر کسی صورت کا منہ کے لئے مقصود ہے اب ہم کہتے ہیں کہ خود یہ صورت کا منہ
بھی مقصود نہیں بلکہ اس سے ایک اور فائدہ مقصود ہے۔ پس تم ان فوائد کو تین چار پانچ چھ
سات آٹھ نو دس غرض کہ جہاں تک تمھاری نظر پہونچے گنتے جاؤ اور ایک فائدہ پر بس نکرو۔
کیونکہ اسکی ایسی مثال ہے جیسے بازی شطرنج۔ کہ ہر چال دوسری کیلئے مقصود ہوتی ہے اور اسکا
فائدہ دوسری چال ہوتی ہے اور ایک مہرہ ایک گھر میں دوسری چال کیلئے رکھا جاتا ہے
جو ہنوز مخفی ہوتی ہے اور وہ چال ایک تیسری چال کیلئے اور وہ چوتھی چال کیلئے پس تم
اسی طرح ایک وجہ میں دوسری وجہ دیکھتے چلے جاؤ یہانتک کہ تم بازی کو ختم کردو۔ اور بازی
جیت لو یا ہار جاؤ نیز معنی اول کے دوسرے کیلئے ہونے کی ایسی ہی مثال ہے جیسے تدریجا سیڑہی
پر چڑھنا کہ ایک ڈنڈے پر چڑھنے کا فائدہ دوسرے ڈنڈے پر چڑھنا ہے اور دوسرے پر چڑھنے
کا تیسرے پر چڑھنا اسی طرح تمام ڈنڈوں کو سمجھ لو۔ یہانتک کہ تم کوٹھے پر پہونچ جاؤ۔ نیز اسکی
ایسی مثال ہے جیسے کھانے کی خواہش جماع کیلئے مقصود ہے۔ اور جماع اولاد۔ اور روشنی چشم
کیلئے (روشنی چشم اولاد کا عطف تفسیری ہے) یہانتک یہ امر معلوم ہوا کہ صورت خود مقصود
نہیں بلکہ اس سے کوئی معنی مقصود ہیں۔ مگر کند نظر شخص صرف ظاہر کو دیکھتا ہے اور اس سے
آگے نہیں بڑھتا۔ اور اسکی عقل رواں نہیں ہوتی بلکہ سبزہ زمین کی طرح ایک جگہ جم کر رہجاتی ہے
اور جس طرح سبزہ کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اسے ہلایا جاوے یا نہ ہلایا جاوے مگر وہ ایک ہی
جگہ جما ہوتا ہے۔ یوں ہی عقل بھی ظاہر پر جمکر رہجاتی ہے لیکن اگر سبزہ کا سر ہلتا ہو تو تم دہوکہ
نہ کھانا کیونکہ اسکا سر تو باد صبا کی اطاعت کرتا ہے۔ اور حرکت کرتا ہے مگر پاؤں اسکے اطاعت
سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نہ مانیں گے ہمیں حرکت سے معاف رکھو بس یہی حالت
عقل کی ہے کہ گو وہ ایک صورت سے دوسری صورت کی طرف حرکت کرتی ہے۔ مگر یہ حرکت کرنا
بمنزلہ گھاس کے سر ہلانے کے ہے اور آگے بڑھتا نہیں ہے اسلئے کہ وہ صورت پر جمکر رہگئی ہے

اور اس سے آگے نہیں بڑھتی۔ اور چونکہ کند نظر شخص اوپر کی جانب نہیں چلتا اور حکم و مصالح مخلوقات الٰہیہ کو نہیں سمجھتا اسلئے اپنے افعال کے نتائج میں بھی غور نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ بھی شعبہ ہیں انہیں حکم و مصالح کا اور جبکہ ان نتائج میں غور نہیں کرتا۔ اسلئے وہ محض عامیانہ کوشش کرتا ہے اور توکل کر کے اندھوں کی طرح غلط روی اختیار کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کوشش فضول ہے جو ہونا ہوگا ہو رہے گا۔ لیکن یہ اسکی غلطی ہے کیونکہ اسکے اور نفس و شیطان کے درمیان جنگ ہے اور جنگ میں کوشش کی ضرورت ہوتی ہے توکل سے کام نہیں چلتا جیسے جو شخص بازتو توکل کرے۔ اور اندھا دھند دھرے چلنے لگے۔ تو اسکا نتیجہ یہی ہوگا کہ حریف غالب ہوگا۔ اور یہ شکست کھا جاویگا۔ برخلاف اسکے جنکی نظریں جامد نہیں ہیں وہ ترقی باطنی کرتے ہیں اور حجابات کو پھاڑتے جاتے ہیں۔ اور اپنے تقرب بحق سبحانہ کو بڑھاتے رہتے ہیں انکی انجام بینی کی یہ حالت ہوتی ہے کہ دس سال بعد آنے والی بات کو اسوقت اپنی آنکھ سے دیکھ لیتی ہیں اور اسکا انتظام شروع کر دیتے ہیں۔ یہانتک تو انجام بینی و عدم انجام بینی متعلق بآخرت کا ذکر تھا۔ اب مولانا عام غیب بینی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علیٰ ہذا ہر شخص اپنی چشم باطن کی قوت کے موافق امر غیبی یعنی آئندہ واقعات و نتائج دنیویہ یا اخرویہ کہ خواہ وہ بھلے ہوں یا برے دیکھ لیتا ہے۔ لیکن جب آدمی تصفیہ باطن کر لیتا ہے اور آگے پیچھے کی دیوار یعنی تعلقات ناسوتیہ جو مانع غیب بینی ہیں مرتفع ہو جاتے ہیں تو آدمی کی نظر ثاقب و نافذ ہو جاتی ہے اور اسوقت وہ لوح غیبی کو پڑھنے لگتا ہے اور امور مغیبہ پر بخوبی مطلع ہونے لگتا ہے اسکی نظر کی یہ حالت ہوتی ہے کہ جب وہ ابتدا ہستی تک نظر دوڑاتا ہے تو واقعات پیشین ابتداء ہستی اسپر روشن ہو جاتے ہیں اور وہ خلقت آدم کے وقت اس گفتگو کو دیکھتا ہے جو حق سبحانہ اور زمین کے فرشتوں کے درمیان خلافت حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق ہوئی تھی یہ حالت تو اسکی پس بینی کی ہوتی ہے اب پیش بینی کی کیفیت سنو۔ جبکہ وہ آگے نظر ڈالتا ہے تو ان واقعات کو دیکھ لیتا ہے جو قیامت تک ہونگے۔ تو خلاصہ یہ نکلا کہ پیچھے کی جانب وہ اصل الاصل یعنی ابتدا خلقت تک دیکھ لیتا ہے اور آگے کی جانب قیامت تک دیکھ لیتا ہے۔ ف اس سے کسی کو اولیاء اللہ کے علم ما کان و ما یکون کا شبہ نہونا چاہئے۔ کیونکہ مولانا کا مقصود احاطہ کلی نہیں ہے بلکہ مقصود

صرف انکے علم کی وسعت دکھلانا ہے نہ کہ ہر ہر چیز کے علم کا احاطہ تفصیلی۔ نیز یہ بھی شبہ نہ ہونا چاہئے کہ کشف انکا اختیاری ہے۔ کیونکہ مقصود یہ ہے کہ حق سبحانہ انکو علم کثیر عطا فرماتے ہیں نہ یہ کہ وہ جسکو چاہتے ہیں جان لیتے ہیں) غرض کہ ہر شخص اپنی روشندلی اور صیقل کی مقدار اور اندازہ سے امور غیبیہ کا مشاہدہ کرتا ہے پس جو صیقل زیادہ کریگا وہ زیادہ دیکھیگا اور صور غیبیہ اسپر زیادہ منکشف ہونگے اور جو کم کریگا اسکی حالت برعکس ہوگی (یاد رکھو کہ روشندلی اضافہ حق سبحانہ کیلئے شرط عادی ہے نہ کہ علت موجبہ بذاتہا اور یہ غیب بینی و کشف عام ہے خواہ متعلق بالٰہیات ہو یا متعلق بکونیات اس تقریر سے یہ شبہ مندفع ہوگیا کہ جسکا رتبہ صفائی باطن زیادہ ہے اسکو کشف زیادہ ہونا چاہئے اور جسکو کم ہے اسکو کم۔ حالانکہ یہ کلیہ مشاہدہ غلط ہے وجہ اندفاع یہ ہے کہ صاحب اشکال نے غیب بینی کو کشف کونی کیساتھ مخصوص سمجھ لیا ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ وہ عام ہے پس یہ کہا جاویگا کہ جن بڑے رتبہ کے لوگونکو کشف کونی زیادہ نہیں ہے انکو کشف الٰہی زیادہ ہے اب کوئی اشکال نہ رہا) جب تم کو تصفیہ باطن کی عظمت معلوم ہوگئی تو اب تمکو چاہئے کہ اسمیں کوشش کرو لیکن اگر یہ شبہ کرو کہ حصول صفا موقوف ہے فضل حق سبحانہ پر اور توفیق تصفیہ بھی خدا ہی کی دین ہے نہ کہ ہماری کوشش اور دعا سو وہ موقوف ہے ہمت و عزم مصمم پر اور یہ معلوم ہے کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جسکے لئے وہ سعی کرتا ہے اور سعی موقوف ہے ہمت پر اور ہمت کا دینے والا بھی خدا ہی ہے ورنہ ناچیز انسان ایسے بڑے مقصد کی ہمت نہیں کر سکتا۔ تو ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے پھر ہمسے کہنا کہ تم صفائی حاصل کرو فضول ہے تو اسکا جواب ہم یہ دینگے کہ تقدیر الٰہی بیشک حق ہے لیکن حق سبحانہ کا کسی کام کو کسی کیلئے مقدر کر دینا مانع طاعت انقیاد و اختیار نہیں بلکہ یہ امور تقدیر کیساتھ بھی جمع ہو سکتے ہیں لیکن حق سبحانہ جب کسی شئے کو لوگونکے لئے مقدر کرتے ہیں تو اسوقت انکی دو حالتیں ہوتی ہیں کبھی تو وہ اپنے اختیار کو سبب قرب بناتے ہیں اور کبھی سبب بعد مثلاً جب حق سبحانہ کسی بدبخت اور محروم کو تکلیف میں مبتلا کرتے ہیں۔ تو وہ اپنے اختیار کو یوں کام میں لاتا ہے کہ ناشکری میں قاست گزین ہوتا ہے۔ اور ناشکری کر کے حق سبحانہ سے دور ہوتا ہے۔ اور جب کسی سعادتمند کو مبتلائے مصائب کرتے ہیں تو وہ بذریعہ شکر و صبر کے مزید قرب حاصل کرتا ہے تو دیکھو تقدیر الٰہی دونوں کیلئے ایک ہی قسم کی ہے مگر آثار میں فرق ہے۔ اور یہ فرق کیوں ہے محض اختیار کے سبب پس معلوم ہوا کہ آدمی مختار ہے نہ کہ مجبور اب ہم اس مدعا کو ایک اور نظیر سے ثابت کرتے ہیں۔ دیکھو بزدل لوگونکو بھی جان کا

خوف ہوتا ہے اور بہادروں کو بھی لیکن پھر دونوں پر اختلاف اختیار کے سبب آثار مختلفہ مرتب ہوتے ہیں چنانچہ جو لوگ بزدل ہیں وہ جان کے خوف سے جنگ میں ہزیمت اختیار کرتے ہیں اور بہادر اسی خوف کی سبب صف دشمن پر حملہ آور ہوتے ہیں تاکہ انکو نیست و نابود کرکے اپنی جان کو ان سے بچائیں۔ نیز بہادر لوگونکو خوف اور غم آگے کی جانب بڑھاتا ہے اور بزدل لوگ بے ماری ہی مر جاتے ہیں۔ دیکھو سبب ایک تھا مگر اختلاف اختیار کے سبب نتائج مختلفہ مرتب ہوئے۔ لہذا سمجھنا چاہیئے کہ تکالیف و دیگر امور تقدیریہ ایک کسوٹی ہیں جن سے بہادر اور بزدل میں امتیاز ہوتا ہے اور انکو منافی اختیار نہ سمجھنا چاہیئے اور ہمت سے کام لیکر اپنے کو بہادر ثابت کرنا چاہیئے خلاصہ کلام یہ کہ ہر قسم کے وساوس سے قطع تعلق کرکے تقدیر سے بھاگ کر تقدیر الٰہی ہی میں پناہ لینی چاہیئے یعنی اپنے تمام کاموں میں حق سبحانہ کو مطمح نظر بنانا چاہیئے اور اُسی سے طالب امداد ہونا چاہیئے۔ اور تمھاری حالت ایسی ہونی چاہیئے جیسی موسیٰ علیہ السلام کی بیان کیگئی ہے جسکی تفصیل یہ ہے

وحی کردن حق تعالیٰ بموسیٰ علیہ السلام کہ من ترا دوست میدارم

گفت موسیٰ را بوحی دل خدا ۔۔۔ کای گزیدہ دوست میدارم ترا
گفت چہ خصلت بود اے ذوالکرم ۔۔۔ موجب آن تا من آن افزون کنم
گفت چون طفلے بہ پیش والدہ ۔۔۔ وقت قہرش دست ہم بروے زدہ
خود نداند کہ جز او دیار ہست ۔۔۔ ہم ازو مخمور ہم ازوست مست
مادرش گر سیلئے بروے زند ۔۔۔ ہم بمادر آید و بروے تند
از کسے یاری نخواہد غیر او ۔۔۔ اوست جملہ شرِ او و خیرِ او
خاطر تو ہم ز ما در خیر و شر ۔۔۔ التفاتش نیست جاہائے دگر
غیر من پیشت چو سنگ است و کلوخ ۔۔۔ گر صبی و گر جوان و گر شیوخ
ہمچنان کہ ایاک نعبد در حنین ۔۔۔ در بلا از غیر تو لانستعین
ہست این ایاک نعبد حصر را ۔۔۔ در لغت وان از پے نفی ریا
ہست ایاک نستعین ہم بہر حصر ۔۔۔ حصر کردہ استعانت را و قصر

کہ عبادت مر ترا آریم و بس ‌‌‌‌‌‌|‌‌‌‌‌‌ طمع یاری ہم ز تو داریم و بس

یعنی حق سبحانہ نے موسیٰ علیہ السلام سے بذریعہ وحی دل یعنی الہام کہا کہ اے ہمارے برگزیدہ نبی ہم تم سے محبت کرتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ ای کریم مجھے اس محبت کا سبب بتلا دیجئے تاکہ میں اسمیں اور زیادہ کوشش کروں اور اسکے ذریعہ سے آپکا اور زیادہ محبوب بنوں۔ اسپر حق سبحانہ نے فرمایا کہ تمھاری میرے سامنے ایسی حالت ہے جیسے ماں کے سامنے بچہ کی کہ وہ اسکے غصہ کیوقت بھی اُسی کو لپٹتا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ اسکے سوا بھی کوئی انسان دنیا میں ہے بلکہ وہ اُسی سے مخمور اور مست ہوتا ہے چنانچہ اگر اسکی ماں اُسکے تھپڑ مارتی ہے تو وہ اُسی کیطرف چلتا اور اُسی کو لپٹتا ہے اور اُسکے سوا کسی سے مدد نہیں چاہتا اسکے حق میں اگر بری ہے تو وہ ہے اور بھلی ہے تو وہ ہے غرض جو کچھ ہے وہ ہے۔ اسی طرح تمھاری بھی حالت ہے کہ ہماری طرف سے اگر کوئی ناگواری تمکو لاحق ہوتی ہے تو بھی تمھاری طبیعت ہمکو چھوڑ کر کسی اور طرف ملتفت نہیں ہوتی۔ اور کوئی خوشی پیش آتی ہے تو بھی وہ ہماری ہی طرف ملتفت ہوتی ہے۔ اور ہمارے سوا جو کچھ بھی ہے خواہ بچہ ہو یا جوان یا بڈھا سب مثل ڈھیلے اور پتھر کے ہیں۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ صاحبو جسطرح تم کو ایاک نعبد کی ہدایت کیگئی ہے یوں ہی ایاک نستعین بھی بتلایا گیا ہے۔ پس جسطرح تم کہتے ہو کہ ہم گریہ و زاری کی حالت میں صرف آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں یوں ہی یہ بھی کہو کہ بلا (؟) ہمیں آپکے سوا کسی سے مدد بھی نہیں چاہئے اور جسطرح تم ایاک نعبد پر عمل کرتے ہو یوں ہی ایاک نستعین پر بھی عمل کرو۔ کیونکہ جسطرح زبان عربی میں ترکیب ایاک نعبد حصر کا فائدہ دیتی ہے اور مقصود یہ ہے کہ عبادت میں ریا بھی نہونی چاہئے شرک صریح تو درکنار یوں ہی ایاک نستعین کی ترکیب بھی حصر کے لئے ہے۔ اور استعانت کو حق سبحانہ میں محصور اور اُسی پر مقصور کرتی ہے اور دونوں ترکیبوں کا حاصل یہ ہے کہ عبادت بھی ہم صرف تیری ہی کرتے ہیں اور مدد بھی ہم تجھ ہی سے چاہتے ہیں پس تمکو دونوں ترکیبوں کے مفاد کو مد نظر رکھنا چاہئے اور عبادت کیطرح استعانت کو بھی حق سبحانہ کیساتھ مخصوص کرنا چاہئے (ف) یاد رکھو کہ استعانت بالغیر باذن شرع حصر استعانت فی الحق کے منافی نہیں مثلاً کوئی شخص کسی امیر سے دس روپے مانگے اور وہ کہے کہ ہمارے خزانہ سے لیلو اور اس حکم کی بناء پر خزانچی سے مانگے تو یہ درحقیقت اس امیر ہی سے مانگنا ہے نہ کہ خزانچی سے پس اگر اسباب عادیہ سے استمداد کے وقت ملحوظ رہے کہ میں باذن حق سبحانہ ان سے مدد لیتا ہوں تو یہ استمداد فی الحقیقت حق سبحانہ ہی سے ہے نہ کہ غیر سے واللہ اعلم

قد تم الربع الثالث من الدفتر الرابع من المثنوی ولله الحمد

ربع رابع دفتر رابع

قال تعالیٰ کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم آیاتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمۃ ویعلمکم ما لم تکونوا تعلمون

چوں در کریمہ صدر قولہ یتلوا و یعلمکم الکتاب بر فضل علم نظم و معنی و قولہ یزکیکم بر شرف علم کلام و عقائد و علم سلوک و قولہ والحکمۃ بر مزیت علم اسرار و علم اصول دال باد ضع بیان ست لہٰذا ان جزو بودن تصوف کہ مشتمل بر سلوک و اسرار ست از علم دین چنیک عیان ست و باتفاق اہل مذاق مثنوی را در کتب این فن خاص شانے ست لاکن از اغلاقش محتاج تبیان ست بنا برعلیہ این شرح اردو کہ معنونش را

عنوان ست این ربع رابع از دفتر رابع از آن ست (بالفاظ و عبارت (مولوی) شبیر علی و مولوی حبیب احمد سلمہا اللہ کہ ہر یکے از ایشان برائے صاحب معانی یعنی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب دام ظلہم بمنزلہ لسان و ترجمان ست) در حل متن را چناں حل کردہ کہ نہایت امکان ست مسائل را بطورے تقریر نمودہ کہ ہم موافق تحقیق اہل اتقان و ہم مطابق حدیث و قرآن ست و اشکالات و اغلاط را بطرزے دور ساختہ کہ مورث اطمینان و ایمان ست وجا بجا ملفوظات سیدنا الحاج محمد امداد اللہ رحمہ کہ مطرب آذان و منشط اذہان ست ہم در وے مطابق ہرزدہ

حسب فرمایش

محمد شبیر علی مالک اشرف المطابع تھانہ بھون ضلع مظفر نگر طابع شد

شرح حبیبی از کلید مثنوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خشم کردن پادشاہ بر ندیم و شفاعت کردن شفیع مغضوب علیہ را و از پادشاہ درخواستن و مقبول شدن و رنجیدن مغضوب علیہ کہ چرا شفاعت کرد

پادشاہے بر ندیمے خشم کرد / خواست تا از وے بر آرد دود و گرد

کرد شمشیر بیروں از غلاف / تا زند بر وے جزائے آں خلاف

ہیچکس را زہرہ نے تا دم زند / یا شفیعے بر شفاعت بر تند

جز عماد الملک نامی از خواص / در شفاعت مصطفیٰ وار انہ خاص

بر جہید و زود در سجدہ فتاد / در زماں شہ تیغ قہر از کف نہاد

گفت اگر دیوست من بخشیدمش / ور بلیسی کرد من پوشیدمش،

چونکہ آمد پائے تو اندر میاں، / راضیم گر کرد مجرم صد زیاں،

صد ہزاران خشم را تانم شکست / کہ ترا آں فضل و آں مقدار ہست

لابہ ات را ہیچ نتوانم شکست / زانکہ لابہ تو یقیں لابہ منست

ف شرح دفتر چہارم کے ربع ثالث کے شروع سطر میں لفظ حبیبی بڑھا حاشیہ یہاں بھی موضع ہے اسی طرح سے دفتر خامس کے ربع ثانی و ثالث و رابع میں بھی یہی مصلحت مشترک ہے ۱۲ ۱۲ ۱۲ اشرف علی

گر زمین و آسمان برہم زدے ❊ زانتقام این مرد بیرون نامدے

ور شدے ذرہ بذرہ لابہ گر ❊ او نہ بردے این زمان از تیغ سر

بر تو می ننہیم منت اے کریم ❊ لیک شرح عزت تست اے ندیم

این نہ کردی تو کہ من کردم یقین ❊ اے صفاتت در صفات ما دفین

تو درین مستعملی نے ما اصلی ❊ زانکہ محمول ہستی نے حاملی

ما رمیت اذ رمیت گشتہ ❊ خویشتن در موج چون کف ہشتہ

لا شدی پہلوئے الا خانہ گیر ❊ اے عجب کہ ہم اسیری ہم امیر

انچہ دادی تو ندادی شاہ داد ❊ اوست بس واللہ اعلم بالرشاد

رنجیدن مغضوب علیہ و یاری بریدن از شفیع

وان ندیم رستہ از زخم و بلا ❊ زین شفیع آزردہ برگشت از ولا

دوستی ببرید زان مخلص تمام ❊ رو بحائط کرد تا نارد سلام

زین شفیع خویشتن بیگانہ شد ❊ زین تعجب خلق در افسانہ شد

گر نہ مجنون ست یاری چون برید ❊ از کسے کہ جان او را واخرید

واخریدش آندم از گردن زدن ❊ خاک نعل پاش بایستے شدن

بازگونہ رفت و بیزاری گرفت ❊ با چنین دلدار کین داری گرفت

پس ملامت کرد او را ناصحے ❊ کین جفا چون میکنی با مصلحے

جان تو بجزید آں دلدار خاص — آندم از گردن زدن کرد خلاص

گر جفا کردے نبایستے رمید — خاصہ نیکی کرد آں یار حمید

گفت بہر شاہ مبذول ست جاں — او چرا آید شفیع اندر میاں

لی مع اللہ وقت بود آندم مرا — لا یسع فیہ نبی مجتبی

من نخواہم رحمتے جز زخم شاہ — من نخواہم غیر آں شہ را پناہ

غیر شہ را بہر آں لا کردہ ام — کہ بسوئے شہ تولا کردہ ام

گر ببرد او بقہر خود سرم — شاہ بخشد شصت جاں دیگرم

کار من سربازی و بیخویشی است — کار شاہنشاہ ما سربخشی است

فخر آں سر کہ کف شاہش برد — ننگ آں سر کہ بغیرے سر برد

شب کہ شاہ از قہر در قبرش کشید — ننگ دارد از ہزاراں روز عید

خود طواف آنکہ او شہ بین بود — فوق قہر و لطف و کفر و دیں بود

زاں نیامد یک عبارت در جہاں — کہ نہانست و نہانست و نہاں

زانکہ ایں اسمار و الفاظ حمید — از کلابہ آدمی آمد پدید

علم الاسما بد آدم را امام — لیک نے اندر لباس عین و لام

چوں نہاد از آب و گل بر سر کلاہ — گشت آں اسمار جانی روسیاہ

کہ نقاب حرف و دم در خود کشید — تا شود بر آب و گل معنی پدید

گرچہ از خشم شہم کرد او خلاص — لیک ہم شہ شد مرا حقا مناص

گرچہ از یک وجہ منطق کاشف ست | لیک از دہ وجہ دیگر مکنف است

تمہاری ایسی حالت ہونی چاہیئے جیسے بادشاہ کے اس مصاحب کی جسکا قصہ ہم اسوقت بیان کرتے ہیں وہ قصہ یہ ہے کہ ایک بادشاہ نے اپنے ایک ندیم پر عتاب کیا اور چاہا کہ اسکو نیست و نابود کردے اور اس کام کے لئے اس نے تلوار بھی میان سے نکال لی تاکہ وہ اسکے اس مخالفت کی عوض مارے جو اس سے سرزد ہوئی تھی اسوقت کسی کی تاب نہ تھی کہ دم مار سکے اور کسی سفارشی کی طاقت نہ تھی کہ سفارش کر سکے بجز بادشاہ کے ایک خاص آدمی عمادالملک نامی کے جو کہ سفارش کیلئے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح مخصوص تھا۔ وہ اٹھا اور فوراً سجدہ میں گر گیا۔ یہ دیکھکر بادشاہ نے فوراً تلوار ہاتھ سے رکھدی اور کہا کہ اگر یہ شیطان کی طرح بھی نافرمان ہے۔ تب بھی ہم نے اسکی جان بخشی کی اور اگر اس نے شیطانانہ مخالفت بھی کی ہے تب بھی ہم نے اپنے کرم سے اسکی پردہ پوشی کی چونکہ تم بیچ میں پڑ گئے ہو اسلئے اگر یہ مجرم سو قصور بھی کرے تب بھی میں رضامند ہوں تمہاری میری نظر میں وہ عظمت و جلالت ہے کہ سیکڑوں غصوں کو اسکے سبب فنا کر سکتا ہوں لیکن تمہاری خوشامد کو نہیں توڑ سکتا۔ کیونکہ تم اور میں ایک جان دو قالب ہیں اسلئے تمہاری خوشامد گویا کہ خود میری خوشامد ہے اگر زمین و آسمان بھی تلپٹ ہوجاتے تب بھی میں اس سے انتقام لینے سے باز نہ آتا۔ اور اگر ذرات جہان تمام ملکر سفارش کرتے تب بھی وہ میری تلوار سے سر سلامت نہ لیجا سکتا تھا۔ مگر تمہاری سفارش سے میں نے اسکی جان بخشی کردی اور یہ میں تمپر احسان نہیں رکھتا بلکہ تمہاری اس وقعت کو ظاہر کرتا ہوں جو میرے دل میں ہے۔ اور تمپر احسان رکھ کیسے سکتا ہوں کیونکہ یہ تمنے نہیں کیا بلکہ خود میں نے کیا ہے کیونکہ تمہاری صفات میری صفات میں مدفون ہیں اور تم مجھ میں فنا ہو اسلئے تمہارے افعال خود میرے ہی افعال ہیں کیونکہ تم اس فعل میں میرا ایک آلہ ہو جس سے کہ میں نے کام لیا ہے اور خود اسکے کرنے والے نہیں ہو۔ اسلئے کہ یہ بار شفاعت میں نے تمپر لادا ہے اور تم نے خود نہیں اٹھایا پس تمہارے اس فعل میں ایسی مثال ہے جیسے حق سبحانہ اپنے رسول ؐ کی نسبت فرماتے ہیں ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی۔ کیونکہ تم نے اپنے کو ہماری رضا کے یوں تابع کردیا ہے جیسے موج کے قبضہ میں کف ہو۔ اور ہماری رضا میں فانی ہو چکے ہو۔ اسی لئے تم کو ہماری ذات کے ساتھ بقا

حاصل ہو گئی ہے۔ اب تم چین سے باقی بذات ما رہو۔ اور چونکہ تم ہمارے اسیر ہوا سلئے گویا کہ خود امیر ہو بس یہ ایک عجیب بات ہے۔ کہ تم اسیر بھی ہوا ور امیر بھی القصہ جو کچھ تم نے اسکی ساتھ سلوک کیا ہے یہ تم نے نہیں کیا بلکہ خود ہم نے کیا ہے کیونکہ تم اب تم نہیں رہے بلکہ اب جو کچھ ہیں ہم ہیں اوست بس کو ہم نے بطریق التفات مقولہ شاہ قرار دیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ مقولہ (ف) مولانا ہوا ور تعلیل ہو مصرعہ اولیٰ کی مگر مصرعہ اولیٰ دونوں صورتوں میں مقولہ شاہ ہی ہے بطور التفات کے واللہ اعلم) عماد الملک نے تو اس ندیم کے ساتھ یہ سلوک کیا اور وہ ندیم جو اسکی سفارش سے ہلاکت سے بچا تھا اسکی یہ حالت ہوئی کہ اس سے ناخوش ہو گیا۔ اور دوستی سے پھر گیا اور اس مخلص کامل سے دوستی کا تعلق منقطع کر دیا۔ اور دیوار کی طرف منہ کر لیا تاکہ وہ سلام نہ کر سکے اور اس اپنے سفارش گر سے بالکل اجنبی بن گیا۔ اس حیرت انگیز واقعہ کو دیکھکر لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ اور وہ کہنے لگے کہ یہ ندیم دیوانہ ہو گیا۔ کیونکہ اگر دیوانہ نہیں ہوا تو کیا وجہ ہے کہ ایسے شخص سے اس نے بگاڑ لی جس نے اسکی جان بچائی۔ اس نے تو اسے گردن زنی سے بچایا تھا اسلئے اسکو چاہئے تھا کہ اسکی جوتیوں کی خاک ہو جاتا۔ نہ کہ الٹی چال چلا اور اس سے بگاڑ لی۔ اور ایسے دوست کا دشمن ہو گیا۔ یہ چہ میگوئیاں تو لوگوں میں آپسمیں ہوتی تھیں لیکن ایک خیر خواہ نے خود اسکو بھی ملامت کی اور کہا کہ تم ایک مصلح پر یہ زیادتی کیوں کرتے ہو اس محب خاص نے تو تمھاری جان بچائی ہے اور اس نازک وقت میں تمھیں گردن زنی سے بچایا ہے۔ ایسی حالت میں تو اگر وہ تم پر کوئی زیادتی بھی کر لیتا تو تم کو اس سے نفور نہ ہونا چاہئے تھا۔ بالخصوص اسوقت جبکہ اس نے بھلائی ہی کی ہے اور کوئی برائی نہیں کی ایسی حالت میں تو تمکو نفور ہونا بالکل ہی زیبا نہیں اس نے تھا کہیں تو بادشاہ کیلئے جان دے رہا تھا وہ کون ہوتا تھا کہ سفارشی بنکر بیچ میں کو دپڑا۔ میری تو اسوقت بادشاہ کی ساتھ یہ حالت تھی جیسے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل پھر ایسی حالت میں اس نے دخل کیوں دیا (ف) علامہ بحر العلوم سے تعجب ہے کہ باوجود مثنوی کے ایسے عنوانات بیان سے بے پرہ ہونے کے انھوں نے اس تعبیر کو سوء ادب قرار دیکر تاویل کی اور اسکو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقولہ قرار دیا۔ حالانکہ اسکو اس مقام سے کوئی تعلق نہیں اور لی مع اللہ وقت بود

آندم مرا ایں فقرہ بود آندم مرا۔ اس توجیہ کو نہایت واضح طور پر رد کرتا ہے۔ کاش وہ اسی سرخی کے اندر مولانا کا یہ شعر دیکھ لیتے ؎ جز عماد الملک نامے از خواص + در شفاعت مصطفیٰ وارانہ خاص تو ہر گز ایسی بات نہ کہتے علامہ موصوف کے اسکو سوء ادب کہنے کا منشاء یہ ہے کہ انھوں نے مشبہ کے اجزاء کو مشبہ بہ کے اجزاء سے تشبیہ دینا سمجھا۔ حالانکہ ایسا نہیں بلکہ صرف ایک ہیئت ترکیبیہ کو دوسری ہیئت ترکیبیہ سے تشبیہ دینا مقصود ہے۔ اب کچھ سوء ادب نہ رہا واللہ اعلم) میں سوائے بادشاہ کے رحم کے کسی کا رحم نہیں چاہتا۔ اور میں بجز بادشاہ کی پناہ کے کسی کی پناہ نہیں چاہتا۔ کیونکہ میں بادشاہ سے محبت کرتا ہوں اسلئے اسکے اتمام کو معدوم سمجھتا ہوں۔ پس اس نے مجھپر کیوں رحم کیا اور مجھے کیوں پناہ دی۔ بادشاہ اگر مجھے مار بھی ڈالے گا تو ایسا کرنے سے وہ مجھے گویا کہ بہت سی جانیں عطا کریگا۔ کیونکہ دشمنی بھی تعلق کی ایک شان ہے اسلئے میں کہتا ہوں ؎ قطع کیجے نہ تعلق ہم سے + کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی۔ اور ؎ گو دشمنی سے دیکھتے ہیں دیکھتے تو ہیں + میں شاد ہوں کہ ہوں تو کسی کی نگاہ میں۔ میرا کام تو سر دیدینا اور اپنے کو رضائے شاہ کے تابع کر دینا ہے اور بادشاہ کا کام لطف محض یا لطف بصورت قہر سے جان دینا ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ جو سر بادشاہ کے ہاتھ سے کٹجاوے اسکے لئے یہ کٹجانا موجب فخر ہے اور جو سر دوسروں کے آگے جھکے تاکہ بادشاہ کے قہر سے بچ جاوے اسکے لئے ایسا کرنا موجب ننگ ہے جس رات وہ سر بادشاہ کے قہر سے قبر میں پہونچ جاوے وہ رات ہزاروں عیدوں سے بڑھکر ہے اور انکی ہمسری سے ننگ و عار رکھتی ہے۔ اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو لوگ ذات حق کا مشاہدہ کرتے ہیں انکا قرب من الذات جسکو ہم نے طواف سے تعبیر کیا ہے لاستلزامہ ایاہ۔ لطف و قہر اور کفر و دین رسمی سے بالاتر ہے کیونکہ ان کو ایمان حقیقی حاصل ہے اور وہ بفحوائے ہرچہ از دوست میرسد نیکوست قہر کو بھی لطف ہی سمجھتے ہیں انکی حالت کی کوئی عبارت تعبیر نہیں کر سکتی۔ اسلئے کہ وہ نہایت ہی مخفی ہے اور الفاظ جسم انسانی سے سرزد ہوئے ہیں جو کہ انکی تعبیر سے قاصر ہیں اس سے شاید کسی کو شبہ ہو کہ جسم انسانی سے کیونکر نکلے ہیں انکا منشاء تو خود حق سبحانہ ہیں کیونکہ انھوں نے آدم علیہ السلام کو سکھلائے ہیں اور وہی ان کے واضع ہیں اسلئے ہم کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کو اسماء کی تعلیم ضرور کیگئی لیکن

وہ تعلیم حروف کے لباس میں نہ تھی۔ لیکن ان اسمار نے آب وگل کی ٹوپی اوڑھی اور ناسوتیت کا لباس پہنا۔ تو اب ان اسمار کی جو کہ اب تک روحانی تھے صورت بدل گئی اور ان میں ظلمانیت آگئی اور وہ نورانیت نہ رہی جس سے وہ اشیار کو علی ماہی علیہ واضح کر سکتے تھے۔ کیونکہ اب انھوں نے اس غرض سے حرف وصوت کا نقاب اوڑھ لیا تاکہ مغلوب الناسوتیت اشخاص پر معنی واضح ہو جاویں جو کہ بدون اس صورت کے واضح نہو سکتے تھے۔ پس جبکہ وہ اس نقاب میں چھپ گئے تو ظلمت اور استتار لورانیت ہونا ہی تھا۔ خیر یہ گفتگو تو استطرادی تھی اب سنو کہ اس ندیم نے کہا کہ اگرچہ اس نے مجھے بادشاہ کے غصہ سے نجات دلائی لیکن میں اسکا ممنون نہیں ہو سکتا کیونکہ میری گریزگاہ وجائے پناہ تو بادشاہ ہے میں اپنا اصلی مقصود الفاظ سے ظاہر نہیں کر سکتا کیونکہ گفتگو اگر ایک طرح سے حقیقت کو ظاہر کرتی ہے تو دوسری طرح سے اسکو چھپاتی ہے یعنی اسکے کشف سے ستر اور حجب زائد ہے اسلئے کہ عدم اظہار کی صورت میں تو صرف اتنی ہی بات ہوتی ہے کہ مخاطب کو حقیقت کا علم نہیں ہوتا جو کہ جہل بسیط ہے اور بیان کی صورت میں بوجہ قصور عبارت کے مخاطب کچھ کا کچھ سمجھ جاتا ہے جو کہ جہل مرکب ہے۔ وفیہا استتار زائد علی الجہل البسیط واللہ اعلم

گفتن جبرئیل علیہ السلام خلیل علیہ السلام را کہ ھل لک حاجتہ قال بلیٰ اما الیک فلا

من خلیل وقتم و او جبرئیل	من نخواہم در بلا او را دلیل
او ادب ناموخت از جبریل راد	کہ بپرسید از خلیل حق مراد
کہ مرادت ہست تا یاری کنم	ورنہ بگریزم سبکساری کنم
گفت ابراہیم نے رو از میاں	واسطہ زحمت بود بعد العیاں
بہر ایں دنیاست مرسل رابطہ	مومناں را زانکہ ہست او واسطہ

هر دل ار سامع بدے وحی نہان ۔۔ حرف و صوتے کے بدے اندر جہان

گرچہ او محو حق ست و بے سرست ۔۔ لیک کار من ازان نازکترست

کردۂ او کردۂ شاہست لیک ۔۔ پیش چشم بد نماینده ست نیک

انچہ عین لطف باشد بر عوام ۔۔ قہر شد بر عشق کیشان کرام

بس بلاؤ رنج می باید کشید ۔۔ عامہ را تا فرق را تانند دید

کایں حروف واسطہ ای یار غار ۔۔ پیش واصل خار باشد خار خار

بس بلاؤ رنج بایست و وقوف ۔۔ تا رہد آں روح صافی از حروف

لیک بعضے زیں صدا کرتر شدند ۔۔ باز بعضے صافی و بر تر شدند

ہمچو آب نیل آمد ایں بلا ۔۔ سعد را آبست و خون بر اشقیا

ہر کہ پایاں بین تر او مسعود تر ۔۔ جد تر او کارد کہ افزون دید بر

زانکہ داند کایں جہاں کاشتن ۔۔ ہست بہر محشر و بر داشتن

ہیچ عقدے بہر عین خود نبود ۔۔ بلکہ از بہر خیال رنج و سود

ہیچ نبود منکرے گر بنگرے ۔۔ منکریش بہر عین منکرے

بل برائے قہر خصم اندر حسد ۔۔ یا فزونی جستن و اظہار خود

واں فزونی ہم پئے طمع دگر ۔۔ بے معانی چاشنی ندہد صور

زاں ہمی پرسی چرا ایں میکنی ۔۔ کہ صور زیت است معنی روشنی

ورنہ ایں گفتن چرا از بہر چیست ۔۔ چونکہ صورت بہر عین صورت نیست

این چرا گفتن سوال از فائدہ است	جز برائی این چرا گفتن بدست
از چہ رو فائدہ جوئی اے امین	چون بود فائدہ این خود ہمین
پس نقوش آسمان و اہل زمین	نیست حکمت کان بود بہر ہمین
گر حکیمے نیست این ترتیب چیست	ور حکیمے ہست فعلش چون تہی است
کس نسازد نقش گرمابہ خضاب	جز پئے بہر صواب و ناصواب
ہر چہ بینی در جہاں از آیتے	ہست بہر معنئے و حکمتے

اس ندیم نے اپنی اثنائے گفتگو میں کہا کہ مجھکو بادشاہ سے وہی نسبت تھی جو ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو حق سبحانہ سے اور عماد الملک کو ہم سے وہ نسبت تھی جو جبریل علیہ السلام کو ان دونوں سے لہٰذا اس نسبت کے اقتضا کی بنا پر حضرت ابراہیم کی طرح میں بھی اس مصیبت میں اسکو اپنا رہنما بنانا نہیں چاہتا تھا پس اس نے کیوں دخل دیا اور حضرت جبریل علیہ السلام سے ادب کیوں نہ سیکھا جنھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اسوقت جبکہ انکو نمرود نے آگ میں ڈالا تھا۔ دریافت کیا تھا کہ کیا آپ کی کوئی خواہش ہے تاکہ میں آپ کی اعانت کروں ورنہ تخفیف تصدیع کروں اور رخصت ہو جاؤں اور مجھ سے کیوں نہ پوچھا کہ میں سفارش کروں یا نہیں۔ اور بدوں مجھ سے پوچھے کیوں سفارش کی۔ اگر وہ مجھ سے دریافت کرتا تو میں وہی جواب دیتا۔ جو حضرت خلیل نے دیا تھا چنانچہ انھوں نے فرمایا تھا کہ آپ دخل نہ دیں مجھے آپ کی اعانت کی ضرورت نہیں۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ راز اسکا یہ ہے کہ انکی نظر ذات حق سبحانہ پر تھی اور وہ مشاہدہ حق سبحانہ میں مصروف اور براہ راست حق سبحانہ سے تعلق رکھتے تھے اور قاعدہ ہے کہ ایسی صورت میں واسطہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اس مقام پر استطراداً ہم یہ بھی بتلائے دیتے ہیں کہ پیغمبران علیہم السلام اہل جہان کا حق سبحانہ کے ساتھ اسی لئے تعلق پیدا کرنے والے ہوتے ہیں کہ یہ لوگ محجوب ہوتے ہیں اور وہ محجوبین اور حق سبحانہ کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں (اسپر کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ جب تعلق پیدا ہو گیا تو اب انبیاء کی پیروی کی ضرورت نہو گی۔ کیونکہ درجات

تعلق متفاوت ہیں پس غیر نبی کو وہ تعلق پیدا ہی ہونا ناممکن ہے جسکی بنا پر یہ کہا جاوے کہ اب اسکو نبی کی پیروی کی ضرورت نہیں اس لئے کہ تعلق کا ذریعہ یہ پیروی ہی ہے جسوقت یہ نہ رہیگی تعلق بھی نہ رہیگا۔ پس اب شبہ نہ رہا) اب اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ آخر حجاب ہی کی کیا ضرورت تھی جسکے لئے واسطہ کی ضرورت ہو تو اسکا جواب یہ ہے کہ اگر ہر شخص کو بلا واسطہ حق سبحانہ سے واسطہ ہوتا اور وہ بلا واسطہ کلام الٰہی کو سن سکتا جو کہ حرف وصوت سے منزہ ہے تو پھر حرف و صوت کا وجود ہی دنیا میں کاہے کو ہوتا۔ کیونکہ جسطرح تخلیق انسان سے مقصود اصلی عبادت ہی یوں ہی خلق اصوات وحروف سے مقصود اوامر ونواہی حق سبحانہ پر مطلع ہونا ہے اور دیگر منافع اسکے تابع ہیں۔ پس جبکہ اصل مقصود ہی بدون انکے حاصل ہو جاتا تو انکی ضرورت ہی نہوتی۔ ونظیر هذا الاستلزام ما قال الله عز وجل ولو یؤاخذ الله الناس بظلمهم ما ترك على ظهرها من دابة یہانتک اس استطرادی مضمون کو ختم کر کے پھر مقولہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف عود کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ اگرچہ وہ فانی فی الحق اور بیخود ہیں لیکن میرا معاملہ اس سے زیادہ نازک ہے۔ اسلئے میں باوجود اس اتحاد کے بھی ان سے اعانت نہیں چاہ سکتا۔ اور یہ مسلم ہے کہ انکا فعل گویا کہ خدا ہی کا فعل ہے لیکن تاہم وہ میری نظر میں پسندیدہ نہیں ہے کیونکہ یہ درخواست انکی بحیثیت واسطہ محض ہونے کے نہیں ہے بلکہ اسمیں گونہ استقلال کی شان ہے کیونکہ وہ یہ نہیں کہتے کہ حق سبحانہ نے مجھے حکم دیا ہے اگر ابراہیم چاہیں تو تم انکی اعانت کرو اور میں اسمیں واسطہ محضہ ہوں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اگر تم مجھ سے اعانت چاہو تو اعانت کروں گو وہ اس درخواست اور اعانت میں ماذون من اللہ ہیں مگر ماذون ہونا دوسری شئے ہے اور مامور ہونا اور چیز۔ اول میں وساطتہ وآلیت محضہ ہے اور ثانی میں گونہ استقلال کی شان ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ صاحبو شاید تمہیں شبہ ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حق سبحانہ کی اتنی بڑی نعمت کی قدر نہیں کی لیکن تمہیں واضح ہو کہ عوام اور عشاق میں زمین وآسمان کا تفاوت ہوتا ہے چنانچہ جو چیز عوام کے حق میں سراسر عنایت ہوتی ہے وہ عشاق کے حق میں قہر ہوتی ہے۔ یہ فرق آسانی سے سمجھ میں نہیں آسکتا بلکہ اسکے لئے بہت سے ریاضات ومجاہدات کی اور بہت سی تکلیفیں اٹھانے اور مصائب جھیلنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ فرق سمجھ میں

آسکے اور تم جان سکو کہ واقعی اس واسطہ کا کلام جو کونہ استقلالی شان رکھتا ہو جیسے قصہ ندیم میں عماد الملک اور قصہ حضرت ابراہیمؑ میں حضرت جبرئیل کما اوضحناہ۔ واصل الی المطلوب کے لئے نہایت ہی ناگوار ہوتا ہے۔ اگر ہم اس مضمون کو الفاظ میں بیان بھی کریں تب بھی تم نہیں سمجھ سکتے کیونکہ اس روح صافی (یعنی حقیقت واقعیہ) کے حروف سے پیدا یعنی ظاہر ہونے کیلئے بھی بہت سے مصائب اور تکالیف جھیلنے اور ان پر صبر کرنے کی ضرورت ہے اس سے تم کو بلاؤں اور مصیبتوں کا مفید اور نافع ہونا ظاہر ہو گیا۔ لیکن اسکے ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لینا چاہئے۔ کہ بلائیں ہر ایک کیلئے مفید نہیں ہوتیں بلکہ بعضے تو بوجہ صبر نہ کرنے اور شکوہ و شکایت کے پہلے سے بھی زیادہ بگڑ جاتے ہیں اور بعضے صبر و شکر کی بدولت پہلے سے زیادہ صاف ہو جاتے ہیں اسلئے بلاؤں اور مصائب کی ایسی مثال ہے جیسے آب نیل کہ وہ نیکبختوں کے لئے پانی ہے اور بدبختوں کیلئے خون۔ پس جو شخص جسقدر زیادہ انجام بین ہوگا وہی مصائب میں زیادہ نیکبخت ہوگا کیونکہ قاعدہ ہے کہ جو منافع سے جسقدر زیادہ واقف ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ کام میں کوشش کرتا ہے پس جسقدر کوئی شخص انجام بین ہوگا اتنا ہی وہ بلاؤں پر صبر کرنے کے منافع اور نہ صبر کرنے کے مضرتوں سے زیادہ واقف ہوگا اور اسی قدر وہ صبر اور احتراز عن الجزع والفزع میں زیادہ سرگرم ہوگا لہذا اتنا ہی وہ زیادہ نیکبخت ہوگا۔ نیز وہ اسلئے بھی زیادہ نیکبخت ہوگا کہ دنیا مزرع آخرت ہے اور محل عمل ہے اور محشر منافع حاصل کرنے کا مقام ہے پس وہ دنیاوی مصالح پر منافع اخرویہ کو مقدم سمجھے گا اور یہ ہم نے کیوں کہا کہ دنیا مزرع آخرت ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ کوئی عقد خود مقصود نہیں ہوتا بلکہ بخیال منفعت ہوتا ہے علی ہذا کوئی منکر اسلئے منکر نہیں ہوتا کہ یہ منکری ہی مقصود ہو بلکہ اس سے مقصود اسکو کوئی اور شئے ہوتی ہے۔ کبھی تو بنا بر حسد اپنے مخالف کو مغلوب کرنا ہوتا ہے۔ کبھی اپنا تفوق اور اپنا اظہار مد نظر ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ اور یہ تفوق وغیرہ بھی خود مقصود نہیں ہوتا بلکہ اسمیں اور اغراض مستتر ہوتے ہیں کیونکہ صورتیں اور ظواہر بدون معانی اور مصالح کے لذت بخش نہیں ہوتیں اسلئے مقصودیت صور کیلئے ضرورت ہے کہ ان میں کچھ معانی و مصالح ہوں جو ان سے مقصود ہوں اور چونکہ صورتیں تیل کی طرح غیر مقصود لذاتہا اور مقصود لغیرہا ہیں اور معانی روشنی کی طرح خود مقصود ہیں اسی لئے جب کوئی شخص کام کرتا ہے تو تم کہتے ہو کہ یہ کام کیوں کرتے ہو

اور تمہارا یہ سوال اسکے فائدہ کے دریافت کرنے کیلئے ہوتا ہے کیونکہ بدون اس غرض کے یہ سوال بالکل بیہودہ ہے۔ اب اگر وہ فعل خود مقصود ہو اور اپنا فائدہ وہ ہی ہو تو تم فائدہ کیوں ڈھونڈھتے ہو پس جب یہ معلوم ہوگیا تو اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ یہ حکمت نہیں ہے کہ آسمان و اہل زمین خود مقصود ہوں بلکہ انکی خلقت سے مقصود کچھ اور ہے کیونکہ انکا بنانے والا حکیم ہے۔ کیونکہ اگر وہ حکیم نہو تو یہ عجیب ترتیب اور ہر چیز کا ایک ضابطہ کے تحت داخل ہونا کیسا۔ اور اگر حکیم ہے تو فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ پس اسکا فعل منافع و حکم سے کیسے خالی ہو سکتا ہے دیکھو کوئی شخص نقش حمام کو بھی بدون کسی مقصد کے رنگین نہیں کرتا خواہ وہ مقصد درست ہو یا نادرست تو حق سبحانہ کی یہ تصویریں منافع و مقاصد سے کیسے خالی ہو سکتی ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس عالم میں جو چیز بھی تم دیکھو وہ ایک معنی و حکمت کیلئے ہے۔ اور بیان اجمالی اسکا یہ ہے کہ آسمان وغیرہ سے انسان متمتع ہو اور انسان حق سبحانہ کی اطاعت کرے اور اسکی جزا پائے اور بصورت عصیان سزا پائے۔ اور اس مقصد کی تکمیل کیلئے حق سبحانہ نے اپنی حکمت کے اقتضار سے عالم وجود کو دو حصوں پر منقسم کیا ایک کو ان میں سے دار الامتحان بنایا اور دوسرے کو دار الجزاء۔ اول دنیا ہے۔ دوسرا آخرۃ۔ اس تفصیل سے ظاہر ہوگیا کہ دنیا مزرع آخرت ہے وھو المدعی۔

مطالبت کردن موسیٰ از حضرت عزت کہ لم خلقت خلقا فاهلکتہ وجواب آمدن از حضرت عزت

گفت موسیٰ اے خداوند حساب	نقش کردی باز چوں کردی خراب
نر و مادہ نقش کردی جانفزا	وانگہے ویراں کنی ایں را چرا
گفت حق دانم کہ ایں پرسش ترا	نیست از انکار و غفلت وز ہوا
ورنہ تادیب و عتابت کردمے	بہر ایں پرسش ترا آزردمے
لیک میخواہی کہ در افعال ما	باز جوئی حکمت و سر قضا

تا ازاں واقف کنی مر عام را
پختہ گردانی بدیں ہر خام را

قاصداً سائل شدی در کاشفی
بہر عامہ ارچہ تو زاں واقفی

زانکہ نیم علم آمد ایں سوال
ہر بروں نے را نباشد ایں مجال

ہم سوال از علم خیزد ہم جواب
ہمچنانکہ خار و گل از خاک و آب

ہم ضلال از علم خیزد ہم ہدیٰ
ہمچنانکہ تلخ و شیریں از ندیٰ

ز آشنائی خیزد ایں بغض و ولا
وز غذائے خوش بود سقم و شفا

مستفید اعجمی شد آں کلیم
تا عجمیاں را کند زاں سر علیم

ما ہم از وے اعجمی سازیم خویش
پاسخش آریم چوں بیگانہ پیش

خرفروشاں خصم یکدیگر شدند
تا کلید قفل آں عقد آمدند

پس بفرمودش خدا اے ذو لباب
چوں بپرسیدی بیا بشنو جواب

موسیا تخمے بکار اندر زمیں
تا تو خود ہم وادہی انصاف ایں

چونکہ موسیٰ کشت شد کشتش تمام
خوشہایش یافت خوبی و نظام

داس بگرفت و مر آں را می برید
پس ندا از غیب در گوشش رسید

کہ چرا کشتے کنی و پروری
چوں کمالے یافت آں را می بری

گفت یا رب زاں کنم ویران و پست
کہ درینجا دانہ ہست و کاہ ہست

دانہ لایق نیست در انبار کاہ
کاہ در انبار گندم ہم تباہ

نیست حکمت ایں دو را آمیختن
فرق واجب میکند در بیختن

گفت ایں دانش تو از کہ یافتی ‏ ‏ کہ بدانش بیدری بر ساختی
گفت تمیزم تو دادی اے خدا ‏ ‏ گفت بس تمیز چوں نبود مرا
در خلائق روحہائے پاک ہست ‏ ‏ روحہائے تیرہ و گلناک ہست
ایں صدفہا نیست در یک مرتبہ ‏ ‏ در یکے درست و در دیگر شبہ
واجب ست اظہار ایں نیک و تباہ ‏ ‏ ہمچنانکہ اظہار گندمہا ز کاہ
بہر اظہار ست ایں خلق جہاں ‏ ‏ تا نماند گنج حکمتہا نہاں
کنت کنزا گفت مخفیا شنو ‏ ‏ جوہر خود گم مکن اظہار شو

اب ہم تمھیں ایک قصہ سناتے ہیں جس سے مخلوقات الٰہیہ میں حکمت کا ہونا معلوم ہو۔ وہ قصہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے حق سبحانہ سے عرض کیا کہ اے اللہ تو نے اول ایک مخلوق کو پیدا کیا اور پھر اسے ہلاک کیا اسمیں کیا راز ہے۔ آپنے نہایت نفیس نفیس مرد اور عورتیں بنائے پھر آپ انکو کیوں ہلاک کرتے ہیں حق سبحانہ نے اسکا جواب دیا کہ میں جانتا ہوں کہ تمھارا یہ سوال اعتراض اور جہالت اور ہوائے نفسانی کی بنا پر نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو بجائے جواب کے میں تمہیں سزا دیتا اور تم پر عتاب کرتا اور اس سوال کے جواب میں تمھیں سخت تکلیف پہونچاتا۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ تم ہمارے افعال کی حکمتیں اور ہماری قضا کا راز تفصیلی طور پر اسلئے دریافت کرتے ہو تاکہ تم عوام کو معلوم کراؤ جو کہ ناواقف ہیں۔ اور اپنی جہالت کے سبب ہمارے افعال میں بیہودہ شکوک اور اوہام پیدا کرتے ہیں۔ اور اس ذریعہ سے تم اُن ناقصوں کو کامل کردو۔ اور اگرچہ تم اجمالاً اُن حکمتوں سے واقف ہو۔ اور تم کو یقین ہے کہ ہمارا ہر فعل حکم و مصالح پر مشتمل ہے لیکن تم نے جانکر یہ سوال متعلق بہ کشف سر قضا عوام کی خاطر کیا ہے تمھارے واقف ہونے کی دلیل یہ ہے کہ خود تمھارا یہ سوال نصف علم ہے کیونکہ یہ ناشی ہے حکمتوں کے علم اجمالی سے اور جو بالکل ہی ناواقف ہو وہ ایسا سوال نہیں کر سکتا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ شاید کسی کو شبہ ہو کہ جب علم تھا تو سوال کیسا کیا اسکا جواب یہ ہے کہ سوال علم کے منافی نہیں ہے بلکہ سوال بھی علم ہی سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ طلب

مجہول مطلق محال ہے اور جواب بھی علم ہی سے پیدا ہوتا ہے پس ہر سوال مطلق علم کے منافی نہوا۔ بلکہ وہ سوال علم کے منافی ہے جو کہ اُس علم کی تحصیل کیلئے ہو جو حاصل ہے اور یہاں ایسا نہیں بلکہ علم متعلق ہے اجمالی حکم سے اور سوال ہے تفصیلی حکم کا اور علم ہی سے سوال و جواب دونوں کا پیدا ہونا ایسا ہے جیسا کہ مٹی اور پانی سے خار بھی ہوتے ہیں اور گل بھی حالانکہ دونوں متضاد ہیں اور گمراہی بھی علم ہی سے پیدا ہوتی ہے اور ہدایت بھی مگر فرق اتنا ہے کہ اول کا منشا جہل مرکب ہوتا ہے۔ اور دوسری کا یقین اور ہیں دونوں علم ہی کی قسمیں۔ اور یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے تری ہی سے میوں میں تلخی بھی پیدا ہوتی ہے اور شیرینی بھی۔ نیز شناسائی ہی سے عداوت بھی پیدا ہوتی ہے اور محبت بھی۔ اور عمدہ غذا ہی سے مرض بھی پیدا ہوتا ہے اور شفا بھی ان نظائر سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ایک شئے منشا ر ضدین ہو سکتی ہے پس اب یہ شبہ نہ رہا کہ علم تھا تو سوال کیوں کیا۔ یہانتک اس مضمون کو ختم کر کے پھر مضمون سابق بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق سبحانہ نے فرمایا کہ ہمارے کلیم اسوقت ناواقف بنکر اسلئے حکم و مصالح دریافت کرتے ہیں تاکہ ناواقفوں کو اس راز سے آگاہ کریں اچھا تو ہم بھی اپنے کو انجان بنائے لیتے ہیں اور ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے ہیں جیسا کہ کوئی سائل کو ناواقف سمجھکر اسے جواب دیتا ہے اور سائل کے علم سے ناواقف مجیب کی طرح جواب دیتے ہیں۔ یہ کہکر فرمایا کہ اچھا جب تمنے سوال کیا ہے تو اسکا جواب سنو۔ لیکن قبل اسکے کہ ہم جواب دیں ایک کام کرو وہ یہ کہ کھیتی کرو تاکہ تم اپنے دلمیں خود انصاف کر سکو کہ ہمارا یہ فعل بجا ہے یا بیجا۔ گو تم کو ہمارے جواب سے اسکے بدون بھی اطمینان ہو جائیگا مگر وہ اطمینان جو اس طریق سے ہوگا جو ہم نے تجویز کیا ہے اطمینان اول سے بڑھکر ہوگا۔ غرض کہ موسٰی علیہ السلام نے کھیتی کی اور جب وہ مکمل ہو گئی اور اسکے خوشے اچھے اور درست ہو گئے۔ اسوقت انھوں نے درانتی (ہنسیا) لی اور اسکو کاٹ ڈالا اسپر غیب سے ندا آئی کہ اے موسٰی کیا وجہ ہے کہ تم اول بوتے ہو اور اسکی پرورش کرتے ہو لیکن جب وہ کامل ہو جاتی ہے تو اسے کاٹ ڈالتے ہو۔ انھوں نے عرض کیا کہ میں اسے اسلئے اجاڑتا اور زمین پر گراتا ہوں کہ اسمیں دانہ بھی ہے اور بھوسا بھی اور دانہ کا بھوسے میں رہنا نامناسب ہے علٰی ہذا بھوسہ بھی جب تک دانوں میں ملا ہوا ہے بیکار ہے اسلئے ان دونوں کا یکجا رہنا خلاف حکمت ہے۔ اس لئے بمقتضائے حکمت واجب ہے کہ انکو چھانکر جدا جدا کر دیا جاوے۔ اسپر حق سبحانہ نے دریافت کیا کہ یہ سمجھ تمھیں کس نے دی ہے جسکے ذریعہ

سے تم نے کھلیاں تیار کر لیا ہے انھوں نے کہا کہ یہ تمیز مجھے آپ ہی نے بخشی ہے۔ اسپر ارشاد ہوا کہ پھر یہ تمیز ہمیں کیوں نہ ہوگی اور جبکہ ہمیں تمیز ہے اور ہم نے دیکھا کہ مخلوق میں دو قسم کی روحیں ہیں کچھ پاک ہیں۔ اور کچھ مکدر اور آلودہ گل و منہمک فی الناسوت اور یہ سیپیاں ایک درجہ کی نہیں ہیں بلکہ کسی میں موتی ہے کسی میں پوتھ تو لازم ہوا کہ یہ بھلے برے جو اس دنیا میں مخلوط ہیں انکو جدا جدا کیا جاوے اور بھلوں کی بھلائی کو ظاہر کیا جاوے اور بروں کی برائی کو جسطرح کہ گیہوں کو بھوسے سے جدا کیا جاتا ہے۔ اور اس غرض سے ہم نے انھیں ہلاک کیا۔ تاکہ ہم ایک گروہ کو دوزخ میں بھیجکر انکا نقصان ظاہر کریں اور دوسرے کو جنت میں داخل کرکے اسکا کمال واضح کریں اور جسطرح افنا و اہلاک اظہار کیلئے ہے یوں ہی پیدایش بھی اظہار ہی کیلئے ہے۔ گو دونوں اظہاروں میں یہ فرق ہے کہ صورت اول میں اظہار کمال کاملین اور نقصان ناقصین ہے اور دوسری صورت میں اظہار خود اپنی اسماء و صفات کا ہے اور فرمایا کہ کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق کو سنو جسکے یہ معنی ہیں کہ میں اسماء و صفات کا ایک مخفی خزانہ تھا اسلئے میں نے چاہا کہ میں جانا جاؤں اور ظاہر ہوں اسکے لئے میں نے مخلوق کو پیدا کیا اور اس سے سبق لو اور تمھارے اندر جو کمالات کامنہ ہیں انھیں گم نکرو بلکہ ظاہر کرو۔

بیان آنکہ روح حیوانی و عقل جزوی و وہم و خیال برمثال دوغند و روح و حیے کہ باقی ست دریں

جوہر صدقت خفی شد در دروغ	ہمچو طعم روغن اندر طعم دوغ
آں دروغت ایں تن فانی بود	راستت آں جان ربانی بود

دوغ ہمچوں روغن پنہاں ست

سالہا ایں دوغ تن پیدا و فاش	روغن جاں اندرو فانی و لاش

تا فرستد حق رسول بندۂ — دوغ را در خمره جنبانندۂ
تا بجنباند بهنجار و بفن — تا بدانم من که پنهان بود من
یا کلام بندۂ کان جزو اوست — در رود در گوش آنکو وحی جوست
اذن مومن وحی ما را داعی است — آنچنان گوشے قرین داعی است
آنچنان که گوش طفل از گفت مام — پر شود ناطق شود او در کلام
ور نباشد طفل را گوش رشد — گفت مادر نشنود گنگے شود
دائما هر کر اصلے گنگ بود — ناطق آنکس شد که از مادر شنود
دانکہ گوش کر و گنگ از آفتے است — زانکه در گوشش رشیده علتے است
که پذیرائے دم تعلیم نیست — لاجرم مر نطق را تسلیم نیست
آنکه بے تعلیم بد ناطق خداست — که صفات او ز علتها جداست
یا چو آدم کرده تلقینش خدا — بے حجاب مادر و دایه مرا
یا مسیحے که به تعلیم ودود — در ولادت ناطق آمد در وجود
از برائے دفع تهمت در ولاد — که نه زادست از زنا و از فساد
جنبشے بایست اندر اجتهاد — تا که دوغ آن روغن از دل باز داد
روغن اندر دوغ باشد چون عدم — دوغ در هستی برآورده علم
آنکه هستت می نماید هست پوست — وانکه فانی می نماید اصل اوست
دوغ روغن ناگرفتست و کهن — تا نه بگزینی بنه خرجش مکن

هین بگردانش بدنقش دست ست ۔ تا نماید آنچه پنهان کرده است
زانکه این فانی دلیل باقی است ۔ لابهٔ مستان دلیل ساقی است
روغن اندر دوغ پنهان می شود ۔ هرچه می سازی تو اش آن می شود

یہاں سے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تیرا جوہر صدق دروغ میں یوں مخفی ہے جسطرح کہ دہی میں گھی مخفی ہوتا ہے دروغ سے ہماری مراد تمھارا تن فانی ہے۔ اور صدق سے مراد جان ربّانی یعنی روح جسکو حق سبحانہ نے روحی یا من امر ربی فرمایا ہے یا جو اصالۃً متوجہ الی الحق ہے یہ دوغ تن بدستور ظاہر رہتا ہے اور روغن جان اسمیں بمنزلہ فانی اور لاشے کے مستور رہتی یعنی احکام جسم غالب اور احکام روح مغلوب رہتے ہیں یہانتک کہ حق سبحانہ اپنے رسول کو بھیجتے ہیں جو اسکا مخلص بندہ ہوتا ہے اور جو کہ اس دہی کو بلو سکتا ہے تاکہ وہ اپنی قابلیت اور ہنر سے اسے یہانتک بلوئے یعنی وعظ و تلقین وغیرہ سے روح کو قوت دیکر غالب اور نفس کو مغلوب کرے کہ آدمی جان لے کہ جو کلمۃ تکلم میں کا مصداق ہے (یعنی روح) وہ ہنوز مخفی تھا۔ اور اب ظاہر ہوا۔ ایک تو یہ صورت تھی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی ایسے بندہ کا کلام اسکے وحی جو اور قابل استماع للحق کان میں پہونچے جو اس نبی کے ساتھ اسقدر ارتباط رکھتا ہے جیسا کل سے جز وان دونوں صورتوں سے جسم مغلوب ہوتا ہے اور روح غالب۔ اب تو کہ وہ گوش وحی جو کسکا ہے اس کے متعلق حق سبحانہ فرماتے ہیں وتعیہا اذن واعیہ جسکا حاصل یہ ہے کہ ہماری وحی کو اسی شخص کا کان سنتا ہے اور محفوظ رکھتا ہے جو مقدر الایمان ہے پس ایسا کان جیسا کہ حق سبحانہٗ کے کلام میں مراد ہے داعی الی الحق سے متصل ہوتا اور اسکے کلام کو بسمع قبول سنتا ہے (ھذا ھو المراد کلا تلتفت الی ما قال المحشون من غیر تدبر فی اسلوب الکلام) آدمی کی ایسی مثال ہے جیسے بچہ کے کان میں ماں کی گفتگو پہونچتی ہے تو وہ گویا ہوتا ہے اور اگر بچہ کے کان سالم عن الآفتہ نہیں ہوتے تو وہ ماں کی گفتگو نہیں سنتا اور گونگا ہوتا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہر مادر زاد بہرا گونگا ہوتا ہے اور بولتا وہی ہے جو ماں کا کلام سنتا ہے اور جسکے کان کسی آفت سے کسی آفت کے سبب بہرے ہیں اور وہ گونگا ہے اسلئے کہ اسکے کان کو کوئی ایسا مرض لاحق ہوگیا ہے جسکے سبب وہ کلام

اور تعلیم کو قبول نہیں کر سکتا ایسا شخص لامحالہ قابل گویائی نہوگا (وہذا اوجہ بما قال ولی محمد) پس اگر انسان فطرت سلیمہ رکھتا ہے تو وہ اپنے معلموں (انبیا و اولیا) کی بات سنتا ہے اور اسمیں اس تعلیم کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ اور اگر فطرت سلیمہ نہیں رکھتا تو وہ ناقابل تعلیم ہوتا ہے اور اسمیں اس تعلیم کا کچھ اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ جس طرح بچہ بدون ماں کی تعلیم کے گویا نہیں ہوسکتا یوں ہی آدمی بدون ہادی یعنی رسول یا اسکے نائب کے تعلیم کے حق نہیں معلوم کر سکتا پس ہر شخص کو قبول حق کیلئے ایک ہادی کی ضرورت ہے کیونکہ ہر بچہ کو ناطق ہونے کیلئے تعلیم مادر کی ضرورت ہے اور بدون تعلیم مادر کے جو ناطق ہے وہ یا تو خدا ہے کیونکہ اسکی صفات ذاتی ہیں اور کسی علت کی معلول نہیں ہیں یا آدم علیہ السلام ہیں جنکے معلم بلا توسط مادر و دایہ خود حق سبحانہ ہیں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جو کہ حق سبحانہ کی تعلیم سے پیدا ہوتے ہی بولنے لگے تھے جس سے انکی پیدایش کے متعلق تہمت کا دفع کرنا اور یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ یہ زنا سے پیدا نہیں ہوئے۔ علیٰ ہذا سبکو تعلیم ہادی کی ضرورت ہے اور جو تعلیم سے منزہ ہے وہ حق سبحانہ ہے یا اسکے برگزیدہ انبیا جنکو وہ جو بلا توسط انبیا تعلیم دیتا ہے۔ خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب سنو کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ تمھارا تن دہی ہے اور روح روغن اور یہ روغن اس دہی ہیں مخفی ہے یعنی غلبہ آثار جسم سے آثار روح مغلوب ہوگئے ہیں پس تمکو چاہئے کہ اس روغن کو دہی سے جدا کرنے کی کوشش کرو۔ کیونکہ اس دہی کے روغن چھوڑنے کے لئے اور جسم پر روح کے غلبہ کے واسطے مجاہدات ہیں بہت بڑی سعی کی ضرورت ہے۔ دیکھو تم دہو کھا نہ کھانا اور یہ نہ سمجھنا کہ روح کوئی چیز نہیں فقط جسم ہی جسم ہے اسلئے کہ دہی ہیں گھی معدوم ہی معلوم ہوتا اور وجود دہی کا ظاہر ہوتا ہے لیکن وہ واقع ہیں معدوم نہیں ہوتا بلکہ جو تم کو موجود معلوم ہوتا ہے یعنی دہی وہ پوست ہے اور جو معدوم معلوم ہوتا ہے اصل وہی ہے۔ پس یہی حالت روح اور جسم کی ہے دیکھو ہم تمھیں متنبہ کرتے ہیں کہ اس دہی (جسم) میں روغن (روح) موجود ہے اور اس سے نکالا نہیں گیا۔ پس جب تک تم اسمیں سے روغن نہ نکال لو۔ اسے رکھے رکھو اور خرچ مت کرو۔ یعنی جب تک روح کو غالب نہ کر لو۔ اسوقت تک نہ مرو لیکن نہ مرنا تو اختیار میں نہیں اور موت کا کوئی وقت معین نہیں تو تم حتی الامکان اسکو غالب کرنے کی کوشش کرو۔ اور اس سے غافل نہو۔ بلکہ اسے مجاہدات و ریاضات سے خوب ہوشیاری سے بلو

تاکہ یہ دہی جو جوہر اپنے اندر چھپائے ہوئے ہے اسے ظاہر کردے کیونکہ اسمیں یہ روغن موجود ہے مگر مخفی ہے یہ دوغ فانی جسم اس روغن باقی روح کا پتہ دیتی ہے جسطرح ستون کی التجائیں ساقی کا پتہ دیتی ہیں۔ (اور وجہ دلالت یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ حالت زندگی میں ان اجسام سے وہ آثار صادر ہوتے ہیں جو انسانوں کے علاوہ اور موجودات سے صادر نہیں ہوتے اور یہ آثار مرنے کے بعد صادر نہیں ہوتے حالانکہ جسم موجود ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ جسم کے علاوہ کوئی اور شے ہے جو ان آثار کا منشا ہے اور وہ روح انسانی ہے وھذا اوجہ بما قال بحر العلوم وولی محمد فانہ یدل علی مطلق الروح لا الروح لانسانی) اور اس روح میں استعداد کمال بوجہ اتم موجود ہے جیسے گھی دہی میں مخفی ہوتا ہے۔ اور تم اسکو جو غذا بنانا چاہو بن سکتا ہے۔ (ف روغن اندر دوغ الخ کو بعض محشین نے ملحقات سے لکھا ہے۔ اور میرا ذوق بھی یہی کہتا ہے کہ یہ ملحق ہو واللہ اعلم

مثالِ دیگر ہمدریں معنی

هست بازیہائے آں شیرِ علم — مخبرے از بادہائے مکتتم

گر نبودے جنبش آں بادہا — شیرِ مردہ کے بجستے در ہوا

زاں شناسی بادرا کہ آں صباست — یا دبور ست ایں بیاں آں خفاست

ایں بدن مانند آں شیرِ علم — فکر می جنباند اورا دمبدم

فکر کاں از مشرق آید آں صباست — وانکہ از مغرب دبور باوباست

مشرق ایں بادِ فکرت دیگر است — مغرب ایں بادِ فکرت زاں سراست

خور جماد ست و بود شرقش جماد — جان جان جان بود شرقش فواد

شرقِ خورشیدے کہ شد باطن فروز — قشر و عکس آں بود خورشید روز

زانکہ چوں مردہ بود تن بے لہب — پیش او نے روز بنماید نہ شب

ورنہ باشد آں چو باشد ایں تمام
بے شب و بے روز دار د انتظام

ہمچنانکہ چشم می بیند بخواب
بے مہ و خورشید و ماہ و آفتاب

نوم ما چوں شد اخ الموت اے فلاں
زیں برادر آں برادر را بداں

ور بگویندت کہ ہست آں فرع ایں
مشنو آنرا اے مقلد بے یقیں

می بیند خواب جانت وصف حال
کہ بہ بیداری نہ بینی بیست سال،

در پے تعبیر آں تو عمرہا
میدوی سوئے شہاں بادہا

کہ بگو آں خواب را تعبیر چیست
فرع گفتن اینچنیں سرا سگی است

خواب عام ست ایں خود خواب خواص
باشد اصل اجتبا و اختصاص

پیل باید تا چو خسپد اوستاں
خواب بیند خطۂ ہندوستاں

خر نہ بیند ہیچ ہندستاں بخواب
خر ز ہندستاں نکردست اغتراب

جاں ہمچوں پیل باید نیک زفت
تا بخواب او ہند تاند رفت تفت

ذکر ہندستاں کند پیل از طلب
پس مصور گردد آں ذکرش بہ شب

اذکروا اللہ کار ہر اوباش نیست
ارجعی بر پائے ہر قلاش نیست

لیک تو آیس مشو ہم پیل باش،
ورنہ پیلے در پے تبدیل باش،

کیمیا سازان گردوں را بہ بیں،
بشنو از مینا گران ہر دم طنیں،

نقش بندانند در جو فلک،
کار سازانند بہر لی و لک،

گر نہ بینی خلق مشکیں جیب را
بنگر اے شب کور ایں آسیب را

ہر دم آسیب است بر ادراک تو — نبت نو نو رستہ بیں از خاک تو
زیں بد ابراہیم ادہم دید خواب — بسط ہندستان دل را بے حجاب
لاجرم زنجیرہا را بردرید — مملکت برہم زد و شد ناپدید
آں نشان دید ہندستان بود — کہ جہد از خواب و دیوانہ شود
می فشاند خاک بر تدبیرہا — بر دراند حلقہ و زنجیرہا
ترک گیرد ملک دنیا سربسر — جملگی برہم درد بے درد سر
آنچنانکہ گفت پیغمبر ز نور — کہ نشانش آں بود اندر صدور
کہ تجافی جوید از دار الغرور — ہم انابت آرد از دار السرور
بہر شرح ایں حدیث مصطفےٰ — داستانے بشنو اے یار صفا

اب ہم دلالت جسم بر وجود روح کو تمھیں دوسری مثال سے سمجھاتے ہیں دیکھو شیر علم (جو کہ فقرا کے جھنڈوں پر بنا ہوتا ہے) اسکی حرکات ہوائے غیر محسوس کا پتہ دیتی ہیں۔ کیونکہ اگر ہوا کی حرکت نہوتی تو بیجان شیر ہوا میں کیسے اُچھلتا۔ پس اس سے تم ہوا کا وجود بھی جان لیتے ہو۔ اور یہ بھی جان لیتے ہو کہ وہ ہوا پُروا یا پچھوا۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ یہ بدن بمنزلہ شیر علم کے ہے اور افکار مختصہ بانسان اسے دمبدم حرکت دیتے ہیں پس اسکی حرکت دلیل وجود افکار ہوئی اور افکار دلیل روح انسانی ہوئی۔ کیونکہ مبدأ ان کا روح ہے جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ جو فکر مشرق سے آتا ہے وہ صبا ہے اور جو مغرب سے آتا ہے وہ مہلک دبور ہے جبکہ ہم نے افکار کے لئے مشرق و مغرب ثابت کی تو اب یہ بھی بتلا دینا ضرور ہے کہ اس ہوائے فکر کی مشرق وہ نہیں ہیں جو آفتاب حسی کی ہیں۔ بلکہ انکی مشرق و مغرب عالم غیب سے تعلق رکھتی ہیں (کیونکہ صبا کی مشرق قلب سلیم ہے اور دبور کی مغرب قلب سقیم۔ یا یوں کہو کہ مشرق سعادت ہے اور مغرب شقاوت یا یوں کہو کہ مشرق وحی ہے اور مغرب نفس و جسم۔ وھو ضعیف بل باطل لانہ قال رضی اللہ عنہ "مغرب ایں باد فکرت زاں سرست" مجھے مشرق و مغرب باد فکر کی تعیین میں شرح صدر نہیں ہوا) جبکہ

سلسلۂ گفتگو بیان مشرق و مغرب خیالات تک پہونچا تو اب مولانا روح کی مشرق بیان فرماتے ہیں جو کہ مبدأ خیالات ہے اور فرماتے ہیں کہ آفتاب حسی کی مشرق تو جماد ہے۔ مگر روح جو کہ نہایت ہی عزیز ہے اسکی مشرق قلب ہے۔ کیونکہ اسکا نور قلب میں ظاہر ہوتا ہے اور اس آفتاب باطن افروز یعنی روح کی تو شان نہایت ارفع ہے جو اسکی مشرق ہے یعنی قلب اسکا یہ آفتاب حسی عکس اور پوست ہے (ف) شرق خورشیدے کہ الخ کی ترکیب میں دو احتمال ہیں۔ اول یہ کہ شرق الخ مبتدا ہو اور قشر الخ خبر اور ضمیر آں کا مرجع ہو شرق کی طرف یا شرق خورشیدے کہ الی آخر البیت خبر مبتدا محذوف ہو اور تقدیر یہ فواد شرق خورشیدے است کہ الخ یا بدل ہو۔ شرق یا فواد سے جو کہ بیت سابق میں واقع ہے ان تمام صورتوں میں قشر الخ۔ صفت ثانیہ ہوگی خورشید کی وھذا التوجیہ الصق بالسیاق) مضمون سابق سے تفوق روح بر خورشید حسی مفہوم ہوا۔ سو وجہ اسکی یہ ہے کہ جب یہ جسم بے نور مردہ ہو جاتا ہے تو اسکو نہ رات معلوم ہوتی ہے نہ دن۔ اسلئے اسکے حق میں انکا وجود و عدم برابر ہوتا ہے کیونکہ آفتاب و ماہتاب کا وجود اس حالت میں اسکے لئے کچھ مفید نہیں ہوتا۔ لیکن اگر آفتاب حسی نہ ہو اور خورشید باطن یعنی روح اپنے کمال نور کے ساتھ طالع ہو تو بدون چاند سورج کے اس کے افعال منتظم ہونگے۔ مثلاً خواب میں روح دیکھتی ہے۔ حالانکہ وہاں سورج اور چاند کو کچھ دخل نہیں ہوتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ روح بدون چاند اور سورج کے مفید ہے اور چاند اور سورج بدون روح کے غیر مفید۔ پس تفوق ظاہر ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ مشہور ہے النوم اخ الموت۔ پس نیند کا حال تمھیں معلوم ہے کہ اسمیں روح بدون آفتاب و ماہتاب حسی کے کام کرتی ہے۔ اسی سے تم سمجھ سکتے ہو کہ مرنے کے بعد بھی ان کے بدون کام کرے گی۔ اسکے بعد مولانا ایک اشکال کو دفع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر لوگ تمھیں دھوکا دیں اور کہیں کہ خواب میں اشیاء کو دیکھنا فرع ہے بیداری میں دیکھنے کی یعنی جو صورتیں بیداری میں معلوم ہوتی ہیں وہی خواب میں دکھائی دیتی ہیں۔ پس روح کا بدون آفتاب و ماہتاب کے کام کرنا ثابت نہ ہوا تو تم انکی اس تلبیس کو نہ سننا۔ کیونکہ خواب میں تم ان اشیاء کا بھی مشاہدہ کرتے ہو جنکو بیس برس کوشش کر کے بھی نہیں دیکھ سکتے اور انکی غرابت کی وجہ سے تم اہل علم و کمال کے پاس برسوں دوڑتے ہو اور کہتے ہو کہ حضرت اسکی تعبیر بتلا دیجئے یہ تو نہایت ہی عجیب خواب ہے پس اسکو بیداری کے مشاہدہ کی فرع کہنا محض بکواس ہے۔ یہ تو عوام کے

خواب کی حالت ہے۔ رہا خواص کا خواب اُسکا تو کہنا ہی کیا ہے وہ تو سراسر برگزیدگی اور اختصاص
و تقرب حق ہوتا ہے۔ اور اسمیں اسکو وہ مخزونات اسرار معلوم ہوتے ہیں جنکا بیان نہیں ہو سکتا
چونکہ اوپر خواص کے خواب کا ذکر آیا تھا اسلئے فرماتے ہیں کہ خوابہائے عالیہ دیکھنا اور عالم غیب و
اسرار غیب کا مشاہدہ کرنا ہر شخص کا کام نہیں۔ بلکہ اسکے لئے پیل خصلت شخص ہونیکی ضرورت ہے
اور ہاتھی ہونا چاہیئے تاکہ جب وہ چیت سوئے تو اُسے خواب میں ہندوستان دکھلائی دے کیونکہ
گدہا خواب میں ہندوستان نہیں دیکھتا اور وجہ اسکی یہ ہے کہ وہ ہندوستان سے غائب ہی نہیں ہوتا
جو اُسے ہندوستان یاد آئے۔ اور اُسے اُسکا شوق ہو۔ اور اسکی صورت اسکے ذہن میں اس طرح مرتسم
ہو کہ سوتے میں وہ اسے دکھائی دے یعنی عالم غیب کے مشاہدہ کیلئے ضرورت ہے اسکی کہ ہاتھی خصلت
روح ہو۔ جو بیداری میں اپنے وطن اصلی یعنی عالم غیب کا دہیان رکھتی ہو۔ تاکہ خواب میں اسپر عالم غیب
منکشف ہو اور وہ اسکے اسرار کا مشاہدہ کرے۔ ورنہ جو روح خر خصلت ہو اور عالم غیب کو یاد ہی نہیں
کرتی وہ اسکا مشاہدہ نہیں کر سکتی۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ گو روح کا پیل خصلت بنجانا کوئی آسان
کام نہیں کیونکہ ذکر الٰہی اور رجوع الی الحق جس سے روح پیل خصلت بن سکتی ہے ہر آوارہ اور شہدہ کا
کام نہیں ہے۔ لیکن تم نا امید نہو اور ہاتھی بنو۔ اور اگر خود ہاتھی نہو سکو نہ سہی تم اپنے کو بدلنے کی کوشش کرتے
رہو جو لوگ قلب ماہیت روح ہیں جسکو کیمیائے سعادت کہنا چاہیئے مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ تم انکو
دیکھو اور ان صناعوں کی آواز سنو۔ کیونکہ یہ نقاش جوف آسمان میں موجود ہیں اور تمہارے
کارساز ہیں۔ یہ لوگ تمہاری قلب ماہیت کر کے تمکو ہاتھی یعنی پیل خصلت شخص بنا دینگے۔ لیکن اگر
تم ان مشکین جیب مخلوق (اہل اللہ) کو نہیں دیکھ سکتے تو ان کے اس تصرف کو دیکھو کہ انکی صحبت
میں تمہارے ادراک پر ہر دم ایک نیا اثر ہوتا ہے اور تمہارے خیالات میں انقلاب عظیم واقع ہوتا
ہے کہ تمہارے اندر نئے نئے دینی خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ اذا رؤا ذکر اللّٰہ انکی شان ہو چکی
پس تم اس ذریعہ سے انکو پہچانو۔ خیر تو اوپر تم کو معلوم ہوا ہے کہ روح کو ہاتھی بنانے والا ذکر اللہ ہے
اب سمجھو کہ اسی ذکر اللہ کے سبب ابراہیم بن ادہم ہاتھی بنے اور خواب میں انھوں نے فراخی دل سے
ہندوستان یعنی عالم غیب کی فراخی و وسعت کو بے حجاب دیکھا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ زنجیروں کو توڑ
ڈالا اور سلطنت کو تلپٹ کر کے غائب ہو گئے اس سے تم سمجھو کہ ہندوستان یعنی عالم غیب کے دیکھنے کا

اثر یہ ہوتا ہے کہ خواب غفلت سے بیدار ہو کر دیوانہ ہو جاتا ہے اور تدابیر محصنہ پر خاک ڈالکر توکل و تفویض جائز اختیار کرتا ہے اور سلاسل تعلقات دنیویہ کو توڑ پھوڑ کر رکھدیتا ہے اور اگر تمام دنیا کا بادشاہ بھی ہوتا ہے تو اسے بھی لات مارتا ہے۔ اور بے زحمت سب کو تلپٹ کر دیتا ہے اسکی حالت ویسی ہی ہوتی ہے جیسی کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نور کی حالت بیان فرمائی ہے کہ اسکی نشانی سینوں کے اندر یہ ہوتی ہے کہ دنیا سے بعد چاہتا ہے اور عالم بقا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اچھا اس حدیث کی تشریح کے لئے ایک قصہ سنو۔

حکایت آں پادشاہزادہ کہ پادشاہے حقیقی بوئے روئے نمود ویوم یفر المرء من اخیہ نقد وقت او شدہ پادشاہی ایں خاک تودہ کہ کودک طبعان قلعہ گیری نام کنند آں کودکے کہ چیرہ آید بر سر خاک تودہ برآید و لاف زند کہ قلعہ مراست کودکان دیگر بروے رشک برند کہ التراب ربیع الصبیان آں پادشاہزادہ چوں از قید رنگہا گفت من ایں خاکہائے رنگیں را ہماں تودۂ خاک دون میگویم و زر و اطلس و اکسون نمیگویم ازیں اکسون رہزن جستیم و بیک ہو جستیم و اٰتیناہ الحکم

صبیا و ارشاد حق را مرو رسالہا حاجت نیست در قدرت
کن فیکون کس سخن از قابلیت نگوید

پادشاہے داشت یک زیبا پسر
ظاہر و باطن مزین از ہنر

خواب دید او کان پسر ناگہ بمرد
صافی عالم بر آن شہ گشت درد

خشک شد از تاب آتش مشک او
کہ نماند از تف آتش اشک او

آنچناں پر شد ز دود و درد شاہ
کہ نمی یابید در وے راہ آہ

خواست مردن قالبش بیکار شد
عمر ماندہ بود شہ بیدار شد

شادیٔ آمد ز بیدارش پیش
کو ندید بود اندر عمر خویش

کہ ز شادی خواست ہم فانی شدن
پس مطوق آمد اینجاں با بدن

از دم غم می بمیرد این چراغ
وز دم شادی بمیرد این ز لاغ

درمیاں این دو مرگ او زندہ است
این مطوق شکل جائے خندہ است

شاہ با خود گفت شادی را سبب
آنچناں غم بود از تسبیب رب

این عجب یک چیز از یک روئے مرگ
وان زیک روئے دگر احیا و برگ

آن یکے نسبت بدان حالت ہلاک
باز ہم از سوئے دیگر انتساک

شادی تن سوئے دنیا وے کمال
سوئے روز عاقبت نقص و زوال

خندہ را در خواب ہم تعبیر خواں
گریہ گوید با دریغ و اندہاں

گریہ را در خواب شادی و فرح — ہست در تعبیر اے صاحب مرح

شاہ اندیشید کایں غم در گذشت — لیک جان از جنس این بد ظن گشت

ور رسد خارے چنیں اندر قدم — گر رود گل یادگارے بایدم

چشم زخمی زیں مبادا کہ شود — یادگارے بایدم گر او رود

چوں فنا راشد سببہا منتہا — پس کدامیں راہ را بندیم ما

صد دریچہ و در سوئے مرگ لدیغ — میکند اندر کشادن ژیغ ژیغ

ژیغ ژیغ تلخ آں درہائے مرگ — نشنود گوش حریص از حرص برگ

از سوئے تن دردہا بانگ درست — وز سوئے خصمان جفا بانگ درست

ہیں برو برخوان کتاب طب را — تا شمار ریگ بینی رنجہا

اے پسر برخواں ورقے فہرست طب — نار علتہا نظر کن ملتہب

زاں ہمہ بر تن دریں خانہ رہ است — ہر دو گامی پر ز کژدمہا چہ است

باد تندست و چراغم ابترے — زو بگیرانم چراغے دیگرے

تا بود کز ہر دو یک وافی شود — گر بباد آں یک چراغ از جا رود

ہمچو عارف از تن ناقص چراغ — شمع دل افروخت از بہر فراغ

تا کہ روزے کایں بمیرد ناگہاں — پیش چشم خود نہد او شمع جاں

او نکرد ایں فہم پس داد از غرر — شمع فانی را بفانی دگر

چارہ اندیشید لیکن چارہ نے — گفت با خود نیست بیروں رفتنے

ایک بادشاہ کے ایک نہایت حسین لڑکا تھا جسکا ظاہر و باطن کمال سے لبریز تھا۔ ایک روز اُس بادشاہ نے خواب دیکھا کہ شہزادہ دفعتہً مرگیا۔ یہ دیکھکر یہ صاف عالم اسکی نظر میں مُکدّر ہوگیا۔ اور آتشِ غم کی گرمی سے اسکی آنکھیں خشک ہوگئیں۔ یعنی اس گرمی کے سبب اسکی آنکھوں میں سے آنسو خشک ہوگئے اور یہ حالت ہوگئی کہ وہ رونا چاہتا تھا مگر آنسو نہ نکلتے تھے اور دودِ غم سے وہ بادشاہ یوں پُر ہوگیا کہ آہ کے نکلنے کو رستہ نہ رہا اسکا جسم معطّل ہوگیا اور وہ مرنے کو ہوگیا۔ لیکن ابھی عمر باقی تھی اسلئے آنکھ کھلگئی جب وہ بیدار ہوا اور اپنے بچہ کو صحیح و سالم دیکھا تو اُسے اتنی خوشی ہوئی کہ عمر بھر میں کبھی نہ ہوئی تھی یعنی مارے خوشی کے مرنے کو ہوگیا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ یہ جسم تو روح کیلئے طوق یعنی وبالِ جان ہوگیا۔ کہ اُس بیچاری کو کسی حالت میں بھی چین نہیں کیونکہ یہ چراغ خوشی کی پھونک سے بھی گُل ہو جاتا ہے اور رنج کی پھونک سے بھی یہ عجیب دل لگی ہے اور دونوں میں گھر کر زندہ ہے اس گھیرے دار شکل پر اور بھی ہنسی آتی ہے خیر یہ تو ہوچکا اب سنو کہ بادشاہ نے اپنے دل میں کہا کہ حق سبحانہ کی بھی عجیب قدرت ہے کہ اُسنے غم کو جو موت کے سبب خواب میں ہوا تھا اُس خوشی کا سبب بنادیا جو بیداری کے بعد ہوئی اور وہ اس کا سبب ہوگیا۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک ہی شئی ایک جہت سے موجبِ فنا ہے اور دوسری جہت سے موجبِ زندگی کیونکہ وہ غمِ خواب حالاً موجبِ موت تھا اور مآلاً سببِ حیات ہوگیا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ یہی حالت فرحتِ نفسانی کی ہے کہ دنیاوی لحاظ سے موجبِ کمال ہے اور آخرت کے اعتبار سے موجبِ نقصان و زوال۔ اور یہ کچھ بعید نہیں کہ دنیا خواب ہے۔ اور خواب کی ہنسی کی تعبیر معبّرین نہایت رنج اور افسوس کیساتھ رونا دیتے ہیں اور اسکے برعکس غمِ نفسانی کی یہ حالت ہے کہ وہ دنیاوی لحاظ سے نقصان ہوتا ہے اور اُخروی اعتبار سے کمال۔ چنانچہ معبّرین گریۂ خواب کی تعبیر خوشی دیتے ہیں۔ خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب سنو کہ بادشاہ نے سوچا کہ یہ واقعہ تو ہوچکا لیکن اس واقعہ سے میرا دل بدظن ہوگیا۔ اور خیال ہوتا ہے کہ اگر ایسا کانٹا کبھی پاؤں میں چُبھ جائے اور میرا پھول ضائع ہو جاوے تو کیا بعید ہے اسلئے مجھے کوئی یادگار ضرور چاہئے۔ خدا نہ کرے کہ میری آنکھ اس خار سے زخمی ہو مگر یادگار کوئی حاصل ضرور کرلینی چاہئے۔ کیونکہ موت کے اسباب تو بیحد ہیں پھر ہم کس کس رستہ کو بند کرینگے اب مولانا فرماتے ہیں کہ ڈنک مارنے والی موت کے سیکڑوں دروازے اور کھڑکیاں ہیں جو کہ کھولنے میں چوں چوں بولتی ہیں لیکن جو لوگ حریص سازو سامانِ دنیا ہیں وہ اپنے حرص کی وجہ سے اس چوں چوں کو سُن نہیں سکتے۔ تم جانتے ہو کہ وہ چوں چوں کیا ہے۔ جہتِ جسم سے تو تکالیفِ جسمانیہ وہ چوں چوں ہیں۔ اور

دشمنوں کی جانب سے ظلم چوں چوں ہے۔ اب اگر تمہیں جسمانی چوں چوں کی مقدار دیکھنی ہو تو جاکر کتب طبیہ کو پڑھو۔ اس سے تم کو اتنی بیماریاں معلوم ہونگی جتنے ریت کے ذرے (مراد محض کثرت ہے) دیکھو تم کتب طبیہ میں بیماریوں کی فہرست پڑھو اور دیکھو کتنی بیماریوں کی آگ مشتعل ہے اور یاد رکھو کہ ان تمام امراض سے موت کیلئے آدمی تک پہونچنے کا خانۂ تن میں رستہ ہے اور ہر دو قدم پر پچھوؤں سے لبالب کنواں ہے۔ یہاں تک اس مضمون کو ختم کر کے پھر مقولہ شاہ کی طرف عود کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بادشاہ نے کہا کہ آندھی تیز ہے یعنی حوادث بکثرت ہیں اور میرا چراغ (بیٹا) ہنوز مُنقطعُ النّسل ہے اسلئے چاہئے کہ میں اس سے ایک اور چراغ روشن کر لوں۔ تاکہ اگر صرصر حوادث سے یہ چراغ گُل ہو جاوے تو دونوں چراغوں میں سے ایک چراغ کافی ہو۔ اس بادشاہ کی یہ تدبیر ایسی ہی تھی جیسے عارف کی کہ اپنے تن ناقص اور فانی چراغ سے اپنی طمانیت اور دلجمعی کیلئے شمع دل روشن کر لیتا ہے تاکہ اگر یہ اچانک مر جاوے تو وہ شمع جان اپنے سامنے رکھ لے۔ لیکن اُس نے یہ نکتہ نہیں سمجھا اور ایک فانی کو دوسرے فانی کے معاوضہ میں بیچ ڈالا اور بیٹے کے بدلہ میں پوتے کے رکھنے کی تدبیر جو کہ خود بھی فانی ہے اسلئے اُس نے تدبیر تو سوچی لیکن جو تدبیر اسنے سوچی وہ تدبیر نہ تھی اور ہوتی کیونکر اسلئے کہ وہ خودی میں مبتلا تھا اور جو خودی میں مبتلا ہو اسکا یہاں پیچ سے نکلنے کا ذریعہ نہیں ہو سکتا۔

زن خواستن جہت فرزند بامید آنکہ لنسل بماند

پس عروسی خواست باید بہر او ‫ — ‫ تا بماند زیں تزوج نسل زو

گر رود سوئے فنا ایں باز باز ‫ — ‫ فرخ او گردد ز بعد باز باز

صورت ایں باز گر زینجا رود ‫ — ‫ معنی او در ولد باقی بود

بہر ایں فرمود آں شاہ نبیہ ‫ — ‫ مصطفٰے کہ الولد سر لابیہ

بہر ایں معنی ہمہ خلق از شغف ‫ — ‫ می بیاموزند طفلاں را حرف

تا بماند آں معانی در جہاں ‫ — ‫ چوں شود آں قالب ایشاں نہاں

حق بحکمت حرص شاں داد ست جِد ‫ — ‫ بہر رشد ہر صغیر مستعد

من ہم از بہر دوام نسل خویش | جفت خواہم پور خود را خوب کیش
دخترے خواہم ز نسل صالحے | نے ز نسل پادشاہے طالحے
شاہ خود آں صالح ست آزادہ اوست | نے اسیر حرص و فرج ست و گلوست
مر اسیراں را لقب کردند شاہ | عکس چوں کافور نام آں سیاہ
شد مفازہ بادیہ خونخوارہ نام | نیک بخت آں پیس را گویند عام
بر اسیر شہوت و حرص و امل | بر نوشتہ میر یا صدر اجل
آں اسیراں اجل را عام داد | نام امیراں اجل اندر بلاد
صدر خوانندش کہ در صف نعال | جان او بستہ است یعنی جاہ و مال

خیر تو بادشاہ نے یہ تجویز کی کہ اسکے لئے کوئی دُلھن تلاش کرنی چاہئے تاکہ اس شادی سے اُسکی نسل باقی رہے اور اگر یہ باز (شہزادہ) مر بھی جائے تو اس کا بچہ اسکی جگہ باز ہو اور اگر اس باز کی صورت دنیا سے اُٹھ جائے تو بچہ کے ضمن میں اسکے معنے باقی رہیں۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ اسی لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ الولد سر لابیہ اور اسی لئے لوگ فرط شوق سے بچوں کو پیشہ سکھاتے ہیں تاکہ جب انکی صورت کتم عدم میں مخفی ہو جاوے تو وہ کمال ان کا دنیا میں باقی رہے۔ اور یہ حرص حق سبحانہ نے انکو اپنی حکمت سے اُسلئے دی ہے کہ قابلیت رکھنے والے بچے ٹھیک ہو جاویں۔ کیونکہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو لوگ تعلیم میں نہایت بخل کرتے۔ اور ہرگز اسے گوارا نہ کرتے کہ مشقت اُٹھا کر اس کمال میں اپنا شریک تیار کریں۔ خیر تو یہ سوچکر بادشاہ نے کہا کہ میں بھی اپنی نسل کے بقا کے لئے کوئی نیک سیرت بیوی تلاش کروں گا۔ اور لڑکی کسی بزرگ کی اولاد سے لونگا نہ کہ کسی بدکار بادشاہ کی نسل سے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ بادشاہ اور آزاد تو بزرگ ہے نہ کہ وہ جو خواہشات نفسانیہ مثل شہوت اور اکل و شرب کا پابند ہو لوگوں نے برعکس نہند نام زنگی کافور قیدیوں کا نام بادشاہ رکھ لیا ہے جیسا کہ خونخوار جنگل کا نام مفازہ یعنی مقام کامیابی و حصول مراد ہو گیا ہے۔ یا بدبخت دینار کا نام خوش نصیب اور صاحب اقبال

رکھ لیا گیا ہے۔ اسی طرح شہوت و حرص اہل کے پابند کو امیر یا صدر اعظم لکھتے ہیں۔ اور ان موت کے قیدیوں کو عوام نے امیران اعظم لقب دیا ہے اور اسے صدر انجمن کہتے ہیں جبکی جان جوتیوں کی صف یعنی جاہ و مال میں محبوس ہے

اختیار کردن پادشاہ دختر زاہد را از جہت پسر و اعتراض کردن اہل بیت و ننگ داشتن از پیوند درویشاں

این سخن را نیست پایاں خواست جفت
بہر پور خویشتن شہ از نہفت

شاہ چوں با زاہدے خویشی گزید
این خبر در گوش خاتوناں رسید

مادر شہزادہ گفت از نقص عقل
شرط کفویت بود در عقل و نقل

تو ز شح و بخل خواہی وز دہا
تا بہ بندی پور ما را بر گدا

گفت صالح را گدا گفتن خطا است
کو غنی القلب از داد خدا است

در قناعت می گریزد از تقا
نز لئیمی و کسل ہمچوں گدا

قلتے کاں از قناعت وز تقاست
آں ز فقر و علت دوناں جداست

حبۂ آں گر بیابد سر نہد
ویں ز گنج زر بہمت می جہد

شہ کہ او از حرص قصد ہر حرام
می کند او را گدا گوید ہمام

گفت کو شہر و قلاع او را جہیز
یا نثار گوہر و دینار ریز

گفت رو ہر کو غم دین برگزید
باقی غمہا خدا از وے برید

غالب آمد شاہ و بستد دخترے
از نژاد صالحے خوش جوہرے

در ملاحت خود نظیر خود نداشت
چہرہ اش تاباں تر از خورشید چاشت

حسن دختر ایں خفائش آنچناں | کز نکوئی می نہ گنجد درمیاں
صید دیں کن تا رسد اندر تبع | حسن و مال و جاہ وبخت منتفع
آخرت قطار اشتر داں عمو | در تبع دنیاش ہمچوں پشک و مو
پشم بگزینی شتر نبود ترا | ور بود اشتر چہ قیمت پشم را

خیر یہ گفتگو تو ختم نہ ہوگی اب تم قصہ سنو بادشاہ نے شہزادہ کا خفیہ ہی خفیہ ایک بزرگ کے یہاں رشتہ کردیا چونکہ بادشاہ نے ایک فقیر رشتہ داری قائم کرلی تو یہ خبر شدہ شدہ بیگموں کے کانوں میں پہونچی شہزادہ کی ماں نے نقصان عقل کے سبب بادشاہ سے کہا کہ کفویت عقلاً بھی شرط ہے اور نقلاً بھی لیکن تم اپنی کنجوسی اور بخل اور سیانے پن سے چاہتے ہو کہ میرے بچہ کو ایک گدا کے سر منڈھ دو۔ اسپر بادشاہ نے کہا کہ ایسا نہ کہو ایک بزرگ شخص کو گدا کہنا غلطی کی بات ہے کیونکہ وہ تو بخشش حق سبحانہ کی وجہ سے غنی القلب ہوتا ہے اور وہ پرہیز گاری کے سبب قناعت اختیار کرتا ہے نہ کہ گداؤں کی طرح قناعت و دنائت طمع اور کاہلی سے اور جو مال کی کمی قناعت اور تقوے کے سبب ہے وہ کمینوں کے فقر اور قناعت سے جُدا گانہ ہے کیونکہ ایک منشا تقوی ہے اور دوسرے کا کسل اور دنائت۔ اسی لئے گدا کو اگر ایک حبہ بھی ملجاتا ہے تو وہ دینے والیکو سجدہ کرتا ہے اور صالح اپنی عالی ہمتی سے خزانہ پر لات مار کر الگ ہو جاتا ہے۔ اور بادشاہ جو کہ حرص کے سبب کسی حرام مال کو نہیں چھوڑتا عالی حوصلہ اشخاص اسکو بھی گدا ہی کہتے ہیں اسپر بیوی نے کہا کہ اسکے پاس کون سے شہر اور قلعے ہیں جو وہ لڑکی کو جہیز میں دیگا اور کون سے موتی اور اشرفیاں ہیں جنکو شادی کے وقت نچھاور کریگا اور بکھیرے گا۔ اسپر بادشاہ نے کہا جاؤ بھی جسنے غم دین اختیار کرلیا حق سبحانہ اُس سے تمام افکار کو چھڑا دیتے ہیں اور چونکہ مجھے دین کی فکر ہے اس لئے مجھے نہ دولت کی جستجو ہے نہ جاہ کی۔ الغرض بادشاہ غالب رہا اور اس نے اس بزرگ اور شریف آدمی کی لڑکی لیلی یہ لڑکی نمکینی میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی اور اس کا چہرہ حُسن کے سبب شمس الضحی سے زیادہ روشن تھا۔ غرض کہ اس لڑکی کے حُسن کی تو یہ حالت تھی اور خصائل حمیدہ ایسے تھے کہ انکی خوبی بیان سے باہر ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ دین حاصل کرنا چاہئے تاکہ حُسن اور مال اور جاہ اور خوش اقبالی جس سے نفع اُٹھاؤ اسکے تابع ہو کر حاصل ہو جاویں اور آخرت کو ایسا سمجھو جیسے اونٹوں کی قطار۔ اور دنیا اسکے

تو پیچھے ایسی ہے جیسے مینگنیاں اور بال۔ پس اگر تم اُن کو لیلو تو اونٹ تمہیں نہ ملیں گے۔ اور اگر اونٹ لے لو تو پھر اُن کی کچھ بھی وقعت نہیں۔

جادوئے کردن کمپیرک و فریفتہ شدن شہزادہ

چوں برآمد ایں نکاح آں شاہ را | با نژاد صالحان و اولیا
از قضا کمپیرک جادو کہ بود | عاشق شہزادہ با حسن وجود
جادوئے کردش عجوز کابلے | کہ برو زاں رشک سحر بابلے
شبہ بچہ شد عاشق کمپیر زشت | تا عروس و آں عروسی را بہشت
یک سیہ دیوے و کابولی زنے | گشت بر شہزادہ ناگہ رہزنے
زاں سیہ روئے خبیث نابکار | گشت آں شہزادہ مدہوش و نزار
آں نود سالہ عجوز گندہ پیر | نے خرد ہشت آں ملک را نے ضمیر
تا بسالے بود شہزادہ اسیر | بوسہ جایش نعل کفش گندہ پیر
صحبت کمپیر او را می ربود | تا ز کاہش نیم جانے ماندہ بود
دیگراں از ضعف وے با دردسر | او ز سکر سحر از خود بیخبر
ایں جہاں بر شاہ چوں زنداں شدہ | ویں پسر بر گریہ شاں خنداں شدہ
شاہ بس بیچارہ شد در بردومات | روز و شب میکرد قربان و زکوۃ
زانکہ ہر چارہ کہ می کرد آں پدر | عشق کمپیرک ہمی شد بیشتر
پس یقیں گشتش کہ مطلق آں سریست | چارہ او را بعد ازیں لابہ گریست

سجدہ می کرد او کہ ہم فرماں تراست	غیر حق بر ملک حق فرماں کراست
لیکن این مسکیں ہمی سوزد چو عود	دست گیرش اے رحیم و اے ودود

جب شہزادہ کا عقد دختر صلحا و اولیا کے ساتھ ہوگیا تو اتفاق یہ ہوا کہ ایک بڑھیا جادوگرنی جو اس حسین شہزادہ پر عاشق تھی اس نے اسپر ایسا سخت جادو کیا کہ سحر بابل بھی جسپر رشک کرے۔ اسکے ایسا کرنے سے شہزادہ اس بدصورت بڑھیا پر عاشق ہوگیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس نے دُلھن اور شادی سبکو بالائے طاق رکھدیا غضب ہے کہ ایک کالی دیونی اور کابلی عورت نے شہزادہ کا راہ مار دیا۔ اور اس سیہ رو خبیث اور نابکار کے سبب شہزادہ مدہوش اور نزار ہوگیا۔ اور اس نوّے برس کی بڑھیا نے شہزادہ کی عقل چھوڑی نہ دل بلکہ دونوں اُڑا لیگئی۔ القصہ شہزادہ ایک سال تک اسکے پھندے میں پھنسا رہا۔ اور حالت یہ تھی کہ اسکی جوتیاں چومتا تھا اور اس بڑھیا کی صحبت اسے فنا کر رہی تھی۔ یہانتک کہ گھٹتے گھٹتے نیم جان ہوگیا تھا۔ دوسری لوگوں کو تو اسکے ضعف سے تکلیف تھی مگر اسکو جادو کے نشہ سے اپنی بھی خبر نہ تھی۔ یہ حالت دیکھکر بادشاہ پر دنیا جیلخانہ ہوگئی تھی اور شہزادہ کو اسکے رونے پر ہنسی آتی تھی۔ بادشاہ اس بر دوامات میں بہت رنج ہوگیا تھا۔ اور رات دن شہزادہ کی خلاصی کے لئے قربانیاں کیا کرتا تھا۔ اور صدقے دیا کرتا تھا اور وجہ یہ تھی کہ وہ جو تدبیر عشق کے دور کرنے کی کرتا تھا اس سے شہزادہ کا عشق اُس بڑھیا پر اور بڑھتا تھا بالآخر اسے یقین ہوگیا کہ یہ محض خدا کی طرف سے ہے اور اس کا علاج بجز اسکے کچھ نہیں کہ حق سبحانہ کی درگاہ میں دعا کیجاوے جب وہ یہ سمجھ گیا تو وہ سجدہ میں پڑکر کہتا تھا کہ آپ حاکم ہیں اور آپکے سوا آپکے ملک میں کس کا حکم چل سکتا ہے لیکن یہ خاکسار عود کی طرح جلتا ہے۔ پس اے رحیم اور اے ودود آپ اس بیچارہ کی دستگیری کیجئے

مستجاب شدن دعائے بادشاہ در خلاص پسر از جادوئے

تا ز یارب یارب و افغان شاہ	ساحر استاد پیش آمد ز راہ
او شنیدہ بود از دور این خبر	کہ اسیر پیرہ زن گشت آں پسر
کان عجوزہ بود اندر جادوئی	بے نظیر و ایمن از مثل و دوئی

دست بر بالائے دست اے فتے | درفن و در زور تا ذات خدا
منتہائے دستہا دست خداست | بحر بیشک منتہائے جو یہاست
ہم ازو گیرند مایہ ابرہا | ہم بدو باشد نہایت سیل را
گفت شاہش کایں پسر از دست رفت | گفت اینک آمدم درمانِ زفت
نیست ہمتا زال را زیں ساحراں | جز من واہی رسیدہ زاں کراں
چوں کف موسی بامر کردگار | نک برآرم من ز سحر او دمار
کہ مرا ایں علم آمد زاں طرف | نے ز شاگردے سحر مستخف
آمدم تا بر کشایم سحر او | تا نماند شاہزادہ زرد رو
سوئے گورستاں برو وقت سحر | پہلوئے دیوار ہست اسپید گور
سوئے قبلہ باز کاوآں جائے را | تا بہ بینی قدرت و صنع خدا
بس درازست ایں حکایت تو ملول | زبدہ را گویم رہا کردم فضول
سوئے گورستاں برفت آں شاہ زود | گور را آں شاہ آمد برکشود
جادوئیہا دید پنہاں اندرو | صد گرہ بر بستہ بد یکتا رمو
واں گرہ ہائے گراں را بر کشاد | پس ز زحمت پور شہ را راہ داد
آں پسر با خویشتن آمد شد دواں | سوئے تخت شاہ با صد امتحاں
سجدہ کرد و بر زمیں می زد ذقن | در بغل کردہ پسر تیغ و کفن
شاہ آئیں بست و اہل شہر شاد | واں عروس ناامید و بے مراد

عالم از سر زندہ گشت و با فروز | اے عجب آں روز روزِ امروز روز
یک عروسے گرد شاہ اوراچناں | کہ جلاب و قند بد پیش سگاں
جادوئے کمپیر از غصہ بمرد | روئے و خوئے زشت با مالک سپرد
شاہ آئیں بست و آمد در نیاز | راز گفتے با خدائے کارساز
شاہزادہ در تعجب ماندہ بود | کز من او عقل و نظر چوں در ربود
نوعروسے دید ہمچوں ماہِ حسن | کہ ہمی زد بر ملیحاں راہِ حسن
گشت بیہوش و برو اندر فتاد | تا سہ روز از صدر او گم شد فواد
سہ شبانروز او ز خود بیہوش گشت | تا کہ خلق از غشی او پر جوش گشت
از گلاب و از علاج آمد بخود | اندک اندک فہم گشتش نیک و بد
بعد سالے شاہ گفتش در سخن | کاے پسر یاد آر ازاں یارِ کہن
یاد آور زاں ضجیع و زاں فراش | تا بدیں حد بیوفا و مر مباش
گفت رو من یافتم دار السرور | وارہیدم از چہ از دار الغرور
ہمچناں باشد چو مومن راہ یافت | سوئے نور حق ز ظلمت روئے تافت
مخلص ایں قصہ بر گویم تمام | تا بدانی مقصد خود و السلام

۱۸۳

اسکی دعاؤں اور نالہ وزاری کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک جادوگر کہیں سے آنکلا۔ اُس نے دور سے یہ خبر سنی تھی کہ شہزادہ ایک بڑھیا کے پھندے میں پھنس گیا ہے کیونکہ وہ بڑھیا بے نظیر جادوگرنی ہے اور اپنا جواب نہیں رکھتی لیکن یہ شخص اس سے بھی بڑھکر تھا کیونکہ ممکنات میں ایک کی قوت ایک سے بڑھی ہوئی ہے کمال میں بھی

اور زور میں بھی اور یہی سلسلہ خدا تک پہونچ جاتا ہے اور خدا کی قوت تمام قوتوں کا منتہا ہے کیونکہ تمام قوتیں ندیاں ہیں اور حق سبحانہ کی قدرت بحر اور قاعدہ ہے کہ تمام ندیوں کا منتہا بحر ہوتا ہے اسکی قدرت تمام قوتوں کا منتہی ہے۔ اسی بحر سے تمام ابر ہائے قوت کو سامان ملتا ہے اور ان سیلابوں کا وہی منتہا ہے خیر بادشاہ نے اس سے کہا کہ یہ لڑکا تو ہاتھ سے نکل گیا۔ کیا کیا جاوے اس نے کہا کہ میں اُسکا بہت بڑا علاج ہوں آپ اطمینان رکھیں ان جادوگروں میں بجز مجھ عاقل اور خدا کی طرف سے یا دور سے آنے والے کے کوئی اسکی مثل نہیں ایک میں ہی ہوں کہ اس کا مقابلہ کرسکتا ہوں آپ دیکھتے جائیے میں مثل موسیٰ علیہ السلام کی طرح خدا کے حکم سے اسکے جادو کا ستیاناس کردوں گا کیونکہ یہ علم مجھے بالہام خداوندی حاصل ہوا ہے اور ذلیل جادو کی شاگردی سے حاصل نہیں ہوا۔ میں اسلئے آیا ہوں کہ اس کا جادو کھولدوں تاکہ شہزادہ کی چہرہ کی رنگت زرد نہ رہے۔ پس آپ پچھلی رات میں فلاں قبرستان جائیں وہاں کی فلاں دیوار کی برابر ایک سفید قبر ہے قبلہ کی جانب بس اس مقام کو کھود دیئے۔ اس سے آپ کو قدرت و کارسازی خدا کا تماشہ نظر آجائیگا۔ خیر یہ حکایت تو بہت لمبی ہے اور تم اُکتا گئے ہو۔ اسلئے زوائد کو چھوڑ کر خلاصہ پر اکتفا کرتا ہوں وہ بادشاہ فوراً قبرستان گیا اور جاکر اُس قبر کو کھولا اور جادو کو اس میں مخفی پایا اور دیکھا کہ ایک بال کے تار میں سو۱۰۰ گرہیں لگی ہوئی ہیں وہ ان کو لے آیا۔ اور اس صاحب کمال نے اسکی گرہوں کو کھولا اس سے وہ شہزادہ اس تکلیف سے نجات پا گیا۔ اور ہوش میں آکر بصد کوشش بادشاہ کے تخت کی جانب دوڑا اور جاکر سجدہ تعظیمی کیا اور زمین پر ٹھڈی ملتا تھا اور بغل میں تیغ و کفن لئے ہوئے تھا جسکا مطلب یہ تھا کہ میں مجرم ہوں آپ مجھے مار ڈالئے۔ بادشاہ اور اہل شہر اور اس نامراد اور بے مراد بیوی نے شہر اور مکانات کو اس خوشی میں خوب سجایا اور عالم نئے سرے سے زندہ اور بارونق ہوگیا۔ اب مولانا جملہ معترضہ کے طور پر فرماتے ہیں کہ عجیب بات ہے ایک دن وہ تھا کہ شہزادہ بڑھیا کا غلام تھا اور لوگ مغموم تھے۔ شہر پر اُداسی چھائی ہوئی تھی اور ایک یہ دن ہے کہ شہزادہ اسکی پرواہ نہیں کرتا اور سب لوگ خوش ہیں اور شہر گلزار بنا ہوا ہے بادشاہ نے اسکی شادی کی ایک ایسی دھوم دھام سے دعوت کی کہ شربت اور قندکتوں کے سامنے تھا آدمیوں کا تو ذکر ہی کیا ہے وہ بڑھیا جادوگرنی یہ حالت دیکھکر غم سے مرگئی اور اپنے منہ اور خصلت زشت کو مالک دوزخ کے حوالہ کیا۔ بادشاہ نے شہر کو آراستہ کیا اور عاجزانہ حق سبحانہ سے مناجات کرنے لگا۔ اور اس کا خوب ہی شکر ادا کیا۔ شہزادہ کو حیرت تھی

کہ اُسنے مجھ سے عقل اور نظر کیسے اُڑالی تھی کہ میں نہ اسکی بُرائی سمجھ سکا اور نہ دیکھ سکا۔ خیر اُسنے دلھن کو جو دیکھا تو حُسن کا ماہتاب پایا۔ جو کہ حسینوں کے حُسن کی راہ مارتی تھی۔ یہ دیکھکر بیہوش ہو کر منہ کے بَل گر گیا اور تین دن تک اس کے سینہ سے دل غائب رہا یعنی تین رات دن تک برابر بیہوش رہا۔ یہاں تک کہ لوگوں کو اسکی غشی سے جوش وخروش اور اضطراب و پریشانی لاحق ہو گئی کہ دیکھئے بچتا بھی ہے یا نہیں۔ غرضکہ جب خوب گلاب چھڑکا گیا اور خوب علاج کیا گیا اسوقت ہوش آیا۔ اور بھلے بُرے کو کچھ کچھ سمجھنے لگا۔ ایک سال کے بعد بادشاہ نے اثنائے گفتگو میں کہا کہ بیٹا کبھی اپنی پُرانی آشنا اور ہم خواب اور فراش (وہ عورت جس سے صحبت کیجاتی ہو) کو بھی تو یاد کر لیا کرو۔ اس قدر بیوفا اور تلخ نہ بنو۔ اُسنے جواب دیا کہ جائیے اب اسے کیا یاد کروں گا اب تو مجھے جنت ملگئی ہے اور میں اس دھوکے کے گھر کے کنوئیں سے نجات پا گیا ہوں۔ یہ تو قصہ تھا اب سنو کہ جب مومن کی نورِ حق سبحانہ تک رسائی ہو جاتی ہے تو وہ تاریکی ناسوت سے منہ پھیر لیتا ہے۔ یہ حقیقت تھی اس قصہ کی۔ اب میں اس قصہ کا مخلص (یعنی اس قصہ کا باطن اور اُسکی حقیقت) بیان کرتا ہوں تاکہ تم کو اپنا مقصد اچھی طرح معلوم ہو جائے (ف گفت رومن یافتم دار السرور الخ اور اس سے اگلے شعر میں شرح ہے۔ اس مضمون حدیث کی جسکی شرح کے لئے یہ حکایت لائی گئی تھی)

در بیان آنکہ آں شہزادہ آدمی زادہ است پدرش آدمی صفی ست خلیفۂ حق وکمپیر کابلی دنیاست کہ آدمی بچہ را از پدر ببرید بسحر وانبیا واولیا آں طبیب تدارک کنندہ

اے برادر داں کہ شہزادہ توئی	در جہاں کہنہ زادہ از نوی
کابلی جادو ایں دنیاست کو	کردہ مرداں را اسیر رنگ وبو
چوں در افگندت دریں آلودہ رود	دمبدم می خواں ومی دم قل اعوذ
تا رہی زیں جادوئی وزیں قلق	استعانت خواہ از رب الفلق

زاں نبی دنیات را ساحره خواں
کو بافسوں خلق را در چہ نشاند

ہین بافسوں گرم دارد گندہ پیر
کردہ شاہاں را دم گرمش اسیر

در دروں سینہ نفاثات اوست
عقدہائے سحر را اثبات اوست

ساحرہ دنیا قوی دانا زنے است
حل سحر او بپائے عامہ نیست

در کشادے عقدہ او را عقلہا
انبیا را کے فرستادے خدا

ہین طلب کن خوش دمے عقدہ کشا
راز دان یفعل اللہ ما یشاء

ہمچو ماہی بستہ است او بہ شست
شاہزادہ ماندہ سالے و تو شصت

شصت سال از شست او در محنتے
نے خوشی نے بر طریق سنتے

فاسقی بدبخت نے دنیات خوب
نے رہیدہ از وبال و از ذنوب

نفخ او ایں عقدہا را سخت کرد
پس طلب کن نفخۂ خلاق فرد

تا نفخت فیہ من روحی ترا
وارہاند زیں و گوید بر ترا

جز بنفخ حق نسوزد نفخ سحر
نفخ قہرست ایں و آں دم نفخہا مہر

رحمت او سابق است از قہر او
سابقی خواہی برو سابق بجو

تا رسی اندر نفوس زوجت
کاے شہ مسحور اینک مخرجت

با وجود زال ناید انحلال
در شبیکہ و در بریت آن ذو دلال

نے کہ فرمود آں سراج امتاں
اینجہاں و آنجہاں را ضرتان

پس وصال ایں فراق آں بود
صحت ایں تن سقام جاں بود

سخت می آید فراق آن ممر ۔۔۔ پس فراق آن مقر دان سخت تر

چون فراق نقش سخت آید ترا ۔۔۔ تا چہ سخت آید ز نقاشش جدا

ایکہ صبرت نیست از دنیای دون ۔۔۔ چونت صبرست از خدا ای دوست چون

چونکہ صبرت نیست از آب سیاہ ۔۔۔ چون صبوری داری از چشمہ آلہ

چونکہ بے این شرب کم داری سکون ۔۔۔ چون ز ابراری جدا وز یشربون

گر بہ بینی یک نفس حسن ودود ۔۔۔ اندر آتش افگنی جان و وجود

جیفہ بینی بعد ازان این شرب را ۔۔۔ چون بہ بینی کر و فر و قرب را

ہمچو شہزادہ رسی در یار خویش ۔۔۔ پس برون آری ز پا تو خار خویش

جہد کن در بیخودی خود را بیاب ۔۔۔ زود تر و اللہ اعلم بالصواب

ہر زمانے ہین مشو با خویش جفت ۔۔۔ ہر زمان چون خر در آب و گل نہفت

از قصور چشم باشد آن عثور ۔۔۔ گر نہ بیند شیب و بالا را ز دور

بوئے پیراہان یوسف کن سند ۔۔۔ زانکہ بویش چشم روشن می کند

صورت پنہان و آن نور جبین ۔۔۔ کردہ چشم انبیا را دوربین

نور آن رخسار برہاند ز نار ۔۔۔ ہین مشو قانع بنور مستعار

چشم را این نور حالے بین کند ۔۔۔ چشم و عقل و روح را گرگین کند

صورتش نورست و در تحقیق نار ۔۔۔ گر ضیا خواہی دو دست از وی بدار

دمبدم در روفتد ہر جا رود ۔۔۔ دیدہ و جانے کہ حالے بین بود

دور بیند دور بین بے ہنر ‌‌ ‌ ہمچنانکہ دور دیدن خواب در

خفتہ باشی بر لب جوئے خشک لب ‌ ‌ ‌ میدوی سوئے سراب اندر طلب

دور می بینی سراب و می دوی ‌ ‌ ‌ عاشق آں بینش خود می شوی

میزنی در خواب با یاراں تو لاف ‌ ‌ ‌ کہ منم بینا دل و پردہ شگاف

نک بداں سو آب دیدم ہین شتاب ‌ ‌ ‌ تا رویم آنجا و آں باشد سراب

ہر قدم زیں آب تا نے دور تر ‌ ‌ ‌ دو دواں سوئے سراب با غرر

عین آں عزمت حجاب آں شدہ ‌ ‌ ‌ کہ بتو پیوستہ است و آمدہ

بس کسا عزمے بجائے می کند ‌ ‌ ‌ از مقامے کاں غرض در وے بود

دید و لاف خفتہ می ناید بکار ‌ ‌ ‌ جز خیالے نیست دست از وے بدار

خوابناکی لیک ہم بر راہ خسپ ‌ ‌ ‌ اللہ اللہ بر رہ اللہ خسپ

تا بود کہ سالکے بر تو زند ‌ ‌ ‌ از خیالات نعاست بر کند

خفتہ را گر فکر گردد ہمچو موئے ‌ ‌ ‌ او ازاں دقت نیابد راہ کوئے

فکر خفتہ گر دو تا و گر سہ تاست ‌ ‌ ‌ ہم خطا اندر خطا اندر خطاست

گرچہ چشمش تیز بیں و با ضیاست ‌ ‌ ‌ ہم ہبا اندر ہبا اندر ہباست

موج بر وے می زند بے احتراز ‌ ‌ ‌ خفتہ پویاں در بیاباں دراز

خفتہ می بیند عطشہائے شدید ‌ ‌ ‌ آب اقرب منہ من حبل الورید

یہاں سے مضمون ارشادی بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم سمجھو کہ شہزادہ تم ہو اور اس عالم کہنہ میں

تو پیدا ہو۔ اور کابلی جادو گرنی دنیا ہے جسنے کہ مردوں کو نمائش ظاہری میں پھانس رکھا ہے جبکہ
اس نے اپنے افسوں سے تمہیں آلودگیوں یعنی لذات و شہوات میں ڈال دیا ہے تو ہر دم تم کو اسکے سحر کی باطل
کرنے کے لئے قل اعوذ پڑھکر دم کرنا چاہئے یعنی وہ تدابیر کرنی چاہئیں جن سے تم اسکے پھندے سے نکلو
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو اسلئے جادو گرنی کہا ہے کہ اسنے اپنے جادو سے لوگوں کو چاہ
ناسوت میں قید کر دیا ہے۔ دیکھنا اس سے بچتے رہنا کیونکہ اس کا منتر بہت تیز ہے اور اس نے اپنی
موثر پھونک سے بادشاہوں کو قید کر لیا ہے یہ سینہ میں منتر پڑھ پڑھ کر پھونکتی ہے اور جادو کی گرہیں
قایم کرتی ہے (ف سینہ میں منتر پھونکنے سے مراد شہوات کے خیالات وغیرہ دل میں پیدا کرنا ہے)
یہ جادو گرنی دنیا بڑی چالاک عورت ہے اسکے جادو کا کھولنا عوام کی قدرت سے باہر ہے کیونکہ اگر عقول عوام
اسکی گرہوں کو کھول سکتیں تو خدا تعالی انبیاء علیہم السلام کو کاہے کو بھیجتا۔ پس تمہیں چاہئے کہ کوئی خوش
دم عقدہ کشا اور اسرار قضا کا جاننے والا تلاش کرو۔ وہ تم کو اس جادو سے چھڑا ئیگا۔ دیکھو تو سہی
اسنے تمہیں مچھلی کی طرح کانٹے میں پھانس رکھا ہے۔ اور شاہزادہ تو زن کابلی کے پھندے میں ایک
ہی سال رہا تھا اور تم کو ساٹھ برس ہو گئے اور تم ساٹھ برس ہی سے اس کانٹے میں پھنسے ہوئے مبتلائے
تکلیف ہو کہ نہ تمہیں چین ہے اور نہ تم راہ سنت پر چلتے ہو بلکہ بدنصیب فاسق ہو نہ دنیا ہی تمہاری درست ہے
اور نہ وبال اُخروی اور گناہوں سے محفوظ ہو۔ اسکے چھو کرنے یعنی فریب دہی نے تمہارے گرہوں کو مضبوط
کر دیا ہے۔ پس تمہیں حق سبحانہ کی چھو یعنی تاثیر تلاش کرنی چاہئے تاکہ وہ تم میں روح پھونکدے
اور یہ نفخ روح تم کو اسکے پھندے سے چھڑادے اور کہدے کہ اوپر چلے آؤ۔ اس چاہ ناسوت میں مقید
نہ رہو دیکھو دم افسوں یعنی اثر جادو دم حق سبحانہ یعنی تاثیر حق سبحانہ ہی سے جل سکتا ہے اور کسی سے
نہیں۔ کیونکہ نفخ سحر دم قہر ہے اور دم مبطل سحر نفخ رحمت اور رحمت حق سبحانہ اسکے قہر پر سبقت لیگئی ہے
اسلئے وہی اسکو فنا کر سکتی ہے اور کوئی نہیں۔ پس تم رحمت کو طلب کرو۔ اور اگر رحمت کے طالب ہو جو کہ
غضب سے سبقت لیگئی ہے تو اس کا طریق یہ ہے کہ کسی عالی مرتبہ شخص کو طلب کرو۔ تاکہ تم بھی اہل اللہ میں
داخل ہو جاؤ۔ اور رحمت الٰہی کے مستحق ہو جاؤ۔ اور اے جادو کئے ہوئے شہزادو یاد رکھو کہ تمہارے
اس پھندے سے نکلنے کی یہی تدبیر ہے۔ (ف نفوس زوجت سے یا تو یہ مراد ہو کہ وہ لوگ جنکی شادی
حور العین سے ہو گئی ہے۔ یا یہ کہ وہ لوگ جنکی شادی آخرت سے ہو چکی ہے اور دنیائے ساحرہ کے پھندے

نکل چکے ہیں وھذا ھو الانسب کما لا یخفیٰ اور مصداق اس کا بہرصورت اہل اللہ ہیں۔ اسلئے ہم نے اہل اللہ سے ترجمہ کر دیا) اور جب تک یہ زال دنیا تمہارے پاس رہیگی اس وقت تک یہ جال نہ کھلے گا اور وہ ناز و ادا والی زوجہ یعنی آخرت تمہاری پہلو میں نہ آئیگی۔ (ف) ناید الخلال الخ کی تقدیر ناید الخلال درشبیکہ و ناید آن ذو دلال در برت ہے من قبیل ضرب زید عمرًا و خالد بکرًا) کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا ہے الدنیا والآخرۃ لضرتان ان رضیت احدٰھما سخطت الاخریٰ۔ اسلئے ایک کا وصال دوسرے کی مفارقت کا موجب ہوگا جسطرح کہ اس جسم کی تندرستی روح کی بیماری کا سبب ہے۔ جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ جب اس گذر گاہ یعنی دنیا کی مفارقت سخت ہے، تو عقبیٰ جو کہ ہمیشہ کا ٹھکانا ہے اسکی مفارقت تو اور بھی سخت ہوگی اور جبکہ تمہیں اس تصویر یعنی دنیا کی جدائی اتنی ناگوار ہے تو تم کو اندازہ کرنا چاہئے کہ نقاش یعنی خدا کی جدائی کس قدر ناگوار ہونی چاہئے۔ پس اے وہ شخص جو کہ دنیا کے بغیر صبر نہیں کرسکتا تجھے حق سبحانہ کے بغیر کیسے کل پڑتی ہے اور جبکہ اس چوڑے کی بغیر تجھے چین نہیں آتا تو حق سبحانہ کے بغیر کیونکر چین آتا ہے جو کہ منبع فیوض و برکات ہیں اور جبکہ بدون اس پانی کے پئے تجھے قرار نہیں ہوتا تو تو ابر رحمت اور شرب ماء رحمت سے کیونکر جدا رہتا ہے۔ ارے غافل تو کس غلطی میں پڑا ہوا ہے۔ اسے چھوڑ اور حق سبحانہ کو طلب کر۔ تجھے انکی قدر اسلئے نہیں ہے کہ تو نے انہیں دیکھا نہیں لیکن اگر ذرا سی دیر کیلئے بھی تو ان کا حسن دیکھ لے تو تیری حالت یہ ہو کہ تیرا جسم اور تیری جان اسکی تابش سے جھلجاوے (یا یہ کہ تو اسکی طلب میں تمام راحتوں کو بھول جاوے اور آگ میں گرنے سے بھی نہ ڈرے۔) اور جبکہ تجھے حق سبحانہ کی شان و شوکت اور اسکے قرب کی لذت کی خبر ہو تو تو اسکے بعد اس آب دنیا کو مردار کے مانند مکروہ سمجھے اور اگر شہزادہ کی طرح تو اپنے مطلوب تک پہونچ جاوے تو اپنے پاؤں سے اس کانٹے یعنی حب دنیا کو بالکل نکال ڈالے دیکھ تو جلدی سے ہوش میں آجا اور فنا فی الحق کی کوشش کر اور ہر وقت خودی میں مبتلا نہ رہ اور ہر دم گدھے کی طرح دلدل میں مت گر یعنی دنیا میں نہ پھنس اور نظر کو تیز کر کیونکہ یہ لغزش قصور نظر سے ہوتی ہے کیونکہ کم نظری کے سبب آدمی اونچ نیچ نہیں دیکھ سکتا اور پیراہن یوسف کی بو یعنی آثار قدرت الٰہیہ کے سہارے پر چل۔ کیونکہ اس بو میں نظر کے تیز کرنے کی خاصیت ہے اس سے تمہاری نظر تیز ہوگی اور نظر تیز ہو کر مشاہدہ حق سبحانہ حاصل ہوگا اور اس سے تمہاری نظر اور تیز ہوگی۔ کیونکہ اس صورت مخفیہ اور نور جبین نے

انبیاء کی آنکھوں کو دوربین بنایا ہے اور یہی نور تجھے آتش دوزخ یا آتش شہوت وغیرہ سے چھڑا سکتا ہے پس اس نور کو حاصل کر اور عاریتی نور یعنی دنیا و اہل دنیا کے نور پر قناعت نکر۔ کیونکہ اسکی خاصیت اُس نور کے برعکس ہے کہ یہ نور حال بین کرتا ہے اور چشم و عقل و روح کو خارش کا روگ لگا دیتا ہے یہ دیکھنے میں تو نور ہے مگر حقیقت میں نار ہے۔ پس اگر تجھے حقیقی نور کی ضرورت ہو تو اس نور ظاہر کو چھوڑ دیکھو حال بینی نہایت مُضر شے ہے کیونکہ جو چشم بصیرت اور روح حال بین ہوتی ہے وہ ہر دم ٹھوکر کھا کر مُنہ کے بَل گرتی ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ کیا اہل دنیا دوربین نہیں ہوتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی دوربینی ایسی ہی ہے جیسے کوئی خواب میں دور کی شئے دیکھے سو یہ حقیقۃ دوربینی نہیں ہے اور نہ مفید ہے۔ فرض کرو کہ تم ایک ندی کے کنارے پیاسے سو رہے ہو۔ اور خواب میں بے حقیقت پانی کی طرف اسکی طلب میں دوڑ رہے ہو اور حالانکہ تم سراب کو دور سے دیکھ رہے ہو مگر تم اس اپنی نظر دوربین پر عاشق ہو اور خواب ہی میں یاروں سے شیخیاں مار رہے ہو کہ میں بینا دل اور پردہ شگاف ہوں۔ چلو تاکہ وہاں پہونچیں کیونکہ مجھے پانی نظر آتا ہے حالانکہ وہاں پانی وانی کچھ نہیں ہوتا بلکہ محض دھوکا ہوتا ہے اور تم اس دھوکا دینے والے بے حقیقت پانی کی طرف دوڑتے ہوئے ہر قدم پر اصلی پانی سے دور ہو رہے ہو اور یہ تمہارا پانی حاصل کرنے کا پختہ ارادہ تمہارے لئے اس اصلی پانی کا پردہ بن گیا ہے جو کہ تم سے ملا ہوا اور قریب ہے اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں کیونکہ بہت سے لوگ ایک ایسے مقام سے جس میں ان کا مطلوب ہوتا ہے طلب مطلوب میں دوسری جگہ جاتے ہیں اس سے معلوم ہو گیا کہ سونے والے کی دوربینی کسی کام کی نہیں اور وہ محض ایک خیال ہے اسلئے اس سے ہاتھ اُٹھا لینا چاہئے اور اسے چھوڑ دینا چاہئے بس یہی حالت اہل دنیا کی ہے کہ وہ سو رہے ہیں اور خیالات کے پیچھے دوڑ رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم دوربین ہیں۔ آپ مولانا نصیحت فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مانا کہ تم سو رہے ہو مگر تم کو چاہئے کہ راستہ پر سوو۔ دیکھو ہم تم سے بار بار کہتے ہیں کہ سونا ہی ہے تو خدا کے رستہ پر سوو تاکہ کوئی راہ گیر صاحب دل آپہونچے اور وہ تم کو خواب غفلت سے بیدار کر کے راہ پر لگا لے (مقصود یہ ہے کہ اگر تم راہ دین میں سعی بھی نکرو تو اہل اللہ کی خدمت میں رہو کیونکہ ممکن ہے کہ اسکی برکت سے کسی وقت تم کو ہدایت ہو جاوے) اس مضمون کو ختم کر کے مولانا پھر مضمون سابق کو تمام کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ سونیوالے کا فکر اگر بال سے بھی زیادہ باریک ہو تب بھی لے اسوقت

فکر کے سبب گلے کا رستہ نہیں حلوم ہوسکتا۔ نیز سونے والے کا فکر اگر دوہرا اور تہرا بھی ہو جاوے تب بھی وہ غلط در غلط ہی ہے اور اگر اسکی نظر تیز بین اور روشن ہو تو بھی لاشئے محض ہے کیونکہ اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ آب مطلوب کی موجین اُس سے ٹکراتی ہیں مگر وہ اسکی طلب میں لق و دق بیابان میں دوڑتا ہوتا ہے اور وہ نہایت سخت پیاسا ہوتا ہے مگر پانی اسکی رگ گردن سے زیادہ قریب ہوتا ہے اور وہ اس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا بس یہی حالت اہل دنیا کی ہے کہ حق سبحانہ ان سے رگ گردن سے زیادہ قریب بقرب بے کیف ہیں مگر وہ ان تک نہیں پہونچ سکتے اور مساعی بیہودہ میں منہمک ہیں ایسی حالت میں ان کی دقت نظر اور دیانت و فطانت بالکل بیسود ہے

حکایت آں زاہدے کہ در سال قحط خنداں و شاد بود با مفلسے و بسیاری عیال و خلق می مردند از گرسنگی باو گفتند کہ ہنگام تعزیت ست نہ شادی جواب او

ہمچناں کاں زاہد اندر سال قحط
بود او خنداں و گریاں جملہ رہط

پس بگفتندش چہ جائے خندہ است
قحط بیخ مومناں برکندہ است

رحمت از ما چشم خود بردوختہ است
ز آفتاب تیز صحرا سوختہ است

کشت و باغ و رز سیہ استادہ است
در زمیں نم نیست نے بالا نہ پست

خلق می میرند در قحط و عذاب
دہ دہ و صد صد چو ماہی دور ز آب

بر مسلماناں نمی آری تو رحم
مومناں خویشند یک تن شحم و لحم

رنج یک جزوے ز تن رنج ہمہ است
یا دم صلح ست یا خود ملحمہ است

گفت در چشم شما قحط ست این ۔ پیش چشمم چوں بہشت ست این زمین

من ہمی بینم بہر دشت و مکاں ۔ خوشہا انبہ رسیدہ تا میاں

خوشہا در موج از باد صبا ۔ پر بیابان سبز تر از گندنا

ز آزموں من دست بر وے میزنم ۔ دست و چشم خویش را چوں بر کنم

یار فرعون تیند اے قوم دوں ۔ زاں نماید بر شما را نیل خوں

یار موسیٰ خرد گردید زود ۔ تا نماند خوں و بیند آب رود

از پدر بر تو جفائے چوں رود ۔ آن پدر در چشم تو سگ می شود

آں پدر سگ نیست تاثیر جفاست ۔ کہ چناں رحمت نظر را سگ نماست

گرگ می دیدند یوسف را بچشم ۔ چونکہ اخواں را حسودے بود و خشم

با پدر چوں صلح کردی خشم رفت ۔ آں سگے شد گشت بابا یار زفت

سونے والیکی حالت ایسی ہی ہوتی ہے جیسے کہ ان لوگوں کی جنہوں نے ایک بزرگ پر اعتراض کیا تھا۔ تفصیل اسکی یہ ہے کہ قحط سالی میں سب لوگ روتے تھے اور ایک زاہد ہنستا تھا۔ یہ دیکھکر لوگوں نے کہا کہ صاحب ہنسی کا کیا موقع ہے قحط نے مسلمانوں کی جڑ اکھیڑ ڈالی ہے اور رحمت الٰہی نے ہماری طرف سے آنکھ بند کرلی ہے تیز دھوپ سے جنگل بھسم ہوگیا ہے۔ کھیتی اور باغ اور انگور سیاہ پڑگئے ہیں۔ زمین میں نام کو تری نہیں رہی نہ اوپر نہ نیچے۔ لوگ اس قحط اور عذاب سے دس دس اور سو سو یوں مر رہے ہیں جیسے مچھلیاں پانی سے دور ہوکر۔ تعجب ہے کہ تم کو مسلمانوں پر رحم نہیں آتا حالانکہ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں اور گویا کہ سب کے اجسام اور چربی اور گوشت سب ایک ہیں اور قاعدہ ہے کہ جسم کے ایک حصہ میں تکلیف ہوتی ہے تو تمام اعضاء کو تکلیف ہوتی ہے خواہ صلح کا وقت ہو یا جنگ کا (صلح کی حالت میں ایک کی تکلیف سے دوسرے کا متاثر ہونا تو بعید نہیں مگر جنگ کی حالت میں بظاہر بعید معلوم ہوتا ہے لیکن یہ بھی بعید نہیں کیونکہ یہاں گفتگو مومنین

من حیث الایمان میں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اس حالت میں اگر ان میں جنگ ہوگی تو اس میں ہر دو فریق کی نیت خیر ہوگی اور مقصد ان کا دفع مفسدہ واقعی یا اجتہادی ہوگا اور جنگ بقصد خیر خواہی و نیک نیتی منافی اتحاد نہیں۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسے ماں باپ اپنے بچہ کو مارتے ہیں۔ پس گو وہ بضرورت مارتے ہیں مگر اس مار سے انکو خود ایذاء ہوتی ہے یا آدمی اپنے کسی عضو فاسد کو کاٹتا ہے مگر اسکو اس کا صدمہ بھی ہوتا ہے اور اس سے تکلیف بھی ہوتی ہے فلا یبعد) ان کی گفتگو کے جواب میں ان بزرگ نے کہا کہ صاحبو! تمہاری نظر میں یہ قحط ہے مگر مجھے تو یہ زمین بہشت معلوم ہوتی ہے اور میں تو ہر جنگل میں اور ہر مقام پر خوشہائے گندم کمر کمر تک بکثرت دیکھ رہا ہوں۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ خوشے باد صبا سے لہلہارہے ہیں اور جنگل بھر پور اور گندنے سے زیادہ سرسبز ہے۔ میں امتحاناً ہاتھ بڑھاتا ہوں اور انہیں چھوتا ہوں تو اپنی نظر کو صحیح پاتا ہوں۔ پھر میں اپنے ہاتھ اور اپنی آنکھ کیونکر اکھاڑ ڈالوں اور کیسے سمجھوں کہ قحط ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تم نفس فرعون کے متبع ہو اسلئے تمہیں آب نیل خون معلوم ہوتا ہے پس تم موسیٰ خرد کے یار ہو جاؤ تاکہ وہ تمہاری نظر میں بھی خون نہ رہے اور اور پانی دکھلائی دے۔ دیکھو قاعدہ ہے کہ جب باپ کی جانب سے تم پر سختی ہوتی ہے تو وہ باپ تمہاری نظر میں کتا معلوم ہوتا ہے مگر وہ باپ کتا نہیں ہوتا بلکہ یہ سختی کا اثر ہے کہ تم کو وہ رحمت مجسم کتا معلوم ہوتی ہے چنانچہ بھائیوں کو یوسفؑ بھیڑیا نظر آتے تھے کیونکہ ان کو ان پر حسد تھا اور اسلئے وہ ان پر غصہ تھے لیکن جب باپ سے تمہاری صلح ہو جاتی ہے تو وہ اس کا کتا پن زائل ہو جاتا ہے اور وہ بہت بڑا دوست ہو جاتا ہے یہ کھلی دلیل ہے اسکی کہ وہ محض سختی کا اثر تھا اور خود باپ ایسا نہ تھا (ف ان بزرگ نے جو جہان کو سرسبز بتایا ہے اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ سبزہ معروفہ اور خوشہائے متعارفہ وہاں موجود تھے بلکہ مقصود ان کا یہ تھا کہ اغذیہ دو قسم کی ہیں ایک غذائے روحانی دوسری جسمانی۔ غذائے روحانی تو کائنات میں حق سبحانہ کا مشاہدہ اور اسکے فیوض و برکات ہیں اور غذائے جسمانی یہ متعارف اغذیہ ہیں اور چونکہ اہل اللہ اغذیہ جسمانی بلکہ خود جسم کو حقیر محض اور ناقابل التفات سمجھتے ہیں اسلئے شیخ نے ان کی شکایت قحط کا اثبات غذائے روحانی سے جواب دیا۔ اور جواب کا حاصل یہ ہے کہ میں تو اغذیہ جسمانیہ کو کوئی چیز نہیں سمجھتا بلکہ اصل غذا میرے نزدیک غذائے روحانی ہے سو میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ اس قحط میں بھی بوجہ اتم موجود ہے گو تمہیں نظر نہیں آتی۔ پس میں کیوں نہ خوش ہوں)۔

در بیان آنکه مجموع عالم صورت عقل کل ست چون با عقل کل کژروی صورت عالم ترا غم فزاید اغلب احوال چنانکه دل با پدر بد کردی صورت پدر ترا غم فزاید و نتوانی او را دیدن با آنکه او را نور دیده بودی

کل عالم صورت عقل کل ست — کوست بابای ہر آن کاہل قل ست

چون کسے با عقل کل کفران فزود — صورت کل پیش او ہم سگ نمود

صلح کن با این پدر عاقی بہل — تا که فرش زر نماید آب و گل

پس قیامت نقد حال تو بود — پیش تو چرخ و زمین مبدل شود

منکه صلحم دائماً با این پدر — این جہاں چوں جنتستم در نظر

ہر زماں نو صورتے و نو جمال — تا ز نو دیدن فرو میرد ملال

من ہمی بینم جہاں را پر نعیم — آبہا از چشمہا جوشاں مقیم

بانگ آبش می رسد در گوش من — مست می گردد ضمیر و ہوش من

شاخہا رقصاں شدہ چوں تائباں — برگہا کف زن مثال مطرباں

برق آئینہ است لامع از نمد — گر نماید آئینہ تا چوں بود

از ہزاراں من نمی گویم یکے — زانکه آگندہ ست ہر گوش از شکے

پیش وہم این گفت مژدہ دادن است — عقل گوید مژدہ چہ نقد من است

یہاں سے وہ بزرگ اپنے کلام کی کسی قدر شرح فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمام عالم مظہر ہے حق سبحانہ کا کیونکہ تمام عالم اُسی سے پیدا ہوا ہے اسلئے گویا کہ وہ تمام عالم کا باپ ہے (ف اہل قل سے مراد ارواح ہیں اور قل مخفف ہے قول کا اور قول سے مُراد کلمہ بلیٰ ہے جو الست بربکم کے جواب میں کہا گیا تھا ھذا ما قال ولی محمد واللہ اعلم۔ اور ذکر اہل قل بنا بر تخصیص نہیں بلکہ بنا بر شرف ہے۔ نیز زیر بحث اس وقت ذوی العقول مکلفین ہی ہیں نہ کہ تمام عالم اسلئے انہیں کا ذکر کیا گیا واللہ اعلم) پس جب کوئی حق سبحانہ کی مخالفت کرتا ہے تو تمام اشیاء اسکی نظر میں اصلی صورت کے خلاف دکھائی دیتی ہیں۔ اور وہ صورت اصلی صورت سے بدتر ہوتی ہے خواہ کسی وجہ سے اس دیکھنے والے کو بُری نہ معلوم ہو۔ پس تم حق سبحانہ سے میل کر لو۔ اور نافرمانی چھوڑ دو۔ تاکہ تمام زمین تمہیں انگوروں (غذائے روحانی) کا بستر معلوم ہو اور قیامت تم کو اسوقت نظر آجاوے باین معنی کہ تمام عالم بدلجاوے اور اس صورت پر نہ دکھلائی دے جس صورت پر کہ تم اُسے پہلے دیکھتے تھے۔ میں چونکہ حق سبحانہ سے صلح رکھتا ہوں اسلئے یہ جہاں میری نظر میں جنّت ہے اور ہر وقت ایک نئی صورت اور نیا حُسن مشاہدہ کرتا ہوں جسکے دیکھنے سے غم دور ہو جاتا ہے اور میں اس عالم کو نعمائے الٰہیہ سے لبریز پاتا ہوں اور پانی چشموں سے ہر وقت اُبلتے رہتے ہیں اور اُن پانیوں کی آوازیں میرے کانوں میں آتی ہیں جن سے میرا دل اور میری عقل مست ہو جاتی ہے۔ شاخیں صوفیوں کی طرح وجد میں مصروف ہیں اور پتے قوالوں کی طرح تالیاں بجاتے ہیں غرضکہ میں انواع واقسام کی اغذیہ روحانیہ اس عالم میں مشاہدہ کرتا ہوں اور یہ تو اسوقت ہے جبکہ حق سبحانہٗ کی روشنی اشیاء ناسوتیہ سے جھلکتی ہے لیکن اگر حق سبحانہ بے حجاب تجلّی فرمائیں تو نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت کیا حال ہو۔ خیر میں گفتگو مختصر کرتا ہوں اور ہزاروں باتوں میں سے ایک بھی پوری نہیں کہتا کیونکہ قریب قریب تمام سامعین محجوب اور مُبتلائے شک ہیں اسلئے میری باتوں کو نہ مانیں گے اوہام یعنی عقول ناقصہ کے نزدیک تو یہ مضمون محض اخبار کے درجہ میں ہے مگر عقل کہتی ہے کہ کیسی خبر میں تو خود دیکھ رہی ہوں اور اسلئے وہم وعقل کی ایسی مثال ہے جیسے فرزندان عزیر علیہ السلام کی۔

قصہ فرزندان عزیر علیہ السلام کہ از پدر حال پدر می پرسیدند

گفت آرے از عقب می آید بعضے کہ شناختندش بیہوش

شدند وآنانکہ نشناختند شاد شدند

ہمچو پوران عزیرا اندر گذر — آمده پرسان ز احوال پدر
گشته ایشان پیر و بابا شان جوان — پس پدرشان پیش آمد ناگہان
پس بپرسیدند ازو کای رہگذر — از عزیر ما عجب داری خبر
کہ کسے مان گفت کامروزان سند — بعد نومیدی ز بیرون می رسد
گفت آرے بعد من خواہد رسید — آن یکے خوش شد چو این مژده شنید
بانگ میزد کای مبشر باش وشاد — وان دگر بشناخت بیہوش اوفتاد
کہ چہ جائے مژده ست اے خیره سر — کہ در افتادیم در کان شکر
وہم را مژده ست پیش عقل نقد — زانکہ چشم وہم شد محجوب نقد
کافران را درد مومن را بشیر — لیک نقد حال در چشم بصیر
زانکہ عاشق در دم نقدست مست — لاجرم از کفر و ایمان برترست
کفر و ایمان ہر دو خود دربان اوست — کوست مغز و کفر و دین او را دو پوست
کفر قشر خشک رو برتافته — باز ایمان قشر لذت یافته
قشرہائے خشک را جا آتش است — قشر پیوسته بمغز جان خوش است
مغز خود از مرتبہ خوش برتر است — برترست از خوش کہ لذت گستر است
این سخن پایان ندارد باز گرد — تا برآرد موسیٰ از بحر گرد

در خور عقل عوام این گفته شد — از سخن باقی آں بنهفته شد

زر عقلت ریزه است اے متهم — بر قراضه مهر سکه چون نهم

عقل تو قسمت شده بر صد مهم — بر هزاراں آرزوے و طم و رم

جمع باید کرد اجزا را بعشق — تا شوی خوش چوں سمرقند و دمشق

جو جوے چوں جمع گردی ز اشتباه — پس تواں زد بر تو سکه بادشاه

ور ز مثقالے شوی افزوں تو خام — از تو سازد شہ یکے زرینه جام

پس برو هم نام هم القاب شاه — باشد و هم صورتش ای وصل خواه

تا که معشوقت بود هم نان هم آب — هم چراغ و شاهد و نقل شراب

جمع کن خود را جماعت رحمت است — تا توانم با تو گفتن آنچه هست

زانکه گفتن از برائے یاوریست — جان شرک از یاوری حق بریست

جان قسمت گشته در جو فلک — در میان شصت سودا مشترک

پس خموشی به دهد او را ثبوت — پس جواب احمقاں آمد سکوت

ایں همی دانم ولے مستی تن — می گشاید بے مراد من دهن

آنچناں کز عطسه و از خامیاز — ایں دهان گردد بنا خواه تو باز

بیان حدیث اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً

همچو پیغمبر ز گفت و از نثار — توبه آرم روز من هفتاد بار

لیک آں مستی بود توبه شکن — منسی ست ایں مستی تن جامه کن

حکمت اظہار تاریخ دراز — مستی انداخت بر دانائے راز

راز پنہاں با چنیں طبل و علم — آب جوشاں گشتہ از جف القلم

رحمت بیحد روانہ ہر زماں — خفتہ اید از درک آں اے مردماں

جامۂ خفتہ خورد از جوئے آب — خفتہ اندر آب جویائے سراب

میرود کانجائے بوئے آب ہست — زیں تفکر راہ را بر خویش بست

چونکہ آنجا گفت زاینجا دور شد — بر خیالے او ز حق مہجور شد

دور بینانند پس خفتہ رواں — رحمتے آرید شاں اے رہرواں

من ندیدم تشنگی خواب آورد — خواب آرد تشنگی بے خرد

خود خرد آنست کو از حق چرید — نے خرد کاں را عطارد آورید

بیان آنکہ عقل جزوی تا بگور پیش نہ بیند و در باقی مقلد انبیاست

پیش بینی ایں خرد تا گور بود — وآں صاحبدل بنفخ صور بود

ایں خرد از گور خاکی نگذرد — ویں قدم عرصہ عجائب نسپرد

زیں قدم ویں عقل رو بیزار شو — چشم غیبی جو و برخوردار شو

ہمچو موسیٰ نور کے یابد زجیب — سخرۂ استاد و شاگرد کتیب

زین نظر وین عقل ناید جز دوار ‏ ‏ ‏ ‏ پس نظر بگذار و بگزین انتظار

از سخن گوئی مجوئید ارتفاع ‏ ‏ ‏ ‏ منتظر را بہ ز گفتن استماع

منصب تعلیم نوع شہوت است ‏ ‏ ‏ ‏ ہر خیال شہوتے در رہ بت است

گر بفضلش پے ببردے ہر فضول ‏ ‏ ‏ ‏ کے فرستادے خدا چندیں رسول

عقل جزوی ہمچو برق ست و درخش ‏ ‏ ‏ ‏ در درخشی کے تواں شد سوئے وخش

نیست نور برق بہر رہبری ‏ ‏ ‏ ‏ بلکہ امرست ابر را کہ می گری

برق عقل ما برائے گریہ است ‏ ‏ ‏ ‏ تا بگرید نیستی در شوق ہست

عقل کودک گفت بر کتاب تن ‏ ‏ ‏ ‏ لیک نتواند بخود آموختن

عقل رنجور آردش سوئے طبیب ‏ ‏ ‏ ‏ لیک نبود در دوا عقلش مصیب

نک شیاطین سوئے گردوں می شدند ‏ ‏ ‏ ‏ گوش بر اسرار بالا می زدند

بر بودندا ندکے زاں رازہا ‏ ‏ ‏ ‏ تا شہب می راندشاں زود از سما

کہ روید آنجا رسولے آمدہ است ‏ ‏ ‏ ‏ ہر چہ می خواہید ازو آید بدست

گر ہمی جوئید دُرّ بے بہا ‏ ‏ ‏ ‏ ادخلوا الابیات من ابوابہا

می زن آں حلقہ در و بر باب ایست ‏ ‏ ‏ ‏ کز سوئے بام فلک تاں راہ نیست

نیست حاجت تاں بدیں راہ دراز ‏ ‏ ‏ ‏ خاکیے را دادہ ایم اسرار راز

پیش او آئید اگر خائن نہ اید ‏ ‏ ‏ ‏ نے شکر گردید ازو گر چہ نے اید

سبزہ رویاند ز خاکت آں دلیل ‏ ‏ ‏ ‏ نیست کم از سُم اسپ جبرئیل

سبز گردی تازه گردی از نوی ‏ ‏ ‏ گر تو خاکی اسپ جبریلے شوی

سبزهٔ جان بخش کانرا سامری ‏ ‏ ‏ گرد در گوساله تا شد گوهری

جان گرفت و بانگ زد زان سبزه او ‏ ‏ ‏ آنچنان بانگے که شد فتنه عدو

گر امین آید سوئے اہل راز ‏ ‏ ‏ وا رہید از سر کله مانند باز

سر کلاه چشم بند گوش بند ‏ ‏ ‏ که از و باز ست مسکین و نژند

زان کله بر چشم بازان راشده است ‏ ‏ ‏ که ہمه میلش سوئے جنس خود است

چون برید از جنس باشه گشت یار ‏ ‏ ‏ بر کشاید چشم او را باز دار

رانده دیوان را حق از مرصاد خویش ‏ ‏ ‏ عقل جزوی را ز استبداد خویش

که ہرے کم کن نهٔ تو مستبد ‏ ‏ ‏ بلکه شاگرد دلی مستعد

زو بر دل رو که تو جزو دلی ‏ ‏ ‏ ہین که بنده پادشاه عادلے

بندگی او به از سلطانی است ‏ ‏ ‏ که انا خیر دم شیطانی است

فرق بین و بر گزین تو ای خسیس ‏ ‏ ‏ بندگی آدم از کبر بلیس

گفت آن که ہست خورشید ره او ‏ ‏ ‏ حرف طوبے ہر که ذلت نفسه

سایهٔ طوبی ببین خوش بخسپ ‏ ‏ ‏ سر بنه در سایه سرکش مخسپ

ظل ذلت نفسه خوش مضجعے است ‏ ‏ ‏ مستعد ان صفا را مهجعے است

گر ازین سایه روی سوئے منی ‏ ‏ ‏ رود طاغی گردی وره گم کنی

بیان آیهٔ کریمه یا ایها الذین امنوا لا تقدموا بین یدی الله و رسوله

چون نبی نیستی ز امت باش | چونکہ سلطان نۂ رعیت باش
پس رو خامشان خامش باش | وز خودی رائے زحمتے متراش
پس برو خاموش باش از انقیاد | زیر ظل امر شیخ و اوستاد
پس روی صامت شود خاموش باش | از وجود خویش والے کمتراش
ورنہ گرچہ مستعد و قابلی | مسخ گردی تو ز لاف کاملی
ہم ز استعداد وا مانی اگر | سرکشی ز استاد راہ با خبر
صبر کن در موزہ دوزی و بسوز | ور شوی بے صبر مانی پارہ دوز
کہنہ دوزاں گر بدے زاں صبر و حلم | جملہ نو دوزاں شدندے ہم بعلم
پس بکوشی و بآخر از کلال | خود بخود گوئی کہ العقل عقال
ہمچو آن مرد مفلسف روز مرگ | عقل را می دید بس بے بال و برگ
بے غرض میکرد آندم اعتراف | کز ذکاوت راندیم اسپ از گزاف
از غرورے سرکشیدم از رجال | آشنا کردیم در بحر خیال
آشنا ہیچ است اندر بحر روح | نیست آنجا چارہ جز کشتی نوح
کاشکے او آشنا ناموختے | تا طمع در نوح و کشتی دوختے
این چنین فرمود آن شاہ رسل | کہ منم کشتی دریں دریائے کل
یا کسے کو در بصیرتہائے من | شد خلیفہ راستین در جائے من
کشتی نوحیم در دریا کہ تا | رو نگردانی ز کشتی اے فتی

ہمچو کنعان سوئے ہر کوہے مرو | از بنی لاعاصم الیوم شنو
می نماید پست این کشتی ز بند | می نماید کوہ فکرت بس بلند
پست منگر ہان وہان این پست را | بنگر آن فضل خدا پیوست را
در بلندی کوہ فکرت کم نگر | کہ یکے موجش کند زیر و زبر
گر تو کنعانی نداری باورم | گر دو صد چندین نصیحت آورم
گوش کنعان کے پذیرد این کلام | کہ برو مہر خدا ایست و ختام
کے گذارد موعظت بر مہر حق | کے بگرداند حدث حکم سبق
لیک می گویم حدیث خوش پئے | بر امید آنکہ تو کنعان نۂ
آخر این اقرار خواہی کرد ہین | ہم ز اول روز آخر را ببین
می توانی دید آخر را مکن | چشم آخر بینت را کور و کہن
ہر کہ آخر بین بود مسعود وار | نبودش ہر دم بره رفتن عثار
گر نخواہی ہر دمے این خفت و خیز | کن ز خاک پائے مردم چشم تیز
کحل دیدہ ساز خاک پاش را | تا نیندازی سر اوباش را
کہ ازین شاگردی وزین افتقار | سوزنے باشی شوی تو ذو الفقار
سرمہ کن تو خاک ہر بگزیدہ را | ہم بسوزد ہم بسازد دیدہ را
چشم روشن کن ز خاک اولیا | تا ببینی ز ابتدا تا انتہا
چشم اشتر زان بود بس نور بار | کو خورد از بہر نور چشم خار

خار خور تا گل برویاند ترا ۔۔۔ چشم تو روشن شود جان با صفا

خار را از چشم دل گر بر کنی ۔۔۔ چشم جان را حق بہ بخشد روشنی

قصه شکایت استر با شتر که من بسیار در رو می افتم در راه رفتن و تو کم می افتی چون ست و جواب گفتن شتر

اشترے را دید روزے استرے ۔۔۔ چونکہ با او جمع شد در آخرے

گفت من بسیار می افتم بروے ۔۔۔ در گریوه و را در بازار و کوے

کز چه در رو می فتم بسیار من ۔۔۔ در ره ہموار و ناہموار من

خاصه از بالائے کہ تا زیر کوه ۔۔۔ در سر آیم ہر زمانے از شکوه

کم ہمی افتی تو در رو بہر چیست ۔۔۔ یا مگر خود جان پاکت دولتی ست

در سر آیم ہر دم و زانو زنم ۔۔۔ پوز و زانو زان خطا پر خون کنم

کژ شود پالان و رختم بر سرم ۔۔۔ وز مکاری ہر زمان زخمے خورم

ہمچو کم عقلی کہ از عقل تباه ۔۔۔ بشکند توبہ بہر دم از گناه

سخرۀ ابلیس گردد در زمن ۔۔۔ از ضعیفی رائے آن توبہ شکن

در سر آید ہر زمان چون اسپ لنگ ۔۔۔ کہ بود بارش گران در راه سنگ

می خورد از غیب بر سر زخم او ۔۔۔ از شکست توبہ آن ادبار خو

باز توبہ می کند از رائے سست ۔۔۔ دیو یک تف کرد و توبہ را شکست

ضعف اندر ضعف کبرش آنچنان — که بخواری بنگرد در واصلان

ای شتر که تو مثال مؤمنی — کم فتی در رو و کم بینی زحی

تو چه داری که چنین بی آفتی — بی عثاری و کم اندر روفتی

گفت گرچه هر سعادت از خداست — درمیان ما و تو بس فرقهاست

سربلندم من دو چشم من بلند — بینش عالی امانست از گزند

از سر که من ببینم پای کوه — هر گو و هموار را من توه وتوه

همچنانکه دید آن صدر اجل — پیش کار خویش تا روز اجل

آنچه خواهد بود بعد بست سال — داند اندر حال آن نیکوخصال

حال خود تنها ندید آن متقی — بلکه حال مغربی و مشرقی

نور در چشم و دلش سازد سکن — بهر چه سازد پی حب الوطن

همچو یوسف کو بدید اول بخواب — که سجودش کرد ماه آفتاب

از پس ده سال بلکه بیشتر — آنچه یوسف دیده بد بر کرد سر

نیست آن ینظر بنور الله گزاف — نور ربانی بود گردون شکاف

نیست اندر چشم تو آن نور او — هستی اندر حس حیوانی گرو

تو ز ضعف چشم بینی پیش پا — تو ضعیف و هم ضعیفت پیشوا

پیشوا چشم ست دست و پای را — کو ببیند جای را نا جای را

دیگر آنکه چشم من روشن‌تر است — دیگر آنکه خلقت من اطهر است

زانکہ ہستم من ز اولاد حلال | نے ز اولاد زنا و اہل ضلال
تو ز اولاد زنائی بیگمان | تیر کژ پرد چو کژ باشد کمان

تصدیق کردن استر جواب اشتر را و اقرار آوردن بفضل او برخود و استعانت خواستن و پناہ گرفتن و نواختن شتر او را و راہ نمودن باو

گفت استر راست گفتی ای شتر | این بگفت و کرد چشم از اشک تر
ساعتی بگریست در پایش فتاد | گفت اے بگزیدۂ رب العباد
چہ زیان دارد کہ از فرخندگی | ور پذیری تو مرا در بندگی
فضل تو بر من فزونست از شمار | ہم بفضل خود مرا معذور دار
گفت چون اقرار کردی پیش من | رو کہ رستی تو ز آفات زمن
دادی انصاف و رہیدی از بلا | تو عدو بودے شدی ز اہل ولا
خوئے بد در ذات تو اصلی نبود | کز بد اصلی نیاید جز جحود
آن بد عاریتی باشد کہ او | آرد اقرار و شود او توبہ جو
ہمچو آدم زلتش عاریہ بود | لاجرم اندر زمان توبہ نمود
چونکہ اصلی بود جرم آن بلیس | رہ نبودش جانب توبہ نفیس
رو کہ رستی از خود و از خوئے بد | وز زبانہ نار و ز دندان دو

رو کہ اکنون دست در زلت زدی — در فگندی خود بہ بخت سرمدی
ادخلی چون فی عبادی یافتی — ادخلی فی جنتی دریافتی
در عبادش راہ کردی خویش را — رفتی اندر خلد از راہ خفا
اہدنا گفتی صراط المستقیم — دست تو بگرفت و بردت تا نعیم
نار بودی نور گشتی اے عزیز — غورہ بودی گشتی انگور و مویز
اختری بودی شدی تو آفتاب — شاد باش اللہ اعلم بالصواب
اے ضیاء الحق حسام الدین بگیر — شہد خویش اندر فگن در جوی شیر
تا رہد آن شیر از تغییر طعم — یابد از بحر مزہ تکثیر طعم
متصل گردد بدان بحر الست — چونکہ شد دریا ز ہر تغییر رست
منفذے یابد در ان بحر عسل — آفتے را نبود اندر وے عمل
غرہ کن شیر وار اے شیر حق — تا رود آن غرہ بر ہفتم طبق
چہ خبر جان ملول سیر را — کے شناسد موش غرۂ شیر را
بر نویس احوال خود با آب زر — بہر ہر دریا دلے نیکو گہر
آب نیل ست این حدیث جانفزا — یا ربش در چشم قبطی خون نما

عقل وو ہم کی حالت ایسی ہے جیسے کہ حضرت عزیر کے لڑکوں کی۔ قصہ ان کا یہ ہے کہ وہ تلاش پدر مین جلتے ہوئے لوگوں سے حضرت عزیر کی حالت دریافت کرتے تھے وہ بڈھے ہو گئے تھے اور ان کے باپ جوان تھے کیونکہ جوانی مین انتقال فرمایا تھا اور سو برس تک مردہ رہے تھے اور سو برس کے بعد

حق سبحانہ نے انکو دوبارہ اسی حالت پر زندہ کیا تھا جسپر انہون نے انتقال فرمایا تھا پس ایسی حالت مین حضرت عزیر دفعتاً انکے سامنے آگئے چونکہ یہ بڈھے تھے اور وہ جوان اسلئے یہ اپنے باپ کو نہ پہچان سکے اور دریافت کیا کہ اے مسافر ہمارے عجیب وغریب باپ عزیر کی بھی تجھے کچھ خبر ہے کیونکہ کسی نے ہم سے کہا ہے کہ آج ناامیدی کے بعد عزیر باہر سے آئینگے انھون نے (توریۃً) فرمایا جی ہان میرے بعد آئین گے (جسکا مطلب یہ تھا کہ کمبختو میں تمہارے سامنے موجود ہون اور تم مجھے نہیں پہچانتے اور سمجھتے ہو کہ عزیر کوئی اور ہیں جو میرے بعد آئین گے فاندفع شبھۃ الکذب عن کلام عزیر علیہ السلام) بس ایک لڑکے کو تو انکے لہجہ کی طرف التفات نہ ہوا اور اسکو خبر پر محمول کیا اور یہ خبر سنکر خوش ہوا اور جوش مین کہا کہ اے خوشخبر دینے والے خدا کرے تو خوش رہے کہ تو نے ہمیں خوشخبری سنائی۔ دوسرے نے اُنکے طرز ادائے مضمون کو سمجھ لیا اور پہچان لیا کہ یہ عزیر ہین اور بیہوش ہو کر گر پڑا اور بزبان حال کہا کہ اے یہ خبر کا کیا موقع ہے ہم تو شکر کی کان میں پہونچ گئے اور ہمیں تو ہمارا مطلوب مل گیا۔ بس یہی حالت عقل و وہم کی ہے کہ وہم کے لئے ایک شے خبر ہوتی ہے اور عقل کے نزدیک مشاہد۔ اور وہم کے نزدیک خبر ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہم ظاہر بین ہے اور ظاہر مین وہ شے موجود نہیں ہوتی پس یہ فقدان کا پردہ اسپر پڑا ہوتا ہے اور اسلئے وہ اُسے نہیں دیکھ سکتا۔ پھر اس خبر کی دو شانین ہوتی ہین کہ کافروں کیلئے تکلیف دہ ہے اور مومنین کیلئے خوش کن مگر بینا کے نزدیک وہ مشاہد ہے کیونکہ وہ عاشق ہوتا ہے اور عاشق مشاہدہ مین مستغرق ہوتا ہے اسی لئے اس کا مرتبہ کفر و ایمان تقلیدی سے بالاتر ہوتا ہے۔ کفر سے بالاتر تو اسلئے کہ کفر جہل ہے اور اسکو علم کا اعلی درجہ حاصل ہے اور ایمان تقلیدی سے اسلئے کہ وہ تصدیق بدون مشاہدہ ہے اور یہ تصدیق مع المشاہدہ اسلئے کفر و ایمان تقلیدی گویا کہ اس عاشق کی حالت کے دربان ہین کیونکہ مغز درحقیقت وہ ہے اور کفر و ایمان اُسکے دو پوست ہین۔ (ف) مولانا نے کفر و ایمان کو حالت عاشق کا دربان قرار دیا ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ جس طرح وہ شخص جو کسی امیر تک پہونچنا چاہتا ہے اسکو اول مختلف ڈیوڑھیون کے دربانوں سے واسطہ پڑتا ہے اور دربانون سے گذر کر امیر تک پہونچتا ہے یون ہی مشاہدہ حق سبحانہ تک پہونچنے کیلئے ضرورت ہوتی ہے کہ اول آدمی کفر سے نجات پائے اُسکے بعد ایمان تقلیدی سے آگے بڑھے تب مشاہدہ تک رسائی ہوتی ہے اس مناسبت کے سبب کفر و ایمان کو مشاہدہ کا دربان کہا اور پوست دونوں کو اسلئے کہا کہ یہ دونون مشاہدہ سے ادنی اور غیر مقصود ہین اور مقصود اصلی مشاہدہ ہے کفر کا غیر مقصود ہونا تو ظاہر ہے رہا ایمان تقلیدی سو گو وہ

ایک درجہ مین مقصود ہے لیکن مشاہدہ کے درجہ مین مقصود نہیں اسلئے اسکے لحاظ سے گویا کہ غیر مقصود ہے تو ایک وجہ تو پوست ہونے کی یہ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض مغز متعدد پوستوں مین مخفی ہوتے ہین اور مغز کو حاصل کرنے کیلئے ضرورت ہوتی ہے کہ اول ایک پوست کو الگ کیا جاوے پھر دوسرے پوست کو یون ہی تحصیل مشاہدہ کیلئے ضرورت ہے کہ اول کفر سے نجات پائی جاوے۔ پھر ایمان تقلیدی سے آگے بڑھا جاوے تب مشاہدہ حاصل ہوگا ھذا ما عندنا واللہ اعلم بالصواب وما قال المحشون فی تقریرہ فغیر صحیح عندی ولا کاف للحل) اس مقام پر ایک شبہ ہوتا تھا وہ یہ کہ آپنے کفر وایمان تقلیدی کو پوست کہکر دونوں کو یکسان کردیا۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ اس کا جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہین کہ گو ہم نے دونوں کو پوست کہا ہے مگر پوستون مین بھی آپس میں فرق ہوتا ہے اسلئے کفر وایمان میں بھی فرق ہے کیونکہ کفر ایک قشر خشک ہے جوکہ مغز مشاہدہ حق سبحانہ سے روگردان ہے اور ایمان ایک ایسا قشر ہے جوکہ مغز سے لذت حاصل کئے ہوئے ہے اسلئے کفر چوطھے میں ڈالنے کے قابل ہے اور ایمان تقلیدی قابل اختیار ہے کیونکہ قشر خشک جلانے کی قابل ہین اور جلائے جاتے ہین اور جو قشر مغز سے ملے ہوتے ہیں وہ اچھے ہوتے ہیں لیکن مغز ان سے بھی اچھا ہوتا ہے کیونکہ وہ بالذات لذت بخش ہوتا ہے اور قشر مین جو لذت ہوتی ہے وہ مغز ہی کی ہوتی ہے جو اسنے اتصال کے سبب حاصل کرلی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ کفر مردود ہے اور ایمان تقلیدی پسندیدہ ہے۔ اور مشاہدہ مقصود اصلی ہے۔ خیر یہ گفتگو تو ختم ہی نہ ہوگی اسلئے لوٹنا چاہئے تاکہ میرا موسے بحر کے دھوین اُڑائے۔

(ف) اس شعر کے حل میں ولی محمد نے کہا ہے کہ یہ انتقال ہے قصہ موسے علیہ السّلام کی طرف جو متفرق طور پر سابق مین گذر چکا ہے۔ لیکن مولانا کو پھر کچھ یاد آگیا اسلئے اُس قصّہ کو چھوڑدیا اور مضمون زاہد کو بیان کرنا شروع کردیا۔ اسکے بعد پھر اس قصہ کو دو کا مدش پیغام از وحی مہم،، سے شروع کیا اور کہا ہے کہ از بحر گرد برآوردن سے مراد اسکو خون کردینا ہے مگر میرے نزدیک یہ رائے صحیح نہیں کما سیجی تفصیلہ بلکہ میرے نزدیک موسے سے مراد حق سبحانہ یا حسام الدین ہین اور بحر سے مراد بحر معارف ہے اور گرد برآوردن سے مراد استقصار بیان معارف ہے اور باز گرد سے مقصود دو از ہزاران من نمی گویم یکے الخ کی طرف لوٹنا ہے)

اچھا سنو اُن بزرگ نے کہا کہ یہ مضمون عوام کی سمجھ کے مطابق بیان کیا گیا ہے اور جو مضمون کہ اُن کی سمجھ سے باہر تھا اسکو چھپا لیا گیا ہے۔ یہان سے مولانا مضمون ارشادی بیان فرماتے ہیں اور قصور فہم عوام کا نشا متعین فرماتے ہوئے کہتے ہین کہ تمہاری عقل کا سونا برادہ کیا ہوا ہے پس برادہ پر میں سکہ

کیونکر قایم کرسکتا ہون یعنی تمہاری عقل سیکڑون ضروریات زائد اور ہزارون آرزوؤں اور جمع مال کثیر پر منقسم ہے اور ہزارون فکرین تمہین لاحق ہین اسلئے اول تمہین اپنی پراگندہ عقل کو عشق کے ذریعہ سے جمع کرنا چاہئے کیونکہ عشق کا قاعدہ ہے کہ طبیعت جو چارون طرف بٹی ہوتی ہے اسکو ایک مرکز پر لاکر جمع کردیتا ہے اس سے تم کو یہ فائدہ ہوگا کہ تم معارف کے سمجھنے کے قابل ہوجاؤ گے اور تمہارا باطن ان سے سمرقند اور دمشق کی طرح گلزار ہوجائیگا۔ اور اگر تم اپنی عقل جزدی کو جسکو اشتباہ اور وہم کہنا زیبا ہے ایک جَو کی برابر جمع کرلوگے تو تمپر بادشاہ کا سکہ قایم کیا جاسکتا ہے جس سے تم ٹکسال ہوجاؤ گے اور اگر ایک مثقال سے زیادہ جمع کرلوگے تو بادشاہ تم سے ایک زرینہ جام بنائیگا۔ جو بادشاہ کی حضوری میں رہے گا۔ اور اسپر بادشاہ کا نام اور القاب اور صورت چھاپی جاویگی۔ خلاصہ یہ کہ اجتماع خیالات بعشق سبحانہ کے بعد تم مقبول حق سبحانہ اور اسکی حضوری کے قابل ہوجاؤ گے۔ اور عقل کو بذریعہ عشق کے اس درجہ مجتمع کرنا چاہئے کہ وہ "جدھر دیکھتا ہون اُدھر تو ہی تو ہے" صادق ہوجاوے۔ روٹی بھی معشوق ہوجاوے پانی بھی چراغ بھی حسین بھی نقل و شراب بھی (ف تا کہ الخ جمع باید کرد سے متعلق ہے اور جو جوئے چون الی آخر البیت الثالث جملہ معترضہ ہے) ہم پھر کہتے ہین کہ جمعیت خاطر حاصل کر کیونکہ اجتماع خواطر موجب رحمت ہے (اس میں تلمیح ہے قول جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ید اللہ علی الجماعۃ کی طرف) اور جمعیت خاطر اسلئے حاصل کر تا کہ میں تجھ سے حقیقت حال بیان کرسکون اسلئے کہ کہنے کا مقصود تو یہ ہے کہ سننے والا یقین کرے اور جان شرک حقائق واقعیہ کے یقین سے آتی ہے۔ جان شرک سے وہ جان مُراد ہے جو اشیاء داخلہ فی جو الفلک مین منقسم ہے اور بہت سے خیالات مین مشترک ہے۔ ایسی حالت میں اس مطالب ثبوت کیلئے ہماری خموشی ہی ہمارے بیان کا بہتر ثبوت ہے اسلئے کہ وہ احمق ہے اور احمقوں کا جواب خاموشی ہے۔ اب فرماتے ہیں کہ مین یہ سب کچھ جانتا ہون کہ مخاطب نااہل اور احمق ہین اور احمقون کا جواب خموشی ہے لیکن کیا کروں میرا سُکر اور بیخودی یون ہی بلا قصد میرا منہ کھولدیتی ہے جسطرح کہ چھینک اور جمائی تمہارا منہ بلا ارادہ کھولدیتی ہے۔ (ف مستی تن سے مُراد مستی روحانی ہے نہ کہ جسمانی اور اضافت بسوئے تن بادنیٰ ملابست ہے اور اور بعض نسخون مین مستی من واقع ہے یہ انسب اور بے تکلف ہے) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح مین بھی اپنی گفتگو اور دُرہائے معارف بکھیرنے کے سبب ہر روز ستر دفعہ توبہ کرتا ہون۔ لیکن میری بیخودی پھر توبہ توڑ ڈالتی ہے کیون نہو یہ مستی جسمانی جو آدمی کو ننگا کردیتی ہے یعنی مستی شراب وغیرہ یہ

بھلا دینے والی ہے۔ پھر مستی روحانی تو اس سے ہزاروں درجہ بڑھی ہوئی ہے وہ کیوں نہ بھلا دیگی۔ اور اصل منشاء ان اسرار کے فاش ہونے کا یہ ہے کہ حق سبحانہ کی حکمت اس لمبی تاریخ اسرار کا اظہار چاہتی ہے۔ اسلئے اس رازدانوں پر بیخودی طاری کر دی ہے اور اسرار مخفیہ جو اس قدر مشہور ہو گئے اسکی وجہ یہی ہے کہ بتقدیر الٰہی چشمہ معارف اُبلنے لگا۔ پس حق سبحانہ کی رحمت بیحد ہر وقت ہر طرف جاری ہے۔ مگر اے لوگو تم سوئے ہوئے ہو اور تمھین اس کا احساس نہیں اور احساس نہ ہونا ہی چاہئے کیونکہ سونے والیکی حالت یہ ہوتی ہے کہ اس کا کپڑا ندی مین پڑا ہوا پانی پیتا ہوتا ہے اور وہ خواب مین سراب کا طالب ہوتا ہے۔ اور پانی کو چھوڑ کر وہان جاتا ہے جہان پانی کی امید ہوتی ہے اور اس غلط خیال سے وہ اپنے اوپر اصلی پانی کا رستہ بند کر لیتا ہے کیونکہ جب اسنے کہا پانی وہان ہے تو وہ اسکی تلاش مین وہان جاتا ہے اور اس جگہ سے جہاں پانی ہوتا ہے دور ہو جاتا ہے اور وہ ایک خیال محض کیلئے واقعی پانی سے جُدا ہو جاتا ہے اسلئے اسے پانی نہین مل سکتا۔ اب مولانا فرماتے ہین کہ یہ اہل دنیا دور بین ہیں اور ان کی ارواح خواب غفلت مین سو رہی ہین۔ پس اے سالکین راہ حق آپ حضرات ان لوگوں پر رحم فرما دین اور انہیں اس خواب خرگوش سے جگا دین۔ ہان تو مین نے کہا تھا کہ تم لوگ آب رحمت الٰہی کا احساس نہین کرتے اور سو رہے ہو اب کہتا ہون کہ مین نے تو نہین دیکھا کہ پیاس کے ہوتے نیند آئے ہاں احمق کی پیاس ضرور رفع ہو سکتی ہے۔ پس تم جو پیاسے ہو کر سوئے ہوئے ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم احمق ہو۔ اسپر کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ انکی عقل پر تو وہ دلائل موجود ہین جنکا انکار نہین کیا جا سکتا ہے جیسے علوم غریبہ و ایجادات عجیبہ وغیرہ ہیں ان کو بے عقل کیونکر کہا جا سکتا ہے اسلئے کہ یہ نتائج اُس عقل کے ہیں جو عطارد کے اثر سے پیدا ہوتی ہے اور وہ حقیقۃً عقل نہین ہے حقیقۃً عقل وہ عقل ہے جو حق سبحانہ سے فیضیاب ہو۔ اسلئے کہ اس دنیاوی عقل کی پیش بینی تو زیادہ سے زیادہ قبر تک ہوتی ہے اور اہل اللہ جنکی عقول حق سبحانہ سے مستفیض ہوتی ہین ان کی دوربینی قیامت تک ہوتی ہے۔ پس تم کو واضح ہو کہ یہ عقل قبر کی مٹی سے آگے نہیں چلتی اور یہ قدم متعارف میدان ہائے ظاہر کو تو طے کرتا ہے مگر میدان کو جو کہ محل عجائب ہے نہین طے کر سکتا اسلئے اسکو اس قدم اور اس عقل سے بیزار ہونا چاہئے اور چشم غیب بین طلب کر کے اس سے متمتع ہونا چاہئے۔ تم عقل کسبی کو کافی سمجھتے ہو۔ لیکن یاد رکھو کہ جو شخص مطیع استاد اور شاگرد کتاب ہے اور اس ذریعہ سے عاقل بنتا ہے وہ موسیٰ علیہ السلام کی طرح جیب سے نور نہین حاصل کر سکتا۔ اور اس نظر و فکر اور عقل مکسوب سے بجز سر چکرانے کے اور کچھ حاصل نہین ہوتا

اسلئے نظر و فکر کو چھوڑ کر انتظار رحمت حق سبحانہ اختیار کرنا چاہئے دیکھو معلمی سے شان نہیں بڑھتی اسلئے اس رفعت کا طالب ہونا چاہئے بلکہ انتظار رحمت کرنا چاہئے اور تعلیم کو چھوڑنا چاہئے کیونکہ منتظر رحمت کے لئے سُننا کہنے سے زیادہ اچھا ہے کیونکہ منصب تعلیم کی خواہش ایک قسم کی ہوائے نفسانی ہے اور راہ حق مین ہر وہ خیال جسکا منشا ہوائے نفس ہو گویا کہ ایک بُت ہے اور اس کا اتباع گویا کہ پرستش ہے غیر معبود کی اور پرستش غیر کا مانع از وصول الی الحق ہونا ظاہر ہے اسی لئے یہ خیال مذکور سلوک راہ حق سے مانع ہے۔ ہمنے تعلیم کی ممانعت کرکے تعلُّم کی اسلئے ترغیب دی ہے کہ بدون تعلُّم کے راہ یابی ناممکن ہے کیونکہ اگر ہر بیہودہ محض اپنی عقل سے حق سبحانہ کے فضل کا پتہ لگا لیتا تو حق سبحانہ اتنے انبیاء کاہے کو بھیجتے۔ بس ان کا بھیجنا خود دلیل ہے عقول ناقصہ کی ناکافی ہونیکی عقل جزوی (ناقص) کی تو ایسی مثال ہے جیسے بجلی اور اسکی چمک کہ اسکی چمک سے وخش وغیرہ مقامات کی طرف نہین چل سکتے اسلئے کہ بجلی کی چمک رہنمائی کیلئے نہین ہے بلکہ یہ تو حکم ہے ابر کیلئے رونے اور برسنے کا علی ہذا ہماری عقل کی بجلی بھی رونے کیلئے ہے تاکہ آدمی شوق و محبت حق میں روئے کیونکہ فنا مطلوب ہے اور فنا شوق و ذوق ہی مین ہے۔ نیز اہل دنیا بچے ہین اور بچّوں کی عقل یہ تو حکم کر سکتی ہے کہ مکتب چلو پڑھنا اچھی چیز ہے لیکن یہ نہیں کر سکتی کہ خود بخود علم حاصل کرلے علی ہذا اہل دنیا کی عقول یہ تو بتلا سکتی ہین کہ اہل اللہ معلم ہین ان سے علم حاصل کرنا چاہئے لیکن یہ نہین کر سکتے کہ خود بخود معرفت حاصل کرلین۔ نیز اہل دنیا بیمار ہین اور بیمارون کی عقلین یہ تو کہہ سکتی ہین کہ چلکر طبیب سے علاج کرانا چاہئے۔ لیکن وہ صحیح معالجہ نہین کر سکتین۔ علی ہذا اہل دنیا کی عقول اطبا و روحانی کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کر سکتے ہیں۔ مگر خود معالجہ نہین کر سکتین۔ شیاطین کو دیکھ لو کہ یہ آسمان پر جاتے تھے اور اسرار کو کان لگا کر سنتے تھے اور کسی قدر اسرار اُڑا بھی لیتے تھے مگر نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ شہابون کی مار پڑی اور ان کو آسمانوں سے ہٹا دیا گیا اور یہ حکم ہوا کہ جاؤ ایک رسول آئے ہین جو کچھ تم کو لینا ہو اُن سے تم کو ملیگا۔ براہ راست حاصل کرنیکی سعی فضول ہے اگر تمکو ان بیش بہا موتیوں کی ضرورت ہے تو انکو باقاعدہ حاصل کرو اور گھروں مین دروازوں سے آؤ جسکا مطلب یہ ہے کہ دروازہ پر کھڑے ہو کر زنجیر کھٹکھٹاؤ اور جب صاحب خانہ اجازت دے تب اندر جاؤ اور یہ حکم ہم تم کو اسلئے دیتے ہین کہ بام فلک کی جانب سے تمہارے لئے وصول الی اسرار الحق کی طرف راہ نہیں ہے۔ نیز تمہین اتنے لمبے رستہ کی قطع کرنے کی ضرورت بھی نہین ہے کیونکہ ہمنے ایک خاکی کو اسرار تفویض کر دئے ہین جن سے تم بھی لے سکتے ہو اگر تم خائن نہیں ہو تو اُن کے پاس آؤ

اوران سے اسرار حاصل کرکے نیشکر اور بامعنی بن جاؤ۔ اگرچہ اب تم محض بانس اور بے معنی ہو۔ خلاصہ یہ کہ تم لوگ خود تعلیم حاصل کرنیکی کوشش نہ کرو بلکہ ایک رہنما تلاش کرو۔ یہ رہنما تمہاری خاک سے سبزہ پیدا کریگا اور تم کو علوم و معارف کا ایک چمن بنادیگا کیونکہ وہ سم اسپ جبریل سے کم نہیں ہے۔ پس جبکہ سم اسپ جبریل سبزہ اُگا سکتا ہے تو وہ رہنما کیوں نہیں اُگا سکتا۔ پس اگر تم کسی جبریل کے گھوڑے کی خاک ہو جاؤ یعنی کسی صاحبدل کے منقاد بن جاؤ تو وہ نئے سرے سے تمہیں سرسبز اور تروتازہ کردیگا اور جو سبزہ کہ وہ رہنما اُگائیگا وہ اسی قسم کا سبزہ جان بخش ہوگا جسکو سامری نے گوسالہ مین داخل کیا تھا جس سے وہ جوہر حیات سے آراستہ ہوگیا تھا اور اس سبزہ سے زندہ ہوگیا تھا۔ اور یون بولنے لگا تھا کہ کفار کیلئے موجب فتنہ ہوگیا تھا۔

(ف عدوا اور کافران لوگوں کو باعتبار مآئول کے کہا ہے ورنہ وہ پہلے مسلمان تھے۔) دیکھو اگر تم واقفانِ اسرار کے پاس امین ہوکر جاؤ گے یعنی باقاعدہ تعلیم حاصل کروگے تو ایک روز تم باز کی طرح سر کی ٹوپی سے چھوٹ جاؤ گے۔ یعنی اس سر کی ٹوپی سے جسنے تمہاری آنکھین اور کان بند کر رکھے ہین کہ نہ تم حق سنتے ہو نہ اسرار دیکھتے ہو اور جس سے تمہاری روح بہت مغلوب اور خستہ ہوگئی ہے (سر کی ٹوپی سے مُراد ہوائے نفس ہے۔) اور چھوٹ جانیکی وجہ یہ ہے کہ محجوبین کی آنکھوں پر ٹوپی اسئے ہوتی ہے کہ ان کا پورا میل بازوں کی طرح اپنی جنس کی طرف ہوتا ہے۔ پس جبکہ وہ اپنے ہمجنسون سے قطع تعلق کرکے بادشاہ کے دوست بنجائینگے تو باز کی طرح ان کی آنکھیں کھول دیجائینگی اور وہ اسرار کا مشاہدہ کرسکین گے۔ غرضکہ حق سبحانہ نے شیاطین کو انکی گھات سے نکال دیا ہے اور عقل ناقص کو استقلال اور خودسری سے نکال دیا ہے باین معنی کہ اسکو نہایت کمزور بنایا ہے جس مین اشارہ ہے اس طرف کہ تم خودسری نکرو کیونکہ تم خودسر نہیں بنائے گئے ہو بلکہ تم اہل دل کے شاگرد اور صالح الاستقلال ہو۔ پس تم اہل دل کے پاس جاؤ کیونکہ تم اُن کے تابع ہو نہ کہ مستقل اور تم کو واضح ہو کہ تم اس بادشاہ عادل (صاحب دل) کے غلام ہو نہ کہ خود بادشاہ۔ اور یہ بندگی تمہارے لئے بادشاہ بننے سے بہتر ہے کیونکہ بندہ بننا تذلل اور تمسکن ہے اور بادشاہ بننا تکبّر و تجبّر اول صفت آدم ہے اور دوسری صفت ابلیس۔ کیونکہ اس نے کہا تھا انا خیر منہ۔ یعنی مین آدم سے بہتر ہون اسلئے میں ان کے سامنے تذلل کیون اختیار کرون۔ پس تم بندگی اور بادشاہی دونون کے فرق کو دیکھو اور ابلیس کے تکبّر کو چھوڑکر بندگی جو صفت ہے آدم علیہ السّلام کی اسے اختیار کرو۔ دیکھو جو راہ حق کے آفتاب ہین انھون نے فرمایا ہے طوبیٰ لمن ذلت لنفسہ یعنی بڑی اچھی حالت ہے اسکی جو منکسر المزاج اور مسکین طبع ہو پس تم کسی طوبیٰ کا سایہ دیکھکر اس

مین چین سے ہو جاؤ اور سر رکھدو اور اس سربلند کے سایہ مین سو جاؤ یعنی کسی عالی مقدار صاحب کمال کی خدمت
مین اسکے مطیع ہو کر رہو۔ دیکھو یہ تمسکن طبع اور انقیاد کا سایہ نہایت اچھی خواب گاہ ہے کیونکہ یہ ان لوگون کی
خواب گاہ ہے جو صفائی باطن کی استعداد رکھتے ہین پس تم اسے نہ چھوڑنا۔ کیونکہ اگر تم اس سایہ کو چھوڑ کر تکبر کی
طرف چلدئے تو بہت جلد گمراہ ہو جاؤگے اور راہ حق بھول جاؤگے۔ دیکھو تم تابع ہو نہ متبوع اسلئے تمکو چاہئے
کہ اطاعت شیخ اور استاد علم باطن کے امر کے سایہ مین تربیت پاتے ہوئے خاموش رہو۔ ہم پھر کہتے ہین
کہ تم تابع ہو اور تمہارا کام اطاعت ہے اسلئے خود خاموش رہو اور ان کا حکم مانو۔ اور خواہ مخواہ اپنے کو حاکم نہ بناؤ
ورنہ اگرچہ تم استعداد اور قابلیت معرفت رکھتے ہو مگر لات کمال سے مسخ ہو جاؤگے اور قابلیت قریبہ جاتی
رہیگی اور اگر تم استاد واقف کار سے سرکشی کروگے تو استعداد قریب سے بھی ہاتھ دھو بیٹھوگے (ف اسکی وجہ
ایک تو شامت عصیان ہے اور دوسری وجہ عقلی یہ ہے کہ قاعدہ ہے کہ آدمی جتنا جس قوت سے کام لیتا ہے اتنی
ہی اس قوت کو تقویت ہوتی ہے اور اسی قدر اسکی ضد ضعیف ہوتی ہے پس جبکہ یہ عصیان امر شیخ پر اصرار کریگا
تو جسقدر اصرار کریگا اتنی ہی قوت عصیان بڑھے گی اور قوت انقیاد مضمحل ہوگی اور جس قدر قوت انقیاد مضمحل ہوگی
اتنی ہی استعداد معرفت کم ہوگی کیونکہ حصول معرفت مبنی ہے انقیاد پر اور قوت انقیاد ضعیف اور مغلوب ہے تو
لامحالہ استعداد معرفت کمزور ہوگی اور گھٹتے گھٹتے معدوم کے درجہ پر پہونچ جاوگی اور بمنزلہ معدوم کے ہو جائیگی
لہذا تم موزہ دوزی کی مشقت پر صبر کرو اور اس مین تکلیف اٹھاؤ ورنہ صرف جوتیان گانٹھنے والے رہو گے
یہ لوگ جو اس وقت جوتیان گانٹھتے ہین اگر ان مین صبر اور تحمل ہوتا تو یہ لوگ علم کی بدولت آج تئے موزہ
بنانے والے کاریگر ہوتے۔ خلاصہ یہ کہ اگر اطاعت مشائخ سے جی چراؤگے تو ہمیشہ ناقص رہوگے اور کمال نصیب
نہ ہوگا۔ یہ لوگ جو اس وقت ناقص ہین اسکی وجہ یہی ہے کہ انھون نے کاملین کی اطاعت نہین کی ورنہ یہ بھی اس
وقت کامل ہوتے۔ خیر تو ہم نے کہا تھا کہ اگر تم موزہ دوزی سے جی چراؤگے تو ہمیشہ پارہ دوز رہوگے اب
ہم کہتے ہین کہ تم پارہ دوزی مین عمر بھر کوشش کروگے مگر آخر میں تمہین اپنی غلطی کا اقرار کرنا پڑیگا اور کہوگے
کہ واقعی عقل ایک زانو بند ہے جو کہ سلوک طریق معرفت سے روک دیتی ہے جس طرح کہ وہ فلسفی شخص (بو علی
سینا شیخ الفلاسفہ) موت کیوقت عقل کو بے ساز وسامان دیکھتا تھا اور محض بے نتیجہ و فائدہ اقرار کرتا تھا کہ
ہمنے ذکاوت کا گھوڑا فضول دوڑایا اور ذکاوت کے دھوکے مین آکر اہل اللہ کی اطاعت نہ کی اور خیالی سمندر میں
تیرتے رہے اب مولانا فرماتے ہین کہ یا دہ کہو کہ بحر روح یعنی بحر معرفت مین تیرنا یعنی ذکاوت سے کام لینا

بالکل بیکار ہے وہان توکشتی نوح یعنی اعانت اہل اللہ کی ضرورت ہے لے کاش یہ شخص تیر نا نہ جانتا اور علوم رسمیہ و ذکاوت و ذہانت سے عاری ہوتا تاکہ نوح اور انکی کشتی کی خواہش ہوتی یعنی وہ اہل اللہ سے طالب امداد ہوتا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس بحر بے پایان مین کشتی یا تو مین ہون یا وہ لوگ جو میرے بصیرتون مین تربیت پاکر میرے جانشین ہوئے ہین پس ہم دونون کشتی ہین دیکھنا تم اس کشتی سے منہ نہ موڑنا اور کنعان کی طرح پہاڑون (یعنی عقول دنیویہ) کی طرف نہ جانا اور قرآن سے ارشاد لاعاصم الیوم من امر اللہ الا من رحم سن لینا جو کنعان کی پناہ گزینی بکوہ کے متعلق فرمایا گیا ہے۔ تم چونکہ نظر بندی مین محبوس ہو اسلئے تمہین یہ کشتی معمولی شے معلوم ہوتی ہے اور اپنی عقل کے پہاڑ کو بڑا سمجھتے ہو لیکن خبردار اور پھر خبردار اس بظاہر حقیر کشتی کو واقع مین حقیر نہ سمجھنا اور حق سبحانہ کے اس فضل کو دیکھنا جو اس سے پیوستہ اور اس حقیر کشتی کے شامل حال ہے (یا یہ کہ تم اسکے ظاہر حقارت پر نظر کرکے اسے حقیر نہ سمجھنا بلکہ اس واصل بحق کشتی کی جلالت واقعیہ کو دیکھنا) اور اپنی کوہ عقل کی بلندی پر نظر نہ کرنا۔ کیونکہ ایک موج قہر اسکو زیر و زبر کر سکتی ہے۔ اب مولانا فرماتے ہین کہ مین کہتا تو ہون لیکن اگر تم کنعان ہو تو خواہ مین کتنی ہی نصیحت کرون مگر تم ہرگز نہ مانو گے۔ اسلئے کہ کنعان ان باتون کو بسمع قبول نہین سن سکتا۔ کیونکہ اسپر خدا کی مہر لگی ہوئی ہے اور نصیحت مُہر حق کو توڑ کر آگے نہین بڑھ سکتی اور یہ حادث حکم ازلی کو نہین بدل سکتا لیکن یہ خوش اثر گفتگو مین اس اُمید پر کرتا ہون کہ تم کنعان نہین ہو۔ خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا اب وہی مضمون سابق سنو دیکھو آخر مین تمہین اپنے قصور عقل کا اقرار کرنا پڑیگا۔ پھر ابتدا ہی مین نتیجہ کیون نہ دیکھ لو تم نتیجہ کو اگر دیکھنا چاہو تو دیکھ سکتے ہو۔ یہ دوسری بات ہی کہ تم اپنی چشم آخر بین کو اندھا کرلو پس تم ایسا نکرو اور اس سے کام لیکر نتیجہ پر ضرور نظر کرو۔ دیکھو جو شخص سعید اشخاص کی طرح آخر بین ہوتا ہے اُسے راہ چلنے مین ہردم لغزش نہین ہوتی۔ پس اگر تم چاہتے ہو کہ ہر بوقت یہ خفت وخیز (گرنا اور گر کر اُٹھنا) نہو تو اسکی صورت یہ ہے کہ نظر کو تیز کرو اور اسکی تدبیر یہ ہے کہ اہل اللہ کی خاک پا کا سرمہ آنکھون مین لگاؤ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم ٹھوکر نہ کھاؤ گے اور تمہارا بیہودہ سر زمین سے نہ ٹکرائے گا۔ کیونکہ اگر تم سوئی کی طرح ضعیف ہوگئے تو بھی اس شاگردی اور تذلل کے سبب تم ذوالفقار کی طرح قوی ہوجاؤ گے۔ پس تمہین چاہیئے کہ ہر مقبول حق سبحانہ کی خاک پا کو سرمہ بناؤ۔ یہ خاک لگتی تو ضرور ہے مگر آنکھ کے موافق ہے اسلئے اسے ٹھیک کردیتی ہے یعنی اطاعت وانقیاد اہل اللہ ناگوار تو ضرور ہے مگر آدمی کو کندن کردیتا ہے۔ پس تو ضرور یا لضرور

خاکِ پائے اولیاء اللہ سے اپنی آنکھ روشن کر۔ تاکہ ابتداء سے انتہا تک تجھے نظر آنے لگے۔ یعنی جسطرح ابتدائے کار نظر آتی ہے یوں ہی اس کا انجام بھی معلوم ہونے لگے دیکھو اونٹ کی آنکھ اسی لئے نور بار ہوتی ہے کہ وہ نور چشم حاصل کرنے کیلئے کانٹے کھاتا ہے (ف نور حاصل کرنے کیلئے کانٹے کھانا اسلئے ہے کہ اُن سے وہ غذا حاصل کرتا ہے اس چشم و روح کو قوت ہوتی ہے اور یہ قوت ابصار مین معین ہوتی ہے واللہ اعلم) پس تم بھی کانٹے کھاؤ یعنی تکلیف تعمیل حکم شیخ برداشت کرو تاکہ اس سے تمھارے اندر گلشن معرفت کھلے اور تمھاری آنکھون مین نور بڑھے اور روح کدورت نفسانیہ سے پاک ہو۔ دیکھو اگر تم خار حب جاہ کو چشم دل سے نکال ڈالو تو حق سبحانہ تمھاری چشم روح کو روشنی عطا فرماوینگے جس سے تم مین حقیقی دور بینی کی صفت پیدا ہو جاویگی۔ اب ہم تمھین ایک حکایت سناتے ہین جس سے تم کو دور بینی کے فوائد اور اطاعت دور بین کے منافع معلوم ہون۔ سنو ایک خچر اور ایک اونٹ ایک آخور پر جمع ہو گئے تو خچر نے اونٹ سے کہا کہ میں گڈھے مین رستہ مین بازار مین گلی مین غرض ہر مقام پر گر پڑتا ہون پس سمجھ مین نہین آتا کہ مین اس قدر کثرت سے ہموار اور ناہموار زمین مین کیون گرتا ہون بالخصوص پہاڑ کے اوپر سے اسکے نیچے بباعث خوف گر کر آجاتا ہون لیکن تم نہین گرتے یہ کیا بات ہے۔ شاید تمھاری جان چاک دولت اعانت خدا تعالیٰ رکھتی ہو۔ مین تو ہر دم سر کے بل گر جاتا ہون اور گھٹنون کو زمین پر مارتا ہون اور منہ اور گھٹنوں کو غلطی سے خون مین شرابور کر لیتا ہون۔ میرا پالان اور سامان بھی ٹیڑھا ہو کر میرے سر پر آپڑتا ہے اور کرایہ لینے والا بھی اس وجہ سے ہر دم مجھے مارتا ہے۔ اب مولانا فرماتے ہین کہ اس خچر کی حالت ایسی ہی ہے جیسے کم عقل آدمی کی کہ اپنی کم عقلی سے ہر مرتبہ گناہ کرکے توبہ توڑ دیتا ہے اور اپنی عقل کی کمزوری کے سبب وہ توبہ شکن اس وقت ابلیس کا مطیع ہو جاتا ہے اور ہر وقت وہ اس لنگڑے گھوڑے کی طرح سر کے بل گرتا ہے جسکا بوجھ بھاری ہو اور رستہ مین پتھر پڑے ہون وہ اوبار خصلت غیب سے توبہ شکنی کے سبب اپنے سر پر زخم بھی کھاتا ہے مگر پھر بھی اپنی کمزوری عقل کے سبب توبہ توڑ ڈالتا ہے۔ اسکی توبہ کی حالت یہ ہوتی ہے کہ شیطان نے ایک پھونک ماری اور اُسکی توبہ ٹوٹی اسقدر تو کمزور ہوتا ہے لیکن اسکے تکبر کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اہل اللہ کو بنظر حقارت دیکھتا ہے۔ اس مضمون استطرادی کو ختم کرکے فرماتے ہین کہ خچر نے اونٹ سے کہا کہ اے مومن کی مانند اونٹ تو منہ کے بل کم گرتا ہے اور کم ناک کو زمین پر مارتا ہے تجھ مین کیا وصف ہے کہ تو آفات سے اس قدر محفوظ ہے کہ نہ تجھے لغزش

لغزش ہوتی ہے اور نہ تو منہ کے بل گرتا ہے۔ اونٹ نے جواب دیا کہ یون خوش قسمتی خدا کی دین ہے لیکن اسباب ظاہرہ کے لحاظ سے بھی مجھ مین اور تجھ مین بہت فرق ہے اول تو میرا سر اونچا ہے اور اس وجہ سے میری آنکھین اونچی ہین اور میری عالی نظر مجھے ضرر سے محفوظ رکھتی ہے۔ میری یہ حالت ہے کہ مین پہاڑ کے اوپر سے اسکے نیچے تک گڈھے اور ہموار مقامات جو بکثرت ہوتے ہین دیکھ لیتا ہون۔ اب مولانا فرماتے ہین کہ اونٹ کی یہ حالت ایسی ہی ہے جیسی کہ ایک عارف کامل اپنے کام کرنے سے پہلے اس کے ان نتائج کو دیکھ لیتا ہے جو اسپر قیامت تک مرتب ہونیوالے ہین اور جسطرح سے کہ وہ بیس برس بعد ہونے والی بات کو فی الحال جان لیتا ہے اور وہ صرف اپنی ہی حالت نہین دیکھتا بلکہ ایک مغربی و مشرقی کی حالت بھی دیکھ لیتا ہے (ف واضح ہو کہ اس سے کشف کا اختیاری ہونا اور اس کا ہر وقت اور ہر حال مین اور ہر شخص اور ہر چیز کے متعلق ہونا مراد نہین بلکہ فی الجملہ اس کا تحقق مراد ہے خواہ فی بعض الاحیان وبعض الاحوال متعلقا ببعض الاشیاء ہو اسکو خوب سمجھ لینا چاہئے اور ہم دیگر مقامات پر بھی اسپر تنبہ کر چکے ہین) اور وجہ اسکی یہ ہوتی ہے کہ نور اسکی آنکھ اور اسکے دل مین گھر کر لیتا ہے اور کیون کر لیتا ہے اسلئے کہ وہ عالم ناسوت سے تعلق چھوڑ دیتا ہے اور عالم غیب پر عاشق ہوتا ہے اور عشق عالم غیب اور ترک ناسوت کا خاصہ ہے کہ اس سے نور پیدا ہوتا ہے (ف ھذا ھو المراد ولا تلتفت الی ما قال بحر العلوم) اہل اللہ کی پیش بینی کی ہم تمہین ایک مثال سناتے ہین۔ سنو حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب مین دیکھا تھا کہ مجھے چاند سورج اور دیگر ستارے سجدہ کر رہے ہین۔ چنانچہ دس سال بلکہ زیادہ کے بعد اس کا ظہور ہو گیا تو انھون نے اتنی مدت پیشتر دیکھا تھا اور اور کیون نہ ہوتا یہ ناظر بنور اللہ تھے اور نظر بنور اللہ غلط نہین ہو سکتی کیونکہ حق سبحانہ کا نور تو آسمانون سے پار ہو جانے والا ہے اور تم جو اس قدر پہلے سے نہین دیکھ سکتے اسکی وجہ یہ ہے کہ تمہاری آنکھ مین وہ نور ربانی نہین ہے بلکہ تم حس حیوانی مین محبوس ہو جو کہ ضعیف ہے اور ضعف بصر کے سبب بالکل قریب کی شے دیکھ سکتے ہو نہ کہ دور کی لہذا تم بھی ضعیف ہو اور تمہارا پیشوا بھی ضعیف ہے تمہارے پیشوا کو ہمنے اسلئے ضعیف کہا ہے کہ آنکھ پیشوا ہے ہاتھ اور پاؤن کا کیونکہ محل مناسب اور غیر مناسب کو وہی دیکھتی ہے اور ہاتھ پاؤن اس کا اتباع کرتے ہین اور ہم بتلا چکے ہین کہ یہ آنکھ کمزور ہے پس ضعف پیشوا ثابت ہو گیا (ھذا ھو الحق وما قال بعض المحشین ان قولہ نیست اندر چشم تو الخ مقولۃ للجمل فخطأ محض کما لا یخفی علی المتدبر فی قولہ

ہستی اندر چشم حیوانی گرد۔ واللہ اعلم) خیر تو اونٹ نے کہا کہ ایک تو یہ وجہ تھی جو ابھی بیان کر چکا ہون دوسری وجہ یہ ہے کہ میری آنکھ مین نور زیادہ ہے اور تیسری وجہ یہ ہے کہ مین طیب الولادت ہون کیونکہ مین حلال سے پیدا ہوا ہون اور زنازادہ اور گمراہون کی اولاد نہین ہون۔ بر خلاف تیرے کہ تو ولد الزنا ہے اور قاعدہ ہی کہ جب کمان ٹیڑھی ہوتی ہے تو تیر بھی ٹیڑھا ہی چلتا ہے۔ لہذا چونکہ وہ فعل جس سے تو پیدا ہوا تھا خود غلط تھا اسلئے اس کا اثر تجھ مین بھی ہونا چاہئے اور تجھکو غلطیان کرتی چاہئین یہ سنکر خچر نے کہا کہ یہ آپنے بہت صحیح فرمایا یہ کہکر رونے لگا۔ کچھ دیر تک رویا کیا اور اُسکے پاؤن مین پڑا رہا اسکے بعد کہا کہ اے برگزیدۂ حق سبحانہ اگر آپ مجھے اپنی غلامی مین لیلین تو آپ کا کیا نقصان ہے آپ مجھسے بہت بڑھکر ہین پس آپ اپنی عنایت سے مجھے اس غلطی مین کہ اب تک مین خود مر رہا اور آپ کی اطاعت نہ کی معذور سمجھین اور اپنی خدمت مین قبول کرلین اسپر اونٹ نے کہا کہ جب تم نے میرے سامنے اپنے نقص کا اقرار کرلیا تو اب تم بلیات زمانہ سی نجات پا گئے۔ اب تمنے انصاف کیا اور بلا سے چھوٹ گئے۔ پہلے تم دشمن تھے اور اب دوست ہو گئے ہو معلوم ہوا کہ یہ بری خصلت تمہاری ذات مین اصلی نہ تھی کیونکہ جسمین نظری برائی ہو وہ تو لا محالہ انکار ہی کرے گا۔ اب مولانا فرماتے ہین کہ وہ عارضی برا ہوتا ہے جو اپنے قصور کا اقرار کرے اور تائب ہو جاوے۔ جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام کہ وہ ان کی لغزش عارضی تھی اسلئے فوراً توبہ کرلی اور چونکہ شیطان کا جرم فطری تھا اسلئے وہ توبہ نہ کرسکا۔ اُسکے بعد اونٹ نے کہا اچھا جاؤ اب تم کو ایک بڑی دولت ملگئی ہے اور تم نے اپنے کو لازوال خوش قسمتی مین ڈال دیا ہے۔ اب مولانا فرماتے ہین کہ اسی طرح جب تم حق سبحانہ کے بندون مین داخل ہو گئے تو جنت مین داخل ہو گئے اور جبکہ تمنے اسکے بندون مین اپنی راہ کرلی تو غیر محسوس رستہ سے تم جنت مین پھو پچ گئے اور جب تم نے اھدنا الصراط المستقیم بصدق نیت کہا تو حق سبحانہ نے تمہارا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور تم کو جنت مین پھونچا دیا۔ اسکے بعد اونٹ نے کہا کہ اول تم نار تھے اور اب نور ہو گئے۔ اور پہلے تم انگور خام تھے اسکے بعد پختہ ہو گئے اور پھر مویز بن گئے اور پہلے تم ستارے تھے اب آفتاب ہو گئے لہذا خوش رہو چین کرو۔ خلاصہ یہ کہ تم پہلے ناقص تھے اب کامل ہو گئے (ف ہم نے "نار بودی" کو اونٹ کا مقولہ کہا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود مولانا ہی کے کلام کا تتمہ ہو) چونکہ اوپر نقصان سے مبدل بہ کمال ہونے کا بیان ہے اسلئے اب مولانا فرماتے ہین کہ اے ضیاء الحق حسام الدین آپ جوئے شیر مین شہد ملادین تاکہ وہ جوئے شیر مزہ بدلنے سے نجات پا یا جاوے اور مزہ کے سمندر سے مزید مزہ اُسے حاصل ہو جاوے۔ یعنی آپ ناقصین کو کامل کردین

تاکہ وہ بحر الست یعنی حق سبحانہ میں فنا ہو کر اس میں ملجائیں۔ اور اس ذریعہ سے نکس سے نجات پا جاویں کیونکہ جسطرح آب قلیل دریا میں ملکر ہر قسم کے تغیر سے محفوظ ہو جاتا ہے یون ہی آدمی حق سبحانہ میں فنا ہو کر نکس سے مامون ہو جاتا ہے پس آپ اسے اس شہد کے سمندر سے ملا دیجئے تاکہ اسکو اس سے تعلق ہو جاوے اور کوئی آفت اس میں اثر نہ کرے اور اے شیر حق آپ یون ڈکارئے کہ اسکی ڈکار ساتوین آسمان پر پہونچے۔ اب مولانا جملہ معترضہ کے طور پر فرماتے ہین کہ ناقصین اس غرہ سے متاثر نہین ہو سکتے۔ کیونکہ چوہا شیر کی ڈکار کو نہین پہچان سکتا اسکے بعد غرۂ کن لخ کی تشریح فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ آپ اپنے حالات آب زر سے لکھیئے تاکہ ہر دریا دل اور نیک ذات شخص کو نفع ہو اسکے بعد مولانا نااہلون اور حاسدون کیلئے بددعاء فرماتے ہین کہ اے اللہ مولانا حسام الدین کے احوال آب نیل کی طرح جانفزا ہین مگر توا نکو حاسدون کیلئے ناقابل انتفاع بنادیجئے اچھا اب اسکے متعلق ایک قصہ سنو۔

لابہ کردن قبطی سبطی را کہ یک ظرف بہ نیّت خویش از نیل پُر کن و بر لب من نہ تا بخورم بحق دوستی و برادرے کہ شما چو بر می دارید آب صاف است و چون ما بر می داریم خون صاف است

می شنیدم کہ درآمد قبطیے	از عطش اندر وثاق سبطیے
گفت ہستم یار و خویشاوند تو	گشتہ ام امروز حاجتمند تو
زانکہ موسی جادوئے کرد و فسون	تا کہ آب نیل ما را کرد خون
سبطیان زان آب صافی میخورند	پیش قبطی خون شد آب از چشم بند
قبطیان تک می مرند از تشنگی	از پئے ادبار خود یا بدرگی

بهر خود یک طاس را پُر آب کن   تا خورد از آبت این یار کهن

چون برائے خود کنی این طاس پُر   خون نباشد آب باشد پاک و حُر

من طفیل تو بنوشم آب هم   که طفیلی که در تبع بجهد ز غم

گفت اے جان جهان خدمت کنم   پاس دارم اے دو چشم روشنم

بر مراد تو روم شادی کنم   بندهٔ تو باشم آزادی کنم

طاس را از نیل او پر آب کرد   بر دهان بنهاد نیمے را بخورد

طاس را کژ کرد سوئے آب خواه   که بخور تو هم شد آن خون سیاه

باز ازین سو کرد کژ خون آب شد   قبطی اندر خشم و اندر تاب شد

ساعتے بنشست تا خشمش برفت   بعد ازان گفتش که اے صمصام زفت

اے برادر این گره را چاره چیست   گفت این را آن خورد کو متقی است

متقی آنست کو بیزار شد   از ره فرعون و موسےٰ وار شد

قوم موسیٰ شو بخور این آب را   صلح کن با مه ببین مهتاب را

صد هزاران ظلمت است از خشم تو   بر عباد الله اندر چشم تو

خشم بنشان چشم بکشا شاد شو   عبرت از یاران بگیر استاد شو

کے طفیل من شوی در اعتراف   چون ترا کفریست همچون کوه قاف

کوه در سوراخ سوزن کے رود   جز مگر آن کوه برگ که شود

کوه را کن با ستغفار خوش   جام مغفوران بگیر خوش بکش

تو بدین تزویر چون نوشی ازان ‌ ‌ چون حرامش کرد حق بر کافران

خالق تزویر تزویر ترا ‌ ‌ کے خرد اے مفتری مفترے

آل موسی شو که حیلت سود نیست ‌ ‌ حیله ات باد ہتی پیمود نیست

زہره دارد آب کز امر صمد ‌ ‌ گرد دو با کافران آبے کند

یا تو پنداری که تو نان میخوری ‌ ‌ زہر مارو کاہش جان میخوری

تا کجا اصلاح آن جائے کند ‌ ‌ کو دل از فرمان نان ده بر کند

یا تو پنداری که حرف مثنوی ‌ ‌ چون بخوانی رائگانش بشنوی

یا کلام حکمت و سرّ نہان ‌ ‌ اندر آید سہل در گوش کہان

اندر آید لیک چون افسانہا ‌ ‌ پوست بنماید نه مغز و دانہا

در سرو رو در کشیده چادرے ‌ ‌ رو نہان کرده ز چشمت دلبرے

شاہنامه یا کلیله پیش تو ‌ ‌ ہمچنان باشد که قرآن از عتو

فرق آنگه باشد از حق و مجاز ‌ ‌ که کند کحل عنایت چشم باز

ورنه پشک و مشک پیش اخشمی ‌ ‌ ہر دو یکسانست چون نبود شمے

خویشتن مشغول کردن از ملال ‌ ‌ باشدش قصد از کلام ذو الجلال

کاتش وسواس را و غصه را ‌ ‌ زان سخن بنشاند و سازد دوا

بہر این مقدار آتش شاندن ‌ ‌ آب پاک و بول یکسان شد بفن

آتش وسواس را این بول و آب ‌ ‌ ہر دو بنشانند ہمچون خمر و خواب

لیک گر واقف شوی زین آب پاک — کہ کلام ایزدست و روحناک

نیست گردد وسوسہ کلی زجان — دل بیابد رہ بسوئے گلستان

زانکہ در باغے و در جوئے پرد — ہر کہ از سر صحف بوئے برد

یا تو پنداری کہ روئے اولیا — آنچنانکہ ہست می بینیم ما

در تعجب ماندہ پیغمبر ازان — چون نمی بینند رویم مردمان

چون نمی بینند نور روم خلق — کہ سبق بردست بر خورشید شرق

ور ہمی بینند این حیرت چراست — تا کہ وحی آمد کہ آن رو در خفاست

سوئے تو ماہ ست و سوئے خلق ابر — تا نہ بیند رایگان روئے تو گبر

سوئے تو دانہ ست و سوئے خلق دام — تا ننوشد زین شراب خاص و عام

گفت یزدان کہ تراہم ینظرون — نقش حمامند ہم لا یبصرون

می نماید صورت این صورت پرست — کان دو چشم مردۂ او ناظرست

پیش چشم نقش می آری ادب — کہ چرا پاسم نمی دارد عجب

از چہ بس بے پاسخست این نقش نیک — کہ نمی گوید سلامم را علیک

می نہ جنباند سر و سبلت زجود — پاس آنکہ کردمش من صد سجود

حق اگرچہ سر نجنباند برون — پاس آن ذوقے دہد در اندرون

کہ دو صد جنبیدن سر ارزد آن — سر چنین جنباند آخر عقل و جان

عقل را خدمت کنی در اجتہاد — پاس عقل آنست کافزاید رشاد

حق نجنباند بظاہر سر ترا لیک سازد برسران سرور ترا
مر ترا چیزے دہد یزدان نہان کہ سجود تو کنند اہل جہان
آنچنان کہ داد سنگے راہنر تا عزیز خلق شد یعنی کہ زر
قطرۂ آبے بیابد لطف حق گوہرے گردد برد از زر سبق
جسم خاکست و چو حق تابیش داد درجہانگیری چو مہ شد اوستاد
ہین طلسم ست این و نقش مردہ است احمقان را چشمش از رہ بردہ است
می نماید او کہ چشمش می زند ابلہان سازیدہ اند او را سند

درخواستن قبطی دعای خیر و ہدایت از سبطی و دعا کردن سبطی قبطی را بخیر و مستجاب شدن آن دعا از اکرم الاکرمین حق تعالیٰ

گفت قبطی تو دعائے کن کہ من از سیاہی دل ندارم آن دہن
تا شود کہ قفل این دل وا شود زشت را در بزم خوبان جا شود
از تو مسخے صاحب خوبی شود یا بلیسی باز کرّوبی شود
یا بفر دست مریم بوئے مشک یابد و تری و میوہ شاخ خشک
سبطی آندم در سجود افتاد و گفت کاے خدائے عالم سر نہفت
سبطی و قبطی ہمہ بندہ تو اند عاجز امر تو اند و مستمند
جز تو پیش کہ برآرد بندہ دست ہم دعا و ہم اجابت از تو است

هم ز اول تو دهی میل دعا — تو دهی آخر دعاها را جزا

اول و آخر توئی ما در میان — هیچ هیچے که نباید در بیان

اینچنین می گفت تا افتاد طشت — از سر بام و دلش بیهوش گشت

باز آمد او بهوش اندر دعا — لیس للانسان الا ما سعے

در دعا بود او که ناگه نعرهٔ — از دل قبطی بجست و غرّهٔ

که هلا بشتاب و ایمان عرضه کن — تا ببرم زود زنار کهن

آتشے در جان من انداختند — مر بلیسے را بجان بنواختند

دوستی تو ز حب نا شگفت — حمد لله عاقبت دستم گرفت

کیمیائے بود صحبتهائے تو — کم مباد از خانه دل پائے تو

تو یکے شاخے بدی از نخل خلد — چون گرفتم او مرا در خلد برد

سیل بود آنکه تنم را در ربود — برد سیلم تا لب دریائے جود

من ببوئے آب رفتم سوئے سیل — بحر دیدم در گرفتم کیل کیل

طاس آوردش که اکنون آب گیر — گفت رو شد آبها پیشم حقیر

شربتے خوردم ز لله اشترے — تا به محشر تشنگی ناید مرا

آنکه جوئے و چشمها را آب داد — چشمهٔ اندر درون من کشاد

این جگر که بود گرم و آبخوار — گشت پیشش همت او آبخوار

کاف کافی آمده بهر عباد — صدق وعده کهیعص

کافیم بدہم ترا من جملہ خیر
بے سبب بے واسطہ یاری غیر

کافیم بے نان ترا سیری دہم
بے سپاہ و لشکرت میری دہم

کافیم بے دارویت درمان کنم
بے بہارت نرگس و نسرین دہم

کوہ را و چاہ را میدان کنم
بے کتاب و اوستا تلقین دہم

موسی را دل دہم با یک عصا
تا زند بر عالمے شمشیرہا

دست موسی را دہم یک نور و تاب
کہ طمانچہ می زند بر آفتاب

چوب را مارے کنم من ہفت سر
کہ نزاید مادہ مار او را ز نر

خون نیامیزم در آب نیل من
خود کنم خون عین آبش را بفن

شادیت را غم کنم چون آب نیل
کہ نیابی سوئے شادیہا سبیل

باز چون تجدید ایمان برتنی
باز از فرعون بیزاری کنی

موسے رحمت بہ بینی آمدہ
نیل خون بینی ازو آبے شدہ

چون سر رشتہ نگہداری درون
نیل ذوق تو نگردد ہیچ خون

من گمان بردم کہ ایمان آورم
تا ازین طوفان خون آبے خورم

من چہ دانستم کہ تبدیلے کند
در نہاد من مرا نیلے کند

سوئے چشم خود یکے نیلم روان
بر قرارم پیش چشم دیگران

ہمچنانکہ این جہان پیش نبی
غرق تسبیح ست و پیش ما ابی

پیش چشمش این جہان عشق و داد
پیش چشم دیگران مردہ و جماد

پست بالا پیش چشمش تیز رو ‌‌ از کلوخ و سنگ او نکته شنو

با عوام این جمله پست و مردہ ‌‌ زین عجب تر من ندیدم پردہ

گورہا یکسان بہ پیش چشم ما ‌‌ روضہ و حفرہ بہ پیش اولیا

عامہ گفتندے کہ پیش چشم تان ‌‌ می نماید او ترش اے امتان

یک زمان در چشم ما آئید تا ‌‌ خندہا بینید اندر ہل اتیٰ

از سر امرودین بنماید آن ‌‌ منعکس صورت بزرآ اے جوان

آن درخت ہستیت امرودبن ‌‌ تا برانجائی نماید نو کہن

تا برانجائے بہ بینی خار زار ‌‌ پرز کژدمہائے خشم و پرز مار

چون فرود آئی بہ بینی رائگان ‌‌ یک جہان پر گلرخان و دائگان

چون فرود آئی فرود آید ترا ‌‌ در درون اسرار فیض کبریا

مین نے سنا ہے کہ ایک قبطی پیاس کے سبب ایک سبطی کے گھر آیا اور کہا کہ مین تمہارا دوست اور عزیز ہون آج مجھے تم سے کام پڑا ہے کیونکہ موسےؑ نے سخت جادو کیا ہے جتّے کہ ہمارے لئے آب نیل کو خون بنا دیا ہے سبطی لوگ اس سے صاف پانی پیتے ہین اور قبطی کیلئے اسکی نظر بندی سے وہ پانی خون ہوگیا اسلئے قبطی لوگ پیاسے مررہے ہین خواہ اپنی بدنصیبی سے جیساکہ ہمارا خیال ہے یا اپنی شرارت سے جیساکہ موسےؑ کا دعوی ہے۔ لہذا اس وقت تم سے یہ کہنا ہے کہ تم اپنے لئے پانی کا ایک طشت بھر لاؤ۔ اسوقت وہ خون نہو سکیگا۔ مین بھی تمہارے طفیل مین پانی پیلون گا۔ کیونکہ طفیلی اصل شخص کے تابع ہو کر غم سے چھوٹ جایا کرتا ہے سبطی نے کہا کہ مین آپ کی خدمت کیواسطے موجود ہون اور مین آپ کا آپکی قرابت اور دوستی کے سبب لحاظ کرون گا اور آپکی خواہش کے موافق کام کرون گا اور خوش ہون گا اور آپکی غلامی کرون گا۔ اور اسے آزادی سمجھون گا۔ یہ کہکر وہ گیا اور طشت کو پانی سے بھرا اور منہ سے لگا کر آدھا پانی پی لیا

اسکے بعد اس شخص کی طرف جھکایا اور کہا کہ لو پیو اسکی طرف جھکاتے ہی وہ خون سیاہ بن گیا اسکے بعد پھر اپنی طرف جھکایا تو وہ خون پھر پانی ہو گیا۔ قبطی نے یہ حالت دیکھکر بہت پیچ وتاب کھایا اور تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ یہانتک کہ اس کا غصہ فرو ہو گیا۔ اسکے بعد اسنے کہا کہ بھائی جان یہ تو بتاؤ کہ آخر یہ عقیدہ کیونکر حل ہو۔ سبطی نے کہا اصل بات یہ ہے کہ اس پانی کو پرہیزگار شخص پی سکتا ہے اور پرہیزگار وہ ہے جو فرعون کے طریق سے بیزار ہو جاوے اور موسےٰ جیسا بنجاوے۔ پس تم موسیٰ کا اتباع کر کے اُن کے گروہ مین داخل ہو جاؤ اور مزہ سے پانی پیو۔ اور چاند سے صلح کر کے چاندنی دیکھ لو۔ یعنی موسےٰ علیہ السلام سے صلح کر کے ان کی برکت دیکھ لو۔ اب تک تمھاری محرومی کی وجہ یہ ہے کہ تمکو بندگان خدا پر غصہ ہے اور اس سے تمھاری آنکھون مین سیکڑون تاریکیان پیدا ہو گئی ہین جنکے سبب تم موسیٰ علیہ السلام کی برکات کو نہین دیکھ سکتے۔ پس تم غصہ کو دور کرو اور آنکھ کھولو اور برکات موسیٰ علیہ السلام دیکھکر خوش ہو۔ اور اپنے دوستون یعنی ہم لوگون کی حالت سے عبرت حاصل کر کے کامل بنجاو۔

رف وما قال ولی محمد یعنی از انکہ بسبب خشم بر عباد اللہ چشم شان تاریک شدہ است پندے بگیر وھو وھم منہ منشاہ لفظ العبرۃ او لفظ یاران واللہ اعلم) جبکہ تمھارا کفر ایسا عظیم الشان ہے جیسا کوہ قاف تو پھر تم پانی پینے مین میرے طفیلی کیسے ہو سکتے ہو کیونکہ طفیلی بننے سے اسیوقت کام چل سکتا ہے جبکہ گنجائش ہو ورنہ پہاڑ سوئی کے سوراخ مین نہین گھس سکتا۔ الا وہ پہاڑ جو برگ کاہ بنجاوے۔ پس تم اپنے کوہ کفر کو استغفار سے برگ کاہ بنالو اور مغفوران کا جام لیکر مزہ سے پیو۔ تم چاہتے ہو کہ دھوکہ سے پی لو۔ لیکن جبکہ حق سبحانہ نے اسے کافرون پر حرام کر دیا ہے تو تم چال سے اسے کیسے پی سکتے ہو۔ اور جسنے کہ چالبازی کو پیدا کیا ہے وہ چال مین کیسے آجائیگا۔ اور تمہاری چال کیسے قبول کرے گا۔ پس اگر تمہین پانی پینا ہے تو چال نکرو کیونکہ چال بالکل بیسود ہے اور سچے دل سے موسےٰ کے متبع ہو جاؤ تمہارا چال کرنا فضول کوشش ہے۔ اور اس کا کچھ نتیجہ نہین۔ کیونکہ پانی کی طاقت نہین ہے کہ وہ حق سبحانہ کے حکم سے پھر جاوے اور کافرون کے حق مین پانی بن جاوے۔ اب مولانا خطاب کو عام کر کے فرماتے ہین کہ کچھ پانی ہی کی تخصیص نہین بلکہ ہر چیز کی یہی حالت ہے چنانچہ تم روٹی کھاتے ہو تو گیا تم سمجھتے ہو کہ روٹی کھاتے ہو ہرگز نہین بلکہ سانپ کا زہر اور موجب کاہش جان شے کھا رہے ہو۔ کیونکہ روٹی کبھی اس شخص کی اصلاح نہین کر سکتی جو کہ دل کو حق سبحانہ کے فرمان سے ہٹالے۔ بلکہ اسکو بجائے نفع کے نقصان پھونچاتی ہے کہ شہوت وغضب

وغیرہ بڑھاتی ہے جو اسکے لئے مہلک ہین یا تم سمجھتے ہو کہ جب تم مثنوی کو فضول پڑھو گے تو تم اسکو سن سکتے ہو اور اس سے فائدہ مقصود حاصل کر سکتے ہو ہرگز نہین یا تم خیال کرتے ہو کہ کوئی کلام مشتمل بر حکمت و اسرار ذلیل لوگون کے کانون مین آسانی سے پہونچ سکتا ہے ہرگز نہین۔ وہ ضرور کانون مین پہونچتا ہے لیکن محض افسانون کی طرح۔ اور اس کا پوست دکھلائی دیتا ہے اور مغز و دانہ نہین دکھلائی دیتے اس لئے اس مغز کی یہ حالت ہوتی ہے جیسے کوئی دلبر چادر مین سر اور چہرہ تمہاری نظر سے چھپائے۔ اور ایسی حالت مین شاہنامہ و کلیلہ اور قرآن تمہاری سرکشی کی وجہ سے تمہارے حق مین دونون یکسان ہوتے ہین ان کے حقیقت اور مجاز ہونے کا فرق تم کو اسوقت محسوس ہو سکتا ہے جبکہ عنایت و فضل ایزدی تمہاری آنکھین کھولدے۔ ورنہ فاقد حس شامہ کے نزدیک مینگنی اور مشک دونون برابر ہین کیونکہ قوت شامہ تو ہے نہین جو ممیز ہے پھر تمیز کیونکر ہو۔ ہم نے کلام اللہ اور شاہنامہ وغیرہ کو اسلئے یکسان کہا ہے کہ جسطرح شاہنامہ پڑھنے سے مطلوب جی بہلانا ہے۔ یون ہی محجوب قاری قرآن کا مقصود ملال کی طرف سے اپنی طبیعت کو ہٹانا ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ آتش خیالات پراگندہ و غم و غصہ کو بجھادے اور اس کا علاج کہرے سو اتنی بات یعنی صرف آگ بجھانے کیلئے تو پانی (کلام اللہ) اور پیشاب (شاہنامہ وغیرہ) دونون بجھادیتے ہین جسطرح کہ شراب بھی غم و غصہ و خیالات پراگندہ کی آگ کو بجھادیتی ہے اور نیند بھی حالانکہ نیند پانی ہے اور شراب پیشاب۔ افسوس کہ تمہین کلام اللہ کی حقیقت معلوم نہین اسلئے تم اسے جی بہلانے کیلئے پڑھتے ہو۔ لیکن اگر تمہین معلوم ہو جائے کہ یہ کلام پاک خدا کا کلام ہے اور سراسر روحانیت سے لبریز ہے۔ تو تمھاری جان مین وسواس کا نام بھی نہ رہے اور تمہارا دل گلستان غیب کی سیر کرنے لگے۔ کیونکہ جو شخص اسرار صحف منزلہ و کتب سماویہ پر مطلع ہو جاتا ہے وہ باغ غیب اور اسکی نہر مین پہونچ جاتا ہے۔ خیر یہ تو ہو چکا اب تم یہ بتلاؤ کہ کیا ہم لوگ اولیاء اللہ کی وہ صورت دیکھ سکتے ہین جو کہ ان کی واقع مین ہے ہرگز نہین۔ چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعجب ہوا تھا۔ کہ یہ لوگ میری صورت کیون نہین دیکھتے۔ اور کیون نہین دیکھتے کہ میرا چہرہ تنور مین آفتاب مشرق سے زیادہ ہے۔ اور اگر دیکھتے ہین تو پھر متحیر کیون ہین۔ اور میری تصدیق کیون نہین کرتے۔ اسپر وحی آئی تھی کہ آپکے تعجب کا منشا یہ ہے کہ آپ اپنے چہرہ کو ظاہر خیال فرماتے ہین حالانکہ ایسا نہین بلکہ وہ چاند ابر مین مستور ہے اور وہ چاند آپ کی طرف ہے اسلئے آپ اسے دیکھتے ہین اور ابر لوگون کی طرف اسلئے وہ اس چاند کو نہین

سب سے بڑی غرض قرآن سے آتش خیالات کا بجھانا ہو تو کلام اللہ اور پیشاب (شاہنامہ وغیرہ)

دیکھ سکتے اور مقصود اس اخفا کا یہ ہے کہ ناقدر دان کفار بیفائدہ اسے نہ دیکھ سکین اور آپکی طرف داعیہ ہے
اور ان کی طرف جال۔ اسلئے آپ اس دانہ سے منتفع ہو سکتے ہین اور وہ لوگ منتفع نہین ہو سکتے اور مقصود
اس سے یہ ہے کہ اس طعام خاص کو عام نہ کھا سکین (کھانے سے مراد تمتع بالنظر ہے نہ کہ تمتع بالایمان و
التصدیق۔ اور خواص مومنین ہین اور عوام کفار اور مقصود وہی ہے جو پہلے شعر کا تھا یعنی حکمت اس مین
یہ ہے کہ کفار بیفائدہ اسے نہ دیکھ سکین کیونکہ بہر حال ایمان تو یہ لوگ نہ لائین گے تو انکو کیون اس دولت سے
منتفع کیا جاوے جو مومنین کا حصّہ ہے) اب مولانا فرماتے ہین کہ ان کفار کی وہی حالت ہے جو حق سبحانہ
نے بتون کی بیان فرمائی ہے چنانچہ فرمایا ہے وترٰھم ینظرون الیک وھم لا یبصرون یعنی یہ بت محض
تصویرہائے بیجان ہین۔ لیکن اے بت پرستو وہ تمہین ایسے معلوم ہین جیسے کہ ان کی دونون واقع مین بیجس
آنکھین دیکھنے والی ہون اور اسی لئے تم ان کے سامنے تعظیم کرتے ہو۔ اور جب اس کا ان پر کچھ اثر نہین ہوتا
تو متعجب ہو کر کہتے ہو کہ آخر یہ میرا کیون نہین خیال کرتا اور یہ بت اتنا بے جواب کیون ہے کہ میرے سلام کا
جواب بھی نہیں دیتا۔ اور نہ یہ ہی کرتا ہے کہ میرے اس قدر سجدون کا لحاظ کر کے سر یا ہونٹ ہی ہلاوے
اب مولانا ایک شبہ کا جواب دیتے ہین جو اس گفتگو سے پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ بتون کے بیجان ہونے کو
اس قرینہ سے ثابت کیا ہے کہ وہ اپنے پوچھنے والیکو جواب نہین دیتے اور سر بھی نہین ہلاتے۔ سو یہ ہی قرینہ
بعینہ خدا کے بیجان ہونیکا ہو سکتا ہے۔ اسلئے کہ وہ بھی جواب نہین دیتا اور سر نہین ہلاتا۔ پس فرماتے
ہین کہ یہ صحیح ہے کہ حق سبحانہ بھی اپنے عبادت کرنیوالے کی عبادت کا لحاظ کر کے سر نہین ہلاتے لیکن وہ اس سے
بڑا کام کرتے ہین وہ یہ کہ باطنِ عابد مین ایک خاص حلاوت پیدا کر دیتے ہین جسکی قیمت سیکڑون سر ہلانا
ہین اور جس کا اثر یہ ہے کہ عقل وجان جھومنے لگتی ہین پس یہ دلیل ہے حق سبحانہ کے ادراک عبادتِ عابد
اور اسکی قدر کی۔ دیکھو تم عقل کی بیحد خدمت کرتے ہو تو وہ اسکی قدر کیا کرتی ہے یہی کہ ہدایت بڑھا دے
اور سر نہین ہلاتی حالانکہ مدرک ہے۔ پس ایسا ہی حق سبحانہ کو سمجھو کہ وہ بھی سر نہیں ہلاتے مگر تمہارے اندر
ایک ایسی بات پیدا کر دیتے ہین کہ اسکے سبب اہل جہان تمہین سجدہ کرتے ہین۔ جیسے کہ اس نے ایک جماد
کو یہ صفت دیدی کہ لوگ اسے بیحد عزیز رکھتے ہین اور وہ جماد کون ہے سونا۔ علی ہذا پانی کے ایک قطرہ
پر عنایت حق سبحانہ ہوتی ہے۔ تو وہ موتی ہو جاتا ہے اور سونے سے بھی بڑھ جاتا ہے ایسے ہی جسم
انسانی فی نفسہ خاک ہے لیکن جبکہ حق سبحانہ نے اسے ادراک وغیرہ کی چمک عطا فرمادی تو چاند کی طرح

جہانگیری مین کامل ہوگیا۔ اب مولانا نصیحت فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ دیکھو خبردار تم دھوکا نہ کھانا اور اسکو بذاتہ مدرک و قادر و نافع وضار وغیرہ نہ سمجھہ جانا بلکہ یہ حق سبحانہ کا بنایا ہوا ایک طلسم ہے اور فی نفسہ ایک بیجان تصویر ہے مگر اس ظاہری حالت نے بیوقوفون کو مغالطہ مین ڈالدیا ہے اور چونکہ وہ بظاہر متصرف قادر و نافع و ضار وغیرہ معلوم ہوتا ہے اسلئے ان بیوقوفون نے اسپر اعتماد کرلیا ہے اور خدا کو بھول گئے ہین جسنے اس مین یہ صفات پیدا کی ہین (هذا هو المرام وزلت اقدام المحشين في حل هذا المقام والله اعلم) خیر یہ گفتگو تو استطرادی تھی اب سنو کہ قبطی نے سبطی کی نصیحت سنکر کہا کہ مین تو اپنی سیاہی قلب کے سبب وہ منہ نہین رکھتا جسکی دعا مقبول ہو اسلئے تم میرے لئے دعا کرو تاکہ شاید میرے دل کا قفل کھلجاوے اور ہدایت اس مین داخل ہوسکے اور مین گمراہ ہدایت یافتہ لوگونکے گروہ مین شامل ہوجاؤن آپ کی تو یہ حالت ہے کہ اگر کسی کی صورت مسخ ہوگئی ہو تو تمہاری برکت سے وہ صاحب خوبی ہوسکتا ہے یا اگر شیطان بھی ہو تو وہ بھی نئے سرے سے مقرب فرشتہ ہوسکتا ہے یا یون کہون کہ آپکے مریم علیہا السلام کی طرح مبارک ہاتھ سے ایک شاخ خشک تری اور میوہ اور بوئے مشک پاسکتی ہے یہ سنکر سبطی زمین مین گر پڑا اور یون دعا شروع کی۔ اے خدائے عالم الغیب والشہادہ سبطی و قبطی یعنی مومن و کافر سب تیرے بندے ہین اور تیرے حکم قضا کے سامنے سب عاجز و مقہور ہین۔ پس مین تیرے سوا کسی کے سامنے ہاتھ پھیلا سکتا ہون دعا بھی آپ ہی کی طرف سے ہے اور اس کا قبول کرنا بھی آپ ہی کی جانب سے ہے اور ابتدا مین دعا کی خواہش بھی آپ ہی پیدا کرتے ہین اور آخر مین دعاؤن پر نتیجہ بھی آپ ہی مرتب کرتے ہین اسلئے اول بھی آپ ہی ہین اور آخر بھی آپ ہی۔ اور ہم درمیان مین یون ہیچ ہین کہ بیان نہین ہوسکتا۔ غرضکہ وہ اسی طرح دعا کرتا رہا یہان تک کہ آفتاب غروب ہوگیا اور اسپر بیہوشی طاری ہوگئی۔ پھر ہوش مین آکر اُسنے دعا شروع کی۔ کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ جسقدر زیادہ جد و جہد کرونگا اتنا ہی مجھے اس کا نتیجہ ملیگا۔ کیونکہ آدمی کو وہی ملتا ہے جسکے لئے وہ سعی کرتا ہے۔ بالآخر اسے اس جد و جہد کا نتیجہ مل گیا اور وہ دعا ہی مین مصروف تھا کہ یکایک قبطی کے دل سے ایک نعرہ اور ایک شور نکلا یعنی یہ کہ جلدی آکر مجھے ایمان کی تلقین کیجئے تاکہ مین اپنا کفر کا پرانا جنیئو توڑ دون اور مسلمان ہوجاؤن۔ قضا و قدر نے میری جان مین آگ لگادی اور غایت کرم سے مجھ ابلیس کی عزت افزائی فرمائی۔ خیر خدا کا شکر ہے کہ آپکی دوستی نے جس کا منشا ایک عجیب و غریب محبت تھی انجام کار میری دستگیری فرمائی۔ آپ کی صحبتین میرے

لئے کیمیا تھین - خدا کرے آپ کا میرے خانۂ دل مین آنا ہمیشہ رہے آپ میرے لئے جنت کے درخت کے
ایک شاخ تھے جسکو مین نے پکڑ لیا تو اُسنے مجھے جنت مین پھونچا دیا - اور وہ ایک سیلاب تھا جو مجھے بہا لے گیا
اور مجھے دریائے جود (حق سبحانہ) تک پھونچا دیا - (سیلاب سے مراد خود سبطی ہے) مین تو پانی کی توقع
مین سیل کی طرف بڑھا تھا یعنی تمہاری طرف آیا تھا مگر اس تک پھونچکر مجھے دریا (حق سبحانہ) ملگیا جس سے
مین نے آب معارف کے خوب پیمانے بھرے - خیر جب وہ قبطی ایمان لے آیا تو سبطی ایک طشت پر
آب لایا اور کہا کہ اب پانی پیو - اسپر اسنے کہا کہ بس اب میرے نزدیک پانی کی کوئی وقعت نہین رہی اب
مین حق سبحانہ کی عبدیت کا شربت پی چکا ہون جس سے مجھے قیامت تک پیاس نہ لگے گی - کیونکہ جسنے
ندیون اور چشمون کو پانی عطا کیا ہے اسنے میرے اندر ایک چشمہ معارف کھولدیا ہے اور یہ جگر جو پہلے
آتش تشنگی سے گرم اور پانی کا طالب تھا - اب اسکی ہمت کے آگے پانی بیوقعت ہوگیا ہے اور وہ آب
رحمت کا طالب بنگیا ہے - اب مولانا اس دعوے کو مدلل فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ یہ امر کچھ بعید نہین
کیونکہ حق سبحانہ بصدق وعدہ اپنے بندون کیلئے کافی ہین چنانچہ وہ فرماتے ہین کھیعص جسکا مطلب یہ ہے
کاف ھو لکم یا عباد اللہ صادقا - یعنی مین تمہارے لئے کافی ہون اور مین تم کو بدون اسباب و
وسائط اور امداد غیر کے ہر بہتری عطا کر سکتا ہون اور مین تمہارے لئے کافی ہون - اسلئے تمہارا پیٹ
بدون روٹی کے بھر سکتا ہون اور تمہین بدون لشکر کے سرداری عطا کر سکتا ہون اور مین کافی ہون
اسلئے بدون دوا کے تمہارا علاج کر سکتا ہون اور پہاڑون اور کنوون کو میدان بنا سکتا ہون یعنی
تمہاری تمام مشکلات کو آسان کر سکتا ہون اور مین بدون بہار کے تمہین نسرین و نرگس عطا کر سکتا ہون
اور بدون کتاب و استاد کے تعلیم کر سکتا ہون - پس اگر میری حکمت مقتضی ہوگی تو مین ایسا کرونگا
پس تم کو اسباب کے پیچھے نہ پڑنا چاہئے - اور مجھپر نظر رکھنی چاہئے - میری یہ شان ہے کہ موسیٰ علیہ السلام
کو ایک مضبوط دل اور ایک لاٹھی عطا کرتا ہون جسکا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ ایک عالم کو تہ تیغ کر دیتے ہین
حالانکہ یہ بات اسباب عادیہ کے بالکل خلاف ہے اور مین موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کو ایک ایسی چمک
اور روشنی عطا کرتا ہون جو آفتاب کے طمانچہ لگاتی اور اسپر غالب آجاتی ہے حالانکہ اسمین کسی سبب ظاہری
کو دخل نہین - نیز مین لکڑی کو سات مُنہ والا سانپ بنا دیتا ہون جو نر و مادہ سے پیدا نہین ہوتا یہ بھی
سبب عادی کے خلاف ہے اور مین دریائے نیل مین خون نہین ملاتا بلکہ خود اس پانی ہی کو خون بنا دیتا ہون

یہ بھی کسی سبب عادی کا نتیجہ نہین ہے۔ نیز مین تمہاری خوشی کو آب نیل کی طرح سے وہ غم بنا دیتا ہون کہ اُسکے ہوتے ہوئے تم کو کوئی خوشی نہین ہوسکتی۔ لیکن جب تم پھر تجدید ایمان کر لیتے ہو اور فرعون نفس سے بیزار ہو جاتے ہو تو پھر دیکھتے ہو کہ ہمارا موسیٰ رحمت آ ملا ہے اور وہ نیل خون (غم) پھر اسکی برکت سے پانی (خوشی) بنجاتا ہے۔ لیکن اگر تم رشتہ تعلقات کو اپنے باطن مین محفوظ رکھو اور ہم سے قطع تعلق نکرو تو تمہارا نیل ذوق باطنی کبھی خون نہ ہو اور تم ہمیشہ مزہ مین رہو خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا اب سنو کہ اس قبطی نے یہ بھی کہا کہ مین تو سمجھتا تھا کہ ایمان مین اس غرض سے لاتا ہون کہ اس طوفانِ خون یعنی دریائے نیل سے پانی پی سکون یعنی مین ایمان کا صرف یہ ہی فائدہ سمجھتا تھا۔ لیکن مجھے کیا خبر تھی کہ ایمان میری قلب ماہیت کردے گا اور خود میری ذات مین میرے لئے ایک رود نیل بنا دیگا۔ اب میری یہ حالت ہے کہ اپنی نظر مین مین خود ایک بہنے والا رود نیل ہون گو اورون کی نظر مین ویسا ہی ہون جیسا کہ تھا۔ اب مولانا فرماتے ہین کہ تم کو اس حالت سے تعجب نہ ہو چاہئے کیونکہ اسکی نظائر اور بھی موجود ہین مثلاً یہ جہان جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مین تسبیح خوان ہے اور ہم محجوبین کی نظر مین غیر تسبیح خوان اور انبیا کی نظر مین وہ عشق اور انصاف سے لبریز ہے اور دوسرون کی نظرون مین بحس اور جماد محض ہے۔

(ف) داد سے مراد انصاف مع اللہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اس سے محبت اور اسکی اطاعت کی جاوے اور یہ بھی ممکن ہے کہ لفظ وداد بواو ہو اور ود بمعنی حب سے مشتق ہو اس وقت یہ تفسیر ہوگی لفظ پر عشق کی واللہ اعلم) اور ان کی نظر مین آسمان وزمین امتثال اوامر حق سبحانہ اور اسکی تسبیح مین سرگرم ہین اور وہ ڈھیلے اور پتھرون سے نکتہ سنتے ہین۔ یعنی عوام کی ساتھ ان کا یہ معاملہ ہے کہ ان کیلئے وہ محض حقیر اور بحس ہین۔ مین نے اس سے زیادہ عجیب پردہ ہی نہین دیکھا کہ ایک ہی شے ہے اور ایک کیلئے ذی شعور ہے اور دوسرے کیلئے محض بیجان۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ اب دوسری نظیر سنو۔ قبرین ہمکو یکسان معلوم ہوتی ہین۔ لیکن انبیا کی نظر مین ان مین امتیاز ہوتا ہے کہ کوئی جنّت کا باغیچہ ہوتی ہے اور کوئی آگ کا گڑھا۔ نیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو کہ عام لوگ اُن کی حالت سے تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ تو بہت محبت کے آدمی تھے اب بدمزاج کیونکر ہوگئے۔ اور خاص لوگ کہتے تھے کہ وہ تم کو بدمزاج معلوم ہوتے ہین تھوڑی دیر کیلئے ہماری نظر حاصل کر لو۔ اس وقت تمھین اس انسان کامل کے اندر بہت سی ہنسیان نظر آئین گی اور وہ تم کو نہایت خوش مزاج معلوم ہون گے۔

(ف میرے نزدیک ھل اتی سے مراد انسان کامل ہے کیونکہ اس مین انسان کی حالتون سے بحث کیگئی ہے۔ اور آپ اس کا فرد کامل ہین۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ھل اتی سے مُراد من انزل علیہ ذلک ہو۔ واللہ اعلم) اب مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ یہ الٹی صورتین تمہین امرود کے درخت پر سے دکھائی دیتی ہین پس اگر تم انکو واقعی حالت پر دیکھنا چاہو تو نیچے اُتر آؤ اس وقت وہ اشیاء تمکو اسی طرح نظر آئینگی جسطرح کہ وہ ہین امرود کے درخت سے ہماری مراد تمہاری خودی اور ہستی کا درخت ہے پس اس سے نیچے اُتر آؤ یعنی اسکو چھوڑ دو اور خودی کو فنا کردو ورنہ جب تک تم اسپر چڑہے رہو گے اور خودی کو نہ چھوڑو گے اسوقت تک تم الٹا ہی دیکھو گے اور نئی شئ پُرانی معلوم ہوگی اور پُرانی نئی وہکذا۔ اور جب تک تم وہان رہو گے اس وقت تک تم کو ایک عالم خارزار اور غضم ور بچھوون اور سانپون سے بھرا ہوا معلوم ہوگا اور جب اس درخت سے نیچے اُتر آؤ گے اسوقت تم بے تکلف عالم کو حسینون اور مربیون سے پُر پاؤ گے۔ نیز جبکہ تم اس درخت پر سے اُتر آؤ گے تو تم اپنے باطن کو اسرار خداوندی سے لبریز پاؤ گے۔ (ف خار اور سانپون اور بچھوؤن سے مراد اشیاء ناسوتیہ مضرہ ومانعہ من الوصول الی الحق ہین۔ اور گلرخون اور دانون سے مقصود اسماء وصفات حق سبحانہ ہین جو کہ فی نفسہ حسن اور مربی عالم ہین واللہ اعلم)

حکایت آن زن پلید کار کہ شوہر را گفت این خیالات از سر امرود بن می نماید فرود آتا آن خیالات برود و اگر کسے گوید کہ آنچہ مرد مید ید خیال نبود جواب آنست کہ این مثال ست نہ مثل و ہمین کافی ست

آن زنے میخواست تا با مول خود	بر زند در پیش شوئے گول خود
پس بشوہر گفت زن کای نیکبخت	می برآیم میوہ چیدن بر درخت

چون برآمد بر درخت آن زن گریست — چون ز بالا سوی شوهر بنگریست

گفت شوهر را که ای مابون رد — کیست آن لوطی که بر تو می فتد

تو بزیر آن چو زن بغنوده — ای بغا تو خود مخنث بوده

گفت شوهر نی سرت گوئی بگشت — ورنه اینجا نیست غیر من بدشت

زن مکرر کرد کای بی حوصله — کیست بر پشتت فرو خفته هله

گفت ای زن هین فرود آ از درخت — کز سرت گشتست و خرف گشتی تو سخت

چون فرود آمد برآمد شوهرش — زن کشید آن مرد را اندر برش

گفت شوهر کیست این ای روسپی — که ببالای تو آمد چون کپی

گفت زن نی نیست اینجا غیر من — هین سرت برگشته شد هرزه متن

او مکرر کرد بر زن آن سخن — گفت زن این هست از امرودبن

از سر امرودبن من همچنان — کژ همی دیدم که تو ای قلتبان

پس فرود آتا ببینی هیچ نیست — این همه تخییل از امرودبن است

هزل تعلیم ست آنرا جد شنو — تو مشو بر ظاهر هزلش گرو

هر جدی هزلست پیش هازلان — هزلها جدست پیش عاقلان

کاهلان امرودبن جویند لیک — تا بدان امرودبن راهیست نیک

نقل کن زامرودبن اکنون برو — گشته نو خیره چشم و خیره رو

این منی و هستی اول بود — که ازو دیده کژ و احول بود

چون فرود آئی ازین امرودبن	گر نماید فکرت و چشم و سخن
یک درخت سخت بینی گشته این	شاخ او بر آسمان ہفتمین
چون فرود آئی ازو گردی جدا	مبدلش گرداند از رحمت خدا
زین مواضع گر فرود آئی خدا	راست بینی بخشد آن چشم ترا
راست بینی گر بدے آسان چنین	مصطفٰی کے خواستے از رب دین
گفت بنما جزو جزو از فوق و پست	آنچنانکہ پیش تو آن جزو ہست
بعد ازان بر رو بران امرودبن	کہ مبدل گشت و سبز از امر کن
چون درخت موسوی شد این درخت	چون سوے موسے کشایندی زرخت
آتش ورا سبز و خرم می کند	شاخ او انی انا اللہ می زند
زیر ظلش جملہ حاجات روا	این چنین باشد الٰہی کیمیا
آن منی و ہستیت باشد حلال	کہ درو بینی صفات ذوالجلال
شد درخت کج مقوم حق نما	اصلہ ثابت و فرعہ فی السماء

تمہارے درخت ہستی کی ایسی مثال ہے جیسے اس امرود کے درخت کی جسکی حالت قصۂ ذیل مین مذکور ہے اور وہ قصّہ یہ ہے کہ ایک عورت چاہتی تھی کہ اپنے احمق شوہر کے سامنے اپنے آشنا کیساتھ ہم صحبت ہو پس

حاشیہ گو دونون مین اس جہت سے فرق ہے کہ درخت ہستی پر سے جو چیزین نظر آتی ہین وہ تو واقع مین معکوس ہین اور درخت امرود پر سے جو واقعہ مرد نے دیکھا وہ خلاف واقعہ نہ تھا لیکن دونون مین اتنی بات مین اشتراک ہے کہ درخت ہستی پر سے ہی وہ چیزین نظر آتی ہین جو اس سے نیچے اترنے کی حالت مین نظر نہین آتین اور درخت امرود پر سے بھی مرد کو وہ واقعہ نظر آیا تھا جو اسنے نیچے اتر کر نہ دیکھا اور یہی مناسبت تمثیل کیلئے کافی ہے ۱۲ منہ

اس نے شوہر سے کہا کہ مین امرود توڑنے کیلئے درخت پر چڑہتی ہون اُسنے اجازت دیدی اور وہ درخت پر چڑھگئی جب درخت پر چڑھگئی تو شوہر کو دیکھکر رونے لگی اور کہا کہ او مردود بابون یہ کون لوطی ہے جو تجھپر سوار ہے اور تو عورت کی طرح اسکے پیچھے پڑا ہے۔ ارے نامردود تو تو مخنث ہے شوہر نے یہ سنکر جواب دیا کہ ایسا نہین تیرا سر چکرا گیا ہوگا اس سے تجھے ایسا معلوم ہوتا ہوگا ورنہ جنگل مین میرے سوا کوئی ہے ہی نہین پھر مین یہ فعل کس سے کراتا۔ عورت نے دوبارہ پھر کہا کہ او بے حوصلہ یہ تیری پیٹھ پر کون پڑا ہے اسپر اسنے کہا کہ بیوی تم نیچے آکر دیکھ لو یہان کوئی نہین ہے اور سمجھو کہ تمہارا سر پھر گیا ہے اور تمہارے حواس درست نہین رہے ہین خیر وہ تو نیچے اُتر آئی اور اس کا شوہر اس درخت پر چڑھا اب وہ عورت اپنے آشنا سے ہم آغوش ہوگئی۔ یہ دیکھکر خاوند نے کہا کہ او فاحشہ یہ کون ہے جو تجھپر بندر کی طرح چڑھا ہے اولے اسنے کہا غلط ہے یہان میرے سوا کوئی نہین تمہارا سر پھر گیا ہے بیہودہ باتین نہ کرو۔ اس نے پھر عورت سے یہی کہا۔ اسپر عورت نے کہا کہ یہ اس امرود کے درخت کا اثر ہے مین بھی تو درخت کے اوپر سے ایسا ہی دیکھتی تھی آپ نیچے اُتر آئیے اور دیکھ لیجئے یہان کچھ نہین ہے یہ سب تخیلات اس درخت کا اثر ہین۔ اب مولانا اس شبہ کو دفع کرتے ہین جو اس فحش قصہ کے بیان کرنے پر عام طور پر دل مین پیدا ہوتا یعنی مولانا نے بزرگ ہوکر یہ فحش قصہ کیون بیان کیا اور تقریر جواب یہ ہے کہ یہ فحش قصہ محض تعلیم کیلئے ہے تم اس سے نصیحت حاصل کرو اور اس ہزل کو جد سمجھو اور یہ جو بظاہر ہزل ہے تو تم اسکے ظاہر ہی کے پابند نہ رہو۔ رہی یہ بات کہ آخر نصیحت کیلئے ہزل ہی کو کیون اختیار کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو دل لگی باز ہین ان کے نزدیک تو سچی بات بھی دل لگی ہی ہے پس انکو ترک ہزل سے بھی فائدہ نہ ہوتا۔ اور جو عاقل ہین اُنکے نزدیک ہزل بھی جد ہے اور دل لگی بات بھی سچی بات ہے اسلئے ہزل سے انکو کوئی ضرر نہ ہوا۔ پس جبکہ اسکے ترک سے کوئی معتد بہ فائدہ نہ تھا اور اسکے لانے سے کوئی نقصان نہوا تو ہم نے اسی قصہ کو بیان کردیا اور کوئی اور عنوان اختیار کرنے کیلئے کاوش نہ کی۔ اب مولانا فرماتے ہین کہ کاہل لوگ امرود کے اُس درخت کو طلب کرتے ہین جو صحیح النظر بناتا ہے مگر اس عظیم الشان درخت تک اس مقام سے جہان وہ ہین بہت فاصلہ ہے جسکو یہ لوگ کاہل رہکر طے نہین کرسکتے۔

(هذا هو المراد وزل قدم المحشين فقالوا ما قالوا) پس لے کاہل کا ئنامن کان ہم تجھ سے اسکی تحصیل کا طریقہ بیان کرتے ہین تو کاہلی کو چھوڑکر اس طریق سے اسے طلب کر اس صورت سے یہ تجھے

مل جاویگا اور وہ طریقہ یہ ہے کہ کوشش اور سعی کرکے اس امرود کے درخت سے منتقل ہو جا جسپر چڑھکر تو خیرہ چشم اور خیرہ رو ہوا ہے (ف خیرہ رو بیہودہ گرد و ملبوس و پریشان و سرکش و الکل محتمل) اور وہ ہستی اول اور خودی ہے جس سے آدمی غلط بین ہوتا ہے اسلئے ہماری مراد اُس امرود کے درخت سے جسکے چھوڑنے کی ہم نے رائے دی ہے یہی خودی اور ہستی ہے۔ پس جب تو بعد جد و جہد کے اُس درخت سے اُتر آئیگا اسوقت تیری عقل اور آنکھ اور گفتگو ٹیڑھی نہ رہے گی اور تو اس درخت امرود کو سخت سدرہ دیکھیگا اور تو دیکھے گا کہ اسکی شاخیں ساتویں آسمان پر پہونچ گئی ہیں اور جبکہ تو اس غلطی میں ڈالنے والے درخت سے نیچے اُتر آویگا اور اس سے جدا ہو جاویگا یعنی مرتبہ فنافی اللہ حاصل کرے گا تو حق سبحانہ اپنی رحمت سے اسکو بدل دیں گے اور پائدار اور صحیح النظر بنا نیوالا کر دینگے اور اگر تو اس مقام یعنی غلطی میں ڈالنے والے درخت سے اُتر آویگا تو خدائے تعالیٰ تجھکو صحیح النظر بنا دیں گے۔ اس مقام پر جملہ معترضہ کے طور پر یہ بتلا دینا بھی ضرور ہے کہ راست بینی کوئی آسان کام اور معمولی بات نہیں ہے کہ اسکی تحصیل کی ضرورت نہو کیونکہ اگر وہ ایسے ہوتے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق سبحانہ سے اسکی درخواست کیوں کرتے حالانکہ اُنہوں نے فرمایا ہے اللھم ارنا الاشیاء کما ھی یعنی اے اللہ آسمان و زمین و ما یتعلقہما کے ہر ہر جزو کو ہمکو اسی طرح دکھلا جسطرح کہ وہ جزو تیری نظر میں ہے۔ خیر یہ جملہ معترضہ تو ختم ہوا اب سُن کہ جب تو اس غلطی میں ڈالنے والے درخت سے اُتر آویگا اسوقت تیرا مطلوب درخت تجھکو ملجاویگا۔ پس تو اس مطلوب امرود پر شوق سے چڑھ کیونکہ وہ بحکم الٰہی اب پہلا درخت نہیں رہا بلکہ اب وہ اور ہی کچھ ہوگیا ہے اور پہلے خشک تھا اب سرسبز ہوگیا ہے اور جبکہ تو موسے وقت یعنی شیخ کامل کی خدمت میں پہونچ گیا تو یہ غلطی میں ڈالنیوالا درخت درخت موسوی بن گیا۔ کہ اب یہ درخت موسوی کی طرح آگ سے اور سرسبز اور شاداب ہوتا ہے اور اس کی شاخ سے انی انا اللہ کی آواز نکلتی ہے (درخت موسوی سے وہ درخت مُراد ہے جسکو روشن دیکھکر حضرت موسے علیہ السلام نے آگ کا گمان کیا تھا اور جس سے انکو انی انا اللہ رب العلمین کی آواز آئی تھی اور مشبہ بہ میں آگ سے مراد وہ نور ہے جو آگ کی صورت میں دکھلائی دیا تھا اور مشبہ میں آتش مجاہدات و آلام و غموم و اشواق اور درخت سرسبز و شاداب یعنی ہستی ثانی حاصل بعد فنا کے نعرۂ انی انا اللہ لگانے کا منشاء وہ توافق ہے جسکی بنا پر ایک کے آثار و افعال کو دوسرے کی طرف

بنا بر مجاز متعارف منسوب کیا جا سکتا ہے نہ کہ اتحاد و عینیت فافہم ولا تزل) اس درخت کے سایہ میں تیری تمام حاجتین روا ہون گی۔ دیکھ خدائی قلب ماہیت اسے کہتے ہین کہ کس شے کو کیا بنا دیا اس وقت خودی اور ہستی تیرے لئے حلال ہے کیونکہ اس مین تو صفات حق سبحانہ کا مشاہدہ کرتا ہے برخلاف ہستی اول کے کہ وہ مشاہدہ حق سبحانہ سے مانع تھی اسلئے حرام تھی۔ القصہ اب یہ درخت رنج سیدہا اور حق نما بن گیا ہے اور اس قدر مستحکم ہوگیا ہے کہ اس کی جڑ زمین مین ہے اور شاخین آسمان مین۔ یعنی فنا کے بعد بقا باللہ حاصل ہوگئی ہے۔

باقی قصۂ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

کامدش پیغام از وحی مہم — کہ کژی بگذار اکنون فاستقم

این درخت تن عصائے موسیٰ است — کارش آمد کہ بیندازش ز دست

تا ببینی خیر او و شر او — بعد ازان برگیر او را ز امر ہو

پیش ز افگندن نبود او غیر چوب — چون بامرش برگرفتی شد جذوب

اول او بد برگ افشان برہ را — گشت معجز آن گروہ غرہ را

گشت حاکم بر سر فرعونیان — آبشان خون کرد و کف بر سر زنان

از مزارعشان بر آمد قحط و مرگ — از ملخہائے کہ می خوردند برگ

تا بر آمد بیخود از موسیٰ دعا — چون نظر افتادش اندر منتہی

کین ہمہ اعجاز و کوشیدن چراست — چون نخواہند این جماعت گشت راست

امر آمد کاتباع نوح کن — ترک پایان بینی و مشروح کن

منگر آخر کہ تو داعی رہی — امر بلغ ہست نبود آن تہی

لمتیزن حکمت کزین الحاح تو	جلوہ گردد آن لجاج وان عتو
تاکہ رہ بنمودن واضلال حق	فاش گردد بر ہمہ اہل فرق
چونکہ مقصود از وجود اظہار بود	بایدش از پند و اغوا آزمود
دیو الحاح غوایت می کند	شیخ الحاح ہدایت می کند
باز گردد قصۂ قبطی بگو	گر دکفر از باطن خود زود شو

اس مضمون کی سرخی " باقی قصۂ موسی علیہ السلام " قائم کی گئی ہے اور شیخ ولی محمد نے اس قصہ کے ارتباط کے متعلق لکھا ہے (این سرخی در حقیقت تحت آن بیت ست کہ در سرخی قصۂ فرزندان عزیر گذشت کہ ؎ این سخن پایان ندارد باز گرد ۔ تا بر آرد موسیم از بحر گرد۔ و دور افتادن این سرخی از بیت مذکور بہ سبب جر کلام بود بہ سرخیہائے دیگر چنانچہ در آنجا نیز آگاہ کردہ شد) اور این سخن پایاں ندارد کے متعلق لکھا ہے کہ یہ رجوع ہے اُس قصۂ موسی و فرعون کی طرف جسکو مولانا نے سرخی تمامی حدیث موسی علیہ السلام و تفریع و توبیخ فرعون کے تحت مین ؎ این عصائے بود اینم اژدہاست الخ پر چھوڑا ہے اور شاہد اس بیان کا این سخن پایان ندارد یعنی مصرع اول بیت مذکور کو قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ عنوان جہان آیا ہے وہان مضمون گذشتہ کی طرف رجوع مقصود ہوتا ہے اور اس توجیہ کے بعد کہا ہے (اگر مدد روحانیت حضرت مولوی نبودے فقیر نیز ربط این بیت نیافتے ومثل دیگران در راہ ضلالت شتافتے) اور کامدش پیغام از وحی مہم کی شرح مین لکھا ہے (کاف تعلیلیہ در مصرع اول برائے بیان علت بر آوردن موسے ست گرد از بحر کہ در مصرع ثانی بیت بالا گذشت تا بر آورد موسیم از بحر گرد یعنی گرد بر آوردن موسے از بحر روئے آنست کہ ویرا پیغام از وحی در رسیدہ است کہ عصا را از دست بیند از تا اژدہا شود و کار را بر فرعون و قوم او تنگ کن پس کنژی عبارت از لینت و نرمی باشد در دعوت چہ کسیکہ مستحق درشتی و سختی ست نرمی کردن با و

کزرویست وبیت ثانی کہ مقولہ مولویست صریح دال ست برآنکہ پیغام الٰہی کہ مصرع ثانی بیان اوست ہمین حکم بازدہا کردن عصا بود چنانکہ از تقریر فقیر دریافتی) یہ خلاصہ ہے اس گفتگو کا جو ولی محمد نے ربط سرخی وحل بیت کامدش پیغام الخ واین سخن پایان ندارد کے متعلق کی ہے۔ لیکن میرے نزدیک یہ توجیہ ان کی درست نہین ہے اولاً اسلئے کہ سرخی تمامی حدیث موسے الخ صریح دال ہے اسپر کہ اس قصہ کو مولانا ختم کرچکے ہین اور باقی قصہ موسی اس کا تتمہ نہین ہے اور نہ این سخن پایان ندارد الخ اس کی طرف عود ہے۔ ثانیاً مولانا نے اس قصہ کو تفریع وتوبیخ فرعون پر چھوڑا تھا پھر کامدش پیغام از وحی مہم الخ کو اس سے کیونکر تعلق ہوسکتا ہے اسلئے کہ یہ وحی حسب بیان شیخ اختیار لینت ونرمی در دعوت پر آئی ہے پس کجا التفریع وتوبیخ وکجا لینت ونرمی۔ ثالثاً این سخن پایان ندارد باز گرد۔ اسپر دلالت نہین کرتا کہ یہ قصہ موسیٰ علیہ السلام کی طرف رجوع ہے بلکہ مطلق رجوع پر دلالت کرتا ہے سو ممکن کیا بلکہ اغلب ہے کہ یہ رجوع ہے از ہزاران من یکی گویم بیکے۔ زانکہ آگندہ است ہر گوش از شکے کی طرف۔ رابعاً دلالت بیت این درخت تن عصائی موسے است آہ کی دلالت اس مدعا پر کہ کژی بگذار مین حکم بالقاء عصا ہے ہمین تسلیم نہین کما سیظہر لک عن قریب۔ پس ظاہر شد کہ شیخ ربط این سرخی وبیت این سخن پایان ندارد الخ نیافتہ است ودر بادیہ ضلالت شتافتہ است۔ میرے نزدیک باقی قصہ موسیٰ علیہ السلام سے مراد یہ ہے کہ جس قدر قصہ موسیٰ علیہ السلام کا اس دفتر مین بیان کرنا مقصود ہے وہ کچھ تو متفرق طور پر گذرچکا اور باقی یہ ہے اس تقدیر پر اسکو موسی علیہ السلام کے قصہ کے کسی گذشتہ قصہ سے ربط دینی کی ضرورت نہ ہوگی اور کامدش پیغام الخ کاف بیانیہ ہے اور بیان ہے سرخی کا کہ ضمیر شین راجع ہے طرف موسے کے جو سرخی مین مذکور ہے اور کژی بگذار اکنون فاستقم سے اشارہ ہے حق سبحانہ کے قول قد اجیبت دعوتکما فاستقیما ولا تتبعان سبیل الذین لا یعلمون کی طرف جو حضرت موسی علیہ السلام کی دعا ربنا انک اتیت فرعون وملاءہ زینۃ واموالا فی الحیوۃ الدنیا ربنا لیضلوا عن سبیلک ربنا اطمس علی اموالہم واشدد علی قلوبہم فلا یؤمنوا حتی یروا العذاب الالیم کے جواب مین ارشاد ہوا تھا۔ اور کژی سے مراد یا تو یہ ہے کہ ہم تمہاری دعا قبول کرچکے ہین لیکن اس کا ظہور بحکمت دیر مین ہوگا اس بنا پر طبعاً وسوسہ بد ہوسکتا ہے کہ دیکھو ہم سے کہا تھا کہ ہم نے تمہاری دعا قبول کرلی لیکن کہین بھی قبول نہین کی پس تم اس کا خیال رکھنا اور ایسے وساوس سے بچتے رہنا یا یہ مراد ہو کہ ہم تم کو قبولیت دعا کا اطمینان دلا چکے ہین اب

تم بار بار تقاضا نہ کرنا واللہ اعلم بمرادہ ومراد عبادہ اور ربط اس قصہ کو ماقبل سے یہ ہے کہ اوپر ترغیب دی تھی ترک ہستی وخودی کی جو منشاء ہے کجی کا اب اس کی قصہ موسیٰ علیہ السلام سے تائید فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو سیدھا بننے اور کجی کو چھوڑنے کا حکم ہوا تھا جسکے معنے یہ ہیں کہ تم ہستی کو ترک کرو اور خودی کو چھوڑو کیونکہ ترک کجی وتحصیل استقامت بدون ترک خودی ناممکن ہے اور ترک ہستی بدون ترک تن کے نہیں ہوسکتی۔ اسلئے مولانا اس قصہ سے ترغیب ترک تن یعنی ہستی اول کی طرف انتقال فرماتے ہیں۔ جب یہ مضمون تمہیدی جسکے حل ابیات کیلئے ضرورت تھی معلوم ہوچکا تو اب حل سنو وہ قصہ یہ ہے کہ انکو بذریعہ وحی کے ایک ضروری پیغام آیا اور وہ یہ تھا کہ کجی کو چھوڑو اور سیدھے رہو اور صورت اسکی یہ ہے کہ ہستی اور تعلق بالجسم کو چھوڑو کیونکہ یہی منشا ہیں کجی کا (ف) اس سے کسی کو یہ شبہ نہو کہ موسیٰ علیہ السلام کو استقامت اور فنا فی اللہ حاصل نہ تھی کیونکہ استقامت اور فناء کے مراتب متفاوت ہیں بعض لازم نبوت ہیں اور بعض نہیں لہذا کہا جاویگا کہ وہ فنا واستقامت جو نبی کیلئے لازم ہے وہ حاصل تھی لیکن چونکہ وہ قابل زیادت تھی اسلئے تحصیل زیادت کا حکم دیا گیا اور مطلق کجی وخودی منافی نبوت نہیں ہے ورنہ باب ترقی مسدود ہوجاوے وھو خلاف المعلوم من الدین لان اللہ تعالیٰ یودب انبیائہ ویعاتبھم علی تقصیراتھم وان کانت تلک التقصیرات غیر منافیۃ للنبوۃ والرسالۃ)۔ اب مولانا اس سے مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور ترک تعلق بالجسم وہستی اول کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تم تعلق بالجسم کو چھوڑو کیونکہ اس میں بہت سے منافع مخفی ہیں جن کا ظہور موقوف ہے اسکے چھوڑنے پر پس جب تم اولاً اسے چھوڑ دوگے اور پھر بحکم حق سبحانہ حاصل کروگے تو وہ تمہارے لئے نافع ہوجاویگا اور تم اس درخت جسم کو ایسا سمجھو جیسا عصائے موسیٰ جسکے متعلق حکم ہوا تھا کہ اسے ہاتھ سے چھوڑدو تاکہ اسکی تمھاری حق میں منفعت اور تمہارے دشمنوں کے حق میں مضرت جو کہ خود تمھاری منفعت ہے ظاہر ہوجاوے اور جبکہ یہ تمہارے لئے سراسر نافع ہوجاوے اسوقت تم اسکو ہمارے حکم سے اٹھالو چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور وہ لاٹھی اژدہا بنگئی اب حکم ہوا کہ دیکھو یہ لاٹھی ڈالنے سے پہلے جماد محض تھی اور وہ منافع عالیہ جو اس میں مستتر تھے ظاہر نہ تھے اب جبکہ تم نے اسکو ہمارے حکم سے ڈالا اور پھر اٹھایا تو اب یہ اژدہا بنگئی جو کہ دشمنوں کو سانس سے کھینچ لیتا ہے اور اول وہ بکریوں کیلئے پتے جھاڑنے کا آلہ تھا مگر اب اس مغرور قوم کو عاجز کرنیوالا ہوگیا اور متبعین فرعون پر حاکم ہوگیا۔ اور

انکے پانی کو خون بنادیا (یعنی وہ سبب ہوگیا انکے خون پینے کا یاین طور کہ اسکے اژدہا بننے سے نبوت موسیٰ علیہ السلام ظاہر ہوئی اور منکرین پر حجت اللہ تمام ہوگئی پس جبکہ وہ تمامی حجت کے بعد بھی منکر ہی رہے تو مستحق عذاب ہوئے اور عذاب یون ہوا کہ دریا خون بن گیا) اور اسکے سبب سے ٹڈیان ان پر مسلط ہوگئین جو کہ ان کی کھیتیان کھا گئین اور اس وجہ سے اُن کھیتیون سے بجائے غلہ اور حیات کے قحط اور موت پیدا ہوئی۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے ان واقعات کے انجام کو دیکھا تو بمقتضائی شفقت و رحمت بے اختیار ان کے منہ سے یہ دعا نکل گئی کہ اے اللہ جب یہ لوگ ٹھیک ہی نہ ہونگے تو پھر ان کو اسقدر مجبور کرنا اور ان کی ہدایت مین اس قدر کوشش کرنا کس لئے ہے انکو ہلاک ہی کر دیجئے۔ اسپر حکم ہوا کہ آپ تبلیغ سے اُکتائیے نہین اور نوح کا اتباع کیجئے کہ اُنھون نے سیکڑون برس دعوت اور نتیجہ کا خیال نہین کیا پس آپ بھی نتیجہ کے معلوم کرنے کو چھوڑیئے اور یہ نہ دیکھئے کہ ان کا کیا نتیجہ ہوگا کیونکہ آپ داعی الی اللہ ہین اور آپکو تبلیغ کا حکم ہے۔ پس آپ اجمالاً اتنا سمجھ لیجئے کہ یہ ایک حکیم کا فعل ہے لہذا حکمت سے خالی نہین ہوسکتا چنانچہ اس مین بہت سی مصلحتین ہین اور ادنی درجہ کی حکمت اس تبلیغ کے جاری رکھنے مین یہ ہے کہ آپکے اصرار بلیغ سے ان کا عناد اور سرکشی ظاہر ہو تاکہ ہماری صفت اضلال و ہدایت تمام لوگون پر ظاہر ہوجاوے۔ اب مولانا استدلال فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ چونکہ حق سبحانہ کا مقصود تخلیق عالم سے اظہار ماہو المکنون ہے اسلئے ضرور ہے کہ آدمی کو نصیحت اور بہکانے غرض دونون طرح جانچا جاوے تاکہ اسکی حالت مخفیہ ضلالت یا ہدایت ظاہر ہوجاوے۔ پس یہ دو کام دو شخصون کے متعلق ہین۔ شیطان تو اغوا پر اصرار کرتا ہے اور شیخ ہدایت پس جو غالب آجائیگا اسی کے موافق صفت کا اظہار ہوجاویگا اچھا اب لوٹنا چاہئے اور قبطیون کے قصہ کو بیان کرکے ذکر معجزات موسیٰ علیہ السلام سے ایمان کو تازہ کرنا چاہئے اور اپنے باطن سے غبار کفر کو دور کرنا چاہئے (ف واضح ہو کہ پہلے اوپر امر کرثی بگذار کو دعائی عذاب برائے فرعون و قوم فرعون سے متعلق کہا تھا لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا تعلق دعائے دفع عذاب و طلب ترک تبلیغ سے ہو۔ اسوقت کامدش پیغام الخ اجمال ہوگا اور مضمون آئندہ اسکی تفصیل والراجح عندی هو الاول فتدبر)

سخت شدن کار بر قبطیان و شفاعت کردن فرعون

چون بیاپے گشت آن امر شجون	نیل می آمد سراسر جملہ خون

تا بنفس خویش فرعون آمدش — لابه می کرد و دوتا گشته قدش

کانچه ما کردیم ای سلطان مکن — نیست ما را روی ایراد سخن

پاره پاره گردمت فرمان پذیر — من بعزت خو گرم سختم مگیر

هین بجنبان لب برحمت ای امین — تا ببندد این دهان آتشین

گفت یارب می فریبد او مرا — می فریبد او فریبیده ترا

بشنوم یا من دهم هم خدعه اش — تا بداند اصل را آن فرع کش

کاصل هر مکری و حیلت پیش ماست — هرچه بر خاکست اصلش بر سماست

گفت حق آن سگ نیرزد هم بآن — پیش سگ انداز از دور استخوان

هین بجنبان آن عصا تا خاکها — وادهد هرچه ملخ کردش فنا

وان ملخها در زمان گردد تباه — تا ببینند خلق تبدیل اله

که سببها نیست حاجت مر مرا — آن سبب بهر حجابست و غطا

تا طبیبی خویش بر دارو زند — تا منجم رو باستاره کند

تا منافق از حریصی بامداد — سوی بازار آمد از بیم کساد

بندگی ناکرده و ناشسته رو — لقمه دوزخ بگشته لقمه جو

آکل و ماکول آمد جان عام — همچو آن بره چرنده از حطام

می چرد آن بره و قصاب شاد — که برای ما چرد برگ مراد

کار دوزخ می کنی در خوردنی — بهر او خود را تو فربه می کنی

کار خود کن روزی حکمت بچر — تا شود فربہ دل باکر و فر

خوردن تن مانع این خوردست [نست] — جان چو بازرگان و تن چون رہزنست

شمع تاجر آنگہ ہست افروختہ — کہ بود رہزن چو ہیزم سوختہ

خویشتن را گم مکن یاوہ مکوش — کہ تو آن ہوشی و باقی ہوش پوش

وانکہ ہر شہوت چو خمرست و چو بنگ — پردۂ ہوش ست و عاقل زوست دنگ

خمر تنہا نیست سرمستی ہوش — ہر چہ شہوانیست بندد چشم و گوش

ترک شہوت کن اگر خواہی تو ہوش — وانکہ شہوت بندوت ہم چشم و گوش

آن بلیس از خمر خوردن دور بود — مست بود او از تکبر وز جحود

مست آن باشد کہ آن بیند کہ نیست — زر نماید آنچہ مس و آہنیست

این سخن پایان ندارد موسیا — لب بجنبان تا برون آید گیا

القصہ جب موسی علیہ السلام کو تبلیغ جاری رکھنے کا زبردست حکم تاکید کیلئے پے درپے ہوا تو اُنھون نے تبلیغ جاری رکھی اور چونکہ فرعون اور اسکی قوم کی طرف سے کفر پر اصرار رہا اسلئے نیل برابر خون ہوکر بہتا رہا۔ اور نوبت باینجا رسید کہ فرعون بذات خود حضرت موسی علیہ السلام کی خدمت مین حاضر ہوا اور جھک کر خوشامد کرنے لگا اور کہا کہ میرا منہ تو نہین ہے کہ مین عرض کرون لیکن بضرورت اتنا عرض کرتا ہون کہ جو ہم نے کیا وہ آپ نہ کیجئے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیجئے۔ اگر آپ ہمارے ساتھ سلوک کرینگے تو میرا بال بال آپ کا مطیع ہوجاوے گا۔ دیکھئے اس سے زیادہ مجھے ذلیل نہ کیجئے کیونکہ مین ہمیشہ سے عزت کا عادی رہا ہون اور کبھی مین نے ذلت نہین اٹھائی ہے۔ اسلئے مین اسے برداشت نہین کرسکتا۔ اچھا اب آپ اپنی مہربانی سے دعا کردیجئے کہ یہ آگ جو آسمان سے برس رہی ہے اس کا دہانہ بند ہوجاوے۔ اور باران رحمت نازل ہوکر قحط کو دفع کرے یہ سنکر حضرت موسی علیہ السلام نے

حق سبحانہ کی جناب مین عرض کیا کہ اے اللہ یہ مجھے دھوکا دیتا ہے اور آپ کے فریفتہ کو بہکاتا ہے ایسی حالت مین آپ کا کیا حکم ہے آیا مین اسکی درخواست کو قبول کرلون یا مین بھی اس سے دھوکا کرون تاکہ یہ متمسک بفرع اصل تدبیر کو جان لے اور اسے معلوم ہوجاوے کہ اصل تدبیر تو خدا کی ہے باقی تمام تدابیر اسکی فرع ہین اور ایک تدبیر بھی نہین بلکہ جو کچھ بھی زمین مین ہے اس کی اصل حق سبحانہ کے یہان ہے کیونکہ سب عالم مظہر ہے اسکے اسما و صفات کا حق سبحانہ نے اس کا جواب دیا کہ یہ نالایق تو اس قابل بھی نہین ہے کہ ہم اسکے بدلہ کا خیال کرین اور اسکے فریب کا جواب فریب سے دین بس آپ اس کتے کے سامنے ہڈی ڈال دیجئے اور وہ جو کچھ درخواست کرتا ہے اسکو قبول کرلیجئے اور اپنا عصا ہلائیے تاکہ ٹڈیان جو کچھ کھاچکی ہین زمین سب واپس کردے اور ٹڈیان سب دفعۃً مرجائین تاکہ لوگون کو معلوم ہوجاوے کہ حق سبحانہ حالت کو یون بدل دیتے ہین اور جان لین کہ ہمین اپنے افعال مین اسباب درکار نہین بلکہ اسباب تو محض حجاب کے طور پر ہین تاکہ طبیب دوا کو لپٹ جاوے اور منجم ستارون کی طرف متوجہ ہوجاوے اور دنیادار اپنی چالاکی سے صبح ہی سے بخوف کساد بازاری بلا عبادت کئے اور بلا منہ ہاتھ دھوئے بازار مین آجائے اور معنی امتحان متحقق ہوسکین۔ اب مولانا فرماتے ہین کہ یہ دنیادار خود دوزخ کی غذا ہے اور اپنے لئے غذا تلاش کرتا ہے علی ہذا تمام عوام اور مجوبین آکل بھی ہین اور ماکول بھی۔ آکل غذا کے لحاظ سے ہین اور ماکول دوزخ کے اعتبار سے اسلئے ان کی مثال ایسی ہے جیسے بکری کا بچہ چارہ وغیرہ کھاتا ہے وہ آکل بھی ہے اور ماکول بھی چنانچہ وہ چارہ کھاتا ہے اور قصاب خوش ہوتا ہے کہ یہ ہمارے لئے چر رہا ہے اب مولانا مضمون ارشادی بیان فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ اے محجوب تو جو کھاتا ہے تو اس مین تو اپنا کام نہین کرتا بلکہ دوزخ کا کام کررہا ہے اور اسکو فائدہ پہونچا رہا ہے کیونکہ تو اپنے کو اسی کے لئے موٹا کررہا ہے۔ پس تو اس بیگار کو چھوڑ۔ اور اپنا کام کر۔ اور وہ یہ ہے کہ غذائے علوم و معارف کھا۔ تاکہ تیرا شان وشوکت دل موٹا ہو اور یاد رکھ کہ غذائے جسمانی (اس حیثیت سے کہ وہ جسمانی ہے یعنی نفس کو قوت پہونچانیوالی ہے) غذائے روحانی سے مانع ہے (ف قید حیثیت اسلئے لگائی ہے کہ جو غذائے جسمانی حکم شریعت کے مطابق کھائی جاتی ہے وہ مانع نہین ہے کیونکہ ایسی غذا حکم مین غذائے روحانی کے ہے) کیونکہ جان بمنزلہ سوداگر کے ہے اور جسم بمنزلہ رہزن کے اور تاجر کا فائدہ اسی مین ہے کہ رہزن ہلاک ہو اور جس قدر رہزن کو قوت ہوگی اسی قدر سوداگر کو نقصان ہوگا۔ پس جو غذا جسم

(نفس) کو قوت پہونچائیگی وہ لامحالہ روح کو کمزور کریگی۔ پس تو بیہوش نہ بن اور فضول کوشش نکر کیونکہ تو ہوش ہے اور باقی سب اس ہوش کو چھپانیوالے۔ پس تو اپنی خبر لے۔ اور سمجھ کہ تو کیا ہے اور سب کی فکر چھوڑ۔ کیونکہ جسقدر تو اور چیزون مین مشغول ہوگا اتنا ہی اپنے سے غافل ہوگا۔ اور یہ بھی یاد رکھ کہ ہر خواہش نفسانی شراب اور بنگ کا اثر رکھتی ہے اور عقل و ہوش کیلئے پردہ ہے اور عاقل اس سے متحیر ہوجاتا ہے پس شراب اور دیگر مسکرات متعارفہ ہی عقل کو بیخود کرنیوالے نہین ہین بلکہ جسقدر بھی نفسانی چیزین ہین سب آنکھ اور کان کو بند کرنے والی ہین۔ لہذا اگر تجھے عقل کی ضرورت ہے تو تو خواہش نفسانی کو چھوڑ کیونکہ یاد رکھ کہ خواہش نفسانی آنکھ اور کان وغیرہ پر قبضہ کرلیتی ہے اور ان کو ادراک حقیقت سے روکدیتی ہے۔ دیکھو ابلیس نے شراب نہین پی تھی پھر وہ کاہے سے مست تھا وہ تکبر اور انکار سے مست تھا جو کہ شہوات نفسانیہ مین سے ہین۔ اگر تم کہو کہ ابلیس مست ہی نہ تھا تو ہم کہین گے کہ مست کی صفت یہ بھی تو ہے کہ وہ غیر واقعی امور کو دیکھے اور لوہے اور تانبے کو سونا سمجھے سو یہ بات ابلیس مین بوجہ اکمل موجود تھی کیونکہ اُسنے اپنے کو آدم سے بہتر سمجھا حالانکہ وہ بہتر نہ تھا اور آدم علیہ السلام کو حقیر سمجھا حالانکہ وہ حقیر نہ تھے اور مست کسے کہتے ہین اچھا یہ گفتگو تو ختم ہوگی۔ ہان موسیٰ علیہ السلام آپ دعا فرمائیے تاکہ سبزہ اُگے۔

دُعا کردن موسیٰ علیہ السلام و سبز شدن کشت

ہمچنان کرد و ہم اندر دم زمین	سبز گشت از سنبل و حب ثمین
اندر افتادند در لوت آن نفر	قحط دیدہ مردہ از جوع البقر
چند روزے سیر خوردند از عطا	آن دمی و آدمی و چارپا
چون شکم پر گشت و بر نعمت زدند	وان ضرورت رفت پس طاغی شدند
نفس فرعونیست ہان سیرش مکن	تا نیارد یاد زان کفر کہن

بے تف آتش نگردد نفس خوب ‏ ‏ ‏ ‏ تا نشد آہن چو اخگر ہین مکوب

بے مجاعت نیست تن جنبش کنان ‏ ‏ ‏ ‏ آہن سردست میکوبی بدان

گر بگرید ور بنالد زار زار ‏ ‏ ‏ ‏ او نخواہد شد مسلمان ہوشدار

او چو فرعونست در قحط آنچنان ‏ ‏ ‏ ‏ پیش موسی سر نہد لابہ کنان

چونکہ مستغنی شد او طاغی شود ‏ ‏ ‏ ‏ خر چو بار انداخت اسکیزہ زند

پس فراموشش شود چون رفت پیش ‏ ‏ ‏ ‏ کار او ازآہ وزاریہائے خویش

سالہا مردیکہ در شہرے بود ‏ ‏ ‏ ‏ یکزمان کش چشم در خوابے شود

شہر دیگر بیند او پر نیک وبد ‏ ‏ ‏ ‏ ہیچ در یادش نیاید شہر خود

کہ من آنجا بودہ ام این شہر نو ‏ ‏ ‏ ‏ نیست آن من درینجا ام گرو

بل چنان داند کہ خود پیوستہ او ‏ ‏ ‏ ‏ ہم درین شہرش بود ابداع وخو

چہ عجب گر روح موطنہائے خویش ‏ ‏ ‏ ‏ کہ بدستش مسکن ومیلاد پیش

می نیارد یاد کاین دنیا چو خواب ‏ ‏ ‏ ‏ می فرو پوشد چو اختر را سحاب

چند نوبت آزمودی خواب را ‏ ‏ ‏ ‏ خواب دنیا را ہمین بین زابتلا

خاصہ چندین شہرہا را کوفتہ ‏ ‏ ‏ ‏ گردہا از درگہ او ناروفتہ

اجتہاد گرم ناکردہ کہ تا ‏ ‏ ‏ ‏ دل شود صافی وبیند ماجرا

بیان اطوار خلقت آدمی در فطرت

سر بیرون آرد دلش از بحر راز — اول و آخر ببیند چشم باز

آمده اول باقلیم جماد — وز جمادی در نباتی اوفتاد

سالها اندر نباتی عمر کرد — وز جمادی یاد ناورد از نبرد

وز نباتی چون بحیوانی فتاد — نامدش حال نباتی هیچ یاد

جز همان میلے که دارد سوئے آن — خاصه در وقت بهار و ضیمران

همچو میل کودکان با مادران — سر میل خود نداند در لبان

همچو میل مفرط هر نو مرید — سوئے آن پیر جوان بخت مجید

جزو عقل این ازان عقل کل است — جنبش این سایه زان شاخ گل است

سایه اش فانی شود آخر درو — پس بداند سر میل و جستجو

سایۂ شاخ درخت اے نیکبخت — کے بجنبد گر بجنبد این درخت

باز از حیوان سوئے انسانیش — میکشد آن خالقے که دانیش

همچنین اقلیم تا اقلیم رفت — تا شد اکنون عاقل و دانا و زفت

عقلهائے اولینش یاد نیست — هم ازین عقلش تحول کردنیست

تا رهد زین عقل پر حرص طلب — صد هزاران عقل بیند بوالعجب

گرچه خفته گشت و شد ناسی ز پیش ‌ ‌ ‌ کے گذارندش دران نسیان خویش

باز ازان خوابش به بیداری کشند ‌ ‌ ‌ تا کند بر حالت خود ریشخند

گرچه غم بود آنکه میخوردم بخواب ‌ ‌ ‌ چون فراموشم شد احوال صواب

چون ندانستم که آن غم و اعتلال ‌ ‌ ‌ فعل خوابست و فریبست و خیال

همچنین دنیا که حلم نائم ست ‌ ‌ ‌ خفته پندارد که این خود دائم ست

تا برآید ناگهان صبح اجل ‌ ‌ ‌ وارهد از ظلمت ظن و دغل

خنده اش گیرد ازین غمهای خویش ‌ ‌ ‌ چون ببیند مستقر و جای خویش

هرچه اندر خواب بینی نیک و بد ‌ ‌ ‌ روز محشر یک بیک پیدا شود

آنچه کردی اندرین خواب جهان ‌ ‌ ‌ گردد وقت هنگام بیداری عیان

تا نه پنداری که این بد کردنیست ‌ ‌ ‌ اندرین خواب و ترا تعبیر نیست

بلکه این خنده بود گریه و نفیر ‌ ‌ ‌ روز تعبیر ای ستمگر بر اسیر

گریه و درد و غم و زاری خود ‌ ‌ ‌ شادمانی دان به بیداری خود

ای دریده پوستین یوسفان ‌ ‌ ‌ گرگ برخیزی ازین خواب گران

گشته گرگان یک بیک خوهای تو ‌ ‌ ‌ می درانند از غضب اعضای تو

خون نخسپد بعد مرگت در قصاص ‌ ‌ ‌ تو مگو که میرم و یابم خلاص

این قصاص نقد حیلت سازیست ‌‌ پیش زخم آن قصاص این بازیست

زین لعب خوانده است دنیا را خدا ‌‌ کاین جزا لعبست پیش آن جزا

این جزا تسکین جنگ و فتنه است ‌‌ آن چو اخصاست این چون ختنه است

این سخن پایان ندارد موسیا ‌‌ هین رها کن آن خران را در گیا

تا همه زان خوش علف فربه شوند ‌‌ هین که گرگانند ما را خشم مند

بیان آنکه خلق دوزخ گرسنگان و نالان اند و از حق خواهان که روزیہائے ما را فربه کن و بما برسان

نالهٔ گرگان خود را موقنیم ‌‌ این خران را طعمهٔ ایشان کنیم

این خران را کیمیائے خوش دمی ‌‌ از لب تو خواست کردن آدمی

تو بسے کردی بدعوت لطف و جود ‌‌ آن خران را طالع و روزی نبود

پس فرو پوشان لحاف نعمتے ‌‌ تا بردشان زود خواب غفلتے

تا چو بجهند از چنین خواب این رمه ‌‌ شمع مرده باشد و ساقی شده

داشت طغیان شان ترا در حیرتے ‌‌ پس بنوشند از جزا هم حسرتے

تا که عدل ما قدم بیرون نهد ‌‌ در جزا هر زشت را در خور دهد

کان شہے کہ می ندیدندیش فاش ‌‌ بود با ایشان نهان اندر معاش

چون خرد با تست مشرف بر تنت ‌‌ گرچه زو قاصر بود این دیدنت

نیست قاصر دیدن وای فلان | از سکون و جنبشت در امتحان
چه عجب گر خالق آن عقل تیز | با تو باشد در سکون و نقل تیز
از خرد غافل شود بر بد تند | بعد ازان عقلش ملامت میکند
تو شدی غافل ز عقلت عقل نے | کز حضورستش ملامت کردنے
گر نبودے حاضر و غافل بُدے | در ملامت کے ترا سیلی زدے
ور ازو غافل نبودے نفس تو | کے چنان کردے جنون و نفس تو
پس ترا عقلت چو اصطرلاب بود | تا بدانی قرب خورشید وجود
قرب بیچون ست عقلت را بتو | نیست از پیش و پس و سفل و علو
قرب بیچون چون نباشد شاه را | که نیابد بحث عقل آن راه را
نیست آن جنبش که در اصبع تراست | پیش اصبع یا پسش یا چپ و راست
وقت خواب و مرگ ازوے میرود | وقت بیداری قرینش می شود
از چه ره می آید اندر اصبعت | کاصبعت بے او ندارد منفعت
نور چشم مردمک در دیده ات | از چه ره آید بغیر شش جهت
عالم خلق ست با سوی و جهات | بے جهت دان عالم امر و صفات
بے جهت دان عالم امر اے صنم | بے جهت تر باشد آمر لاجرم
بے جهت بد عقل و علام البیان | عقل تر از عقل جان تر هم ز جان
بے تعلق نیست مخلوقے بدو | آن تعلق هست بیچون ای عمو

زانکه فصل و وصل نبود در روان ... غیر فصل و وصل نندیشد گمان

غیر فصل و وصل پی بر از دلیل ... لیک پی بر در شد بنشاند علیل

پی بپا پی می برد از دوری ز اصل ... تا رگ مردیت آرد سوی وصل

این تعلق را خرد چون پی برد ... بستهٔ فصل ست و وصل ست این خرد

زین وصیت کرد ما را مصطفی ... بحث کم جوئید در ذات خدا

آنکه در ذاتش تفکر کردنیست ... در حقیقت آن نظر در ذات نیست

هست آن پندار او زیرا براه ... صد هزاران پرده آمد تا اله

هر یکی در پرده موصول جوست ... وهم او آنست کان خود عین هوست

پس پیمبر دفع کرد این وهم ازو ... تا نباشد در غلط سودا پز او

زانکه اندر وهم او ترک ادب ... بی ادب را سرنگونی داد رب

سرنگونی آن بود که سوی زیر ... می رود پندارد او کو هست چیر

زانکه حد مست باشد اینچنین ... کو نداند آسمان را از زمین

در عجبهااش بفکر اندر روید ... از عظیمی وز مهابت گم شوید

چون ز صنعش ریش و سبلت گم کند ... حد خود داند ز صانع تن زند

جز که لا احصی نگوید او ز جان ... کز شمار و حد برونست آن بیان

چون بیانش بیحد ست ای بوالهوس ... بحث کم کن بیش ازین کم زن نفس

پس موسی علیہ السلام نے وہی کیا جو حق سبحانہ نے حکم دیا تھا اور فوراً از زمین سنبل اور بیش قیمت غلون

وغیرہ سے سرسبز ہوگئی اور وہ قحط زدہ اور فاقون کے مارے ہوئے لوگ کہانے پر پڑ گئے۔ چند روز تک اس بخشش الٰہی کو خوب کھایا۔ پرندون نے بھی اور آدمیون نے بھی اور چار پاؤن نے بھی۔ لیکن جب سیر ہوگئے اور نعمت مل گئی اور ضرورت جاتی رہی پھر سرکش ہوگئے۔ اب مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ دیکھو نفس بھی ایک فرعون ہے تم اس کا پیٹ نہ بھرنا۔ تاکہ یہ اپنے پُرانے کفر کو پھر یاد نہ کرے۔ اور پھر شرارت نہ کرنے لگے اور یاد رکھو کہ یہ تو آتش گرسنگی ہی سے ٹھیک ہوتا ہے اور بدون اسکو آگ مین تپائے ہوئے اسکی اصلاح مین کوشش کرنا بے سود ہے پس جب تک یہ لوہا (نفس) آتش (گرسنگی) مین) خوب نہ تپ جاوے اور لال نہ ہو جاوے اس وقت تک اسے نہ کوٹو اور اسکی اصلاح کا خیال نہ کرو کیونکہ بے سود ہے۔ دیکھو بدون بھوک کے یہ جسم راہ طاعت مین حرکت کرنیوالا نہین۔ پس تم جو بدون بھوکا رکھے اس سے کام لینا چاہتے ہو تو سمجھ لو کہ ایک ٹھنڈا لوہا ہے اور اسے تم کوٹ رہے ہو جو محض لاحاصل ہے۔ نیز اس کا بھی خیال رکھو کہ اگر وہ زار زار روئے اور آہ وزاری کرے تو تم دھوکا نہ کھانا کیونکہ یہ کافر ہرگز مسلمان ہوگا اسکی مثال فرعون کی سی ہے کہ یہ تکلیف مین فرعون کی طرح موسے (روح) کی اطاعت قبول کرتا ہے اور خوب منت سماجت کرتا ہے لیکن جب یہ بیفکر ہو جاتا ہے پھر سرکش ہو جاتا ہے جس طرح کہ جب خر پر سے بوجہ اتر جاتا ہے تو وہ دولتیان مارنے لگتا ہے اور جبکہ اسکی آہ وزاری سے اس کا کام نکل جاتا ہے تو یہ سب عہد وپیمان بھول جاتا ہے اور اسکی ایسی مثال ہوتی ہے جیسے ایک شخص برسون ایک شہر مین رہے اور تھوڑی دیر کیلئے اس کی آنکھ لگ جاوے اور وہ خواب مین ہر قسم کی اشیاء سے معمور ایک شہر دیکھے تو اسکو اپنا شہر بالکل یاد نہ آئیگا اور نہ جانے گا کہ مین فلان جگہ رہتا تھا اور یہ نیا شہر میرا شہر نہین ہے بلکہ مین یہان عارضی طور پر محبوس ہون۔ بلکہ وہ یہ ہی سمجھتا ہے کہ مین ہمیشہ اسی مین رہتا ہون اور یہین مین پیدا ہوا ہون اور یہین رہنے کا عادی ہون اس سے تم یہ بھی نتیجہ نکال سکتے ہو کہ اگر روح اپنے وطن قدیم کو جہان اسکی بود وباش تھی اور جہان وہ پیدا ہوئی تھی بھول جاوے تو کچھ تعجب کی بات نہین۔ کیونکہ یہ دنیا جو خواب کی مثل ہے اسکو یون ڈھکے ہوئے ہے جس طرح ستارہ کو ابر۔ دیکھو خواب کا تو تمہین بارہا تجربہ ہو چکا ہے کہ وہ سونے والیکے دل سے اسکے وطن اصلی کو بھلا دیتی ہے۔ پس خواب دنیا کو بھی ایسا ہی سمجھو بالخصوص

اس وقت جبکہ روح متعدد شہرون مین رہ چکی ہے۔ اور خانۂ دل کو صاف بھی کئے ہوئے نہین ہے اور کوئی بڑی کوشش بھی تصفیۂ قلب مین نہین کی۔ تاکہ دل صاف ہو جاوے۔ اور واقعات گذشتہ کو معلوم کرلے۔ اور دریائے اسرار مین غوطہ زن ہوکر نکلے اور اول و آخر کو کھلی آنکھون دیکھ لے۔ دیکھو روح اول اقلیم جماد مین رہی اس سے اقلیم نباتی مین آئی اس اقلیم میں برسون رہی مگر اقلیم جمادی کو کبھی بھی یاد نہین کیا۔ اسکے بعد اقلیم حیوانی مین آئی اور جب اقلیم نباتی سے اقلیم حیوانی مین آئی تو اقلیم نباتی کو بالکل بھول گئی۔ بجز اس میل کے جو اسکو نباتات کی طرف طبعًا ہے اور بالخصوص بہار کے موسم مین مگر یہ میل ایسا ہی ہے جیسا کہ بچون کو ماؤن کی طرف ہوتا ہے کہ وہ اپنے اس میل کا راز نہین جانتے جو کہ انکو انکے دودھ مین ہے نیز یہ میل ایسا ہی ہے جیسا کہ نئے مرید کو اپنے جوان بخت اور بزرگ شیخ کی طرف ہوتا ہے کہ وہ اس میلان کا راز نہین جانتا۔ اب ہم وہ راز بتلاتے ہین سنو۔ مرید کی عقل ناقص شیخ کی عقل کامل کا جز یعنی اسکے تابع ہے۔ اور اس سایہ یعنی عقل مرید کی حرکت اسے شاخ گل یعنی عقل شیخ کی بدولت ہے بس ایک دن ایسا آئے گا کہ اسکی عقل ناقص اسکی عقل کامل مین فنا ہوجاویگی اور وہ وقت وہ ہوگا جسوقت اسکو فنا فی الشیخ کا مرتبہ حاصل ہوگا اس وقت اس رغبت اور جستجو کا اسے راز معلوم ہوگا اور وہ جانے گا کہ اسکے میلان کا راز یہ تھا کہ وہ اصل اور متبوع تھی اور یہ اسکی فرع اور تابع اسلئے اسکی طرف مائل تھی لان کل شئ یرجع الی اصلہ ہم نے عقل مرید کی حرکت کو حرکت عقل شیخ کا اثر قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی عقل بمنزلہ سایہ کے ہے اور شیخ کی عقل بمنزلہ شاخ کے پس اگر درخت کو حرکت نہو تو شاخ کا سایہ کیسے حرکت کر سکتا ہے خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا اب سنو کہ جب روح اقالیم مذکورہ کو طے کر چکتی ہے تو اسکے بعد وہ خالق جسکو تو جانتا ہے یعنی خدائے تعالیٰ اسکو اقلیم حیوانی سے اقلیم انسانی مین کھینچ لاتا ہے۔ القصہ وہ یون ہی ایک اقلیم سے دوسری اقلیم مین منتقل ہوتی رہی یہانتک کہ اب وہ عاقل و دانا اور عظیم الشان ہوگئی لیکن اسکو پہلی عقلین عقل جمادی و نباتی وغیرہ جو اسکو اس سے بیشتر حاصل تھین یاد نہین رہین اب سمجھو کہ اس عقل پر بھی اسکو قرار نہ ہوگا بلکہ اس سے بھی اسے انتقال کرنا ہوگا تاکہ وہ اس عقل حریص دنیاوی سے چھوٹ کر عقل اُخروی دیکھے اور اس عقل پر قائم رہے (اب مولانا علی الاستعجاب کہتے ہین کہ عجیب بات ہے کہ روح جبتک اس عقل حریص سے چھوٹے گی اسوقت تک لاکھون عقلین دیکھ لے گی) ××××

اس مضمون کو ختم کر کے مولانا فرماتے ہین کہ وہ سونے والا جو خواب مین دوسرا شہر دیکھ رہا ہے اور اپنے شہر کو یاد نہین کرتا اگرچہ
اسوقت سو رہا ہی اور گذشتہ واقعات کا اسے خیال نہین لیکن قضا و قدر اسے حالت نسیان مین نہ چھوڑین گے بلکہ اسے اس خواب
غفلت سے بیدار کرین گے تاکہ وہ اپنی حالت خواب پر ہنسے اور کہے کہ وہ کیا بیہودہ غم تھا جسمین خواب مین کھا رہا تھا یعنی کن بیہودہ
خیالات مین مبتلا تھا - اور احوال واقعیہ کو مین کیونکر بھول گیا تھا میں نے کیون نہ سمجھا کہ یہ ایک غم اور بیماری نیند کا فعل اور دھوکہ
اور خیال ہے - بس یہی حالت دنیا کی ہے کہ وہ بھی سونے والے کا ایک خواب ہے - اور سونے والا سمجھتا ہے کہ یہ ہمیشہ یون ہی
رہیگی یہانتک کہ ایک روز صبح اجل طلوع ہو گی اور یہ سونیوالا بیدار ہو کر تاریکی گمان باطل اور دھوکے سے نجات پائیگا
اور جبکہ وہ اپنا مسکن اصلی (عالم غیب) دیکھیگا تو اسکو اپنے افکار لایعنی پر ہنسی آئیگی یاد رکھو کہ جو کچھ تم اس خواب دنیا میں
خواہ برا خواہ بھلا دیکھ رہے ہو - قیامت مین ان میں سے ایک ایک شے ظاہر ہو گی یعنی جو کچھ اس خواب دنیا مین اچھے یا برے
کام کئے ہین بیداری محشر کیوقت ایک ایک کر کے تمہارے سامنے آئین گے - تم یہ نہ سمجھنا کہ دنیا ایک خواب ہے، اور خواب
مین جو کچھ برا یا بھلا کام کر لیا جاتا ہے وہ خواب ہی تک محدود رہتا ہے اور بیداری پر اس کا کچھ اثر نہین پڑتا - اور یہ خواب
محض بے تعبیر ہے کیونکہ ایسا ہرگز نہین ہے - بلکہ اے کمزورون پر ظلم کرنے والے تو جان لے کہ تیری اس خواب کی ہنسی کی
تعبیر بروز محشر رونا ہو گی اور سمجھ لے کہ اس خواب دنیا مین تیرے گریہ و زاری اور رنج و غم کی تعبیر بیداری مین خوشی ہی
اور اے یوسفون کے پوستین پھاڑنیوالے اور بے گناہون پر ظلم کرنیوالے تو اس خواب خرگوش سے بھیڑیے کی
شکل مین اٹھے گا اور تیری ایک ایک خصلت قیامت مین بھیڑیا ہو گی اور یہ تمام بھیڑیے غصے سے تیرے اعضا پارہ پارہ
کرین گے - اور یاد رکھ کہ تو جو خون ناحق کرتا ہے یہ خون ناحق در باب انتقام ہدر نہ ہو گا اور تو یہ نہ سمجھنا کہ مین مر کر
چھوٹ جاؤن گا بلکہ تجھ سے ضرور انتقام لیا جاویگا - اور اگر دنیا مین قصاص لے لیا گیا ہے تب بھی تو انتقام
آخرت سے نہین بچ سکتا کیونکہ حقیقت مین یہ قصاص نہین ہے بلکہ یہ تو لبقاء انتظام کی ایک تدبیر ہے اصل انتقام تو آخرت
مین لیا جاویگا - اس انتقام کے مقابلہ مین یہ انتقام محض ایک کھیل ہے اسلئے حق سبحانہ نے دنیا کو لعب و لہو فرمایا ہے
کہ اسکے انتقامات اسکے انتقامات کے مقابلہ مین کھیل ہین اسکے انتقامات تو محض فتنہ و فساد کو فرو کرنے کیلئے ہوتے
ہین اور حقیقت مین جزا نہین ہین - وہ انتقامات تو بمنزلہ خصی کرنے کے ہین - اور یہ انتقامات بمنزلہ ختنہ کرنے کے غیر
یہ گفتگو تو ختم نہین ہو سکتی اسلئے اصل قصہ سنو - حق سبحانہ نے موسی علیہ السلام سے فرمایا کہ اے موسے ان گدھون کو
گھاس مین چھوڑے رکھو - یعنی فرعونیون کو تنعم مین مصروف رہنے دو - تاکہ یہ چارہ کھا کر خوب موٹے ہو جاوین کیونکہ
ہمارے بھیڑیے بھوک کے سبب نہایت غضبناک ہین پس جب یہ ہمارے یہان آئین گے آتے ہی ان کا نکالوئی

کر ڈالین گے۔ ہم اپنے بھیڑیون کی بھوک کے مارے رونے کو جانتے ہین اسلئے جب یہ گدھے ہمارے یہان آئین گے ہم ان کو انکی غذا بنا ئین گے۔ آپ کی خوش کلامی کی کیمیا جو آپ کے لب سے ظاہر ہوتی تھی چاہتی تھی کہ ان گدھون کو آدمی بنا دے اور گمراہون سے ہدایت یافتہ کر دے۔ اور آپ نے بھی دعوت الی الحق مین بہت کچھ عنایت اور سخاوت کی مگر کیا کیجئے کہ انکی قسمت ہی مین ہدایت وانسانیت نہ تھی پس آپ انکو نعمت کا لحاف اوڑھا دیجئے تاکہ یہ فوراً خواب غفلت مین سو جائین تاکہ جب یہ اس خواب غفلت سے بیدار ہون تو اپنی شمع کو گل اور ساقی کو گیا ہوا پائین یعنی مرنے کے بعد اپنی نعمت کو مبدل بہ زحمت دیکھین اور چونکہ انھون نے اپنی سرکشی سے تم کو متحیر رکھا ہے اسلئے اسکے بدلے مین حسرت کا مزہ چکھین تاکہ ہمارا عدل ظاہر ہو۔ اور ہر نالائق کو اسکے مناسب سزا مل جا دے۔ اور وہ جان لین کہ جس بادشاہ (حق سبحانہ) کو وہ آشکارا طور پر نہ دیکھتے تھے وہ انکی زندگی مین ان کی ساتھ تھا۔ شاید معیت حق سبحانہ تمہاری سمجھ مین نہ آوے کیونکہ تم اُسے نہین دیکھتے اسلئے ہم ایک مثال سے اس مضمون کو قریب کرتے ہین دیکھو جبکہ عقل تمہاری ساتھ اور تمہارے جسم کی نگران ہے اور اگرچہ تم اسکو دیکھنے سے قاصر ہو مگر وہ تمہاری حرکات وسکنات کے دیکھنے سے قاصر نہین ہے تو کیا تعجب کی بات ہے اگر خالق عقل بھی تمہاری حرکات وسکنات مین تمہاری ساتھ ہو۔ اور سنو آدمی عقل سے غافل ہو کر برا کام کر بیٹھتا ہے اسکے بعد عقل اس کو ملامت کرتی ہے اس سے ثابت ہوا کہ تم عقل سے غافل ہو جاتے ہو مگر عقل غافل نہین ہوتی کیونکہ یہ ملامت اسکی حضوری پر تو مبنی ہے اسلئے کہ اگر وہ حاضر نہوتی بلکہ غافل ہوتی تو ملامت کا چپت کیسے لگاتی۔ پس ثابت ہوا کہ وہ غافل نہین ہے اب اسکی دلیل سنو کہ برے کام کے وقت تم اس سے غافل تھے سو اسکی وجہ یہ ہے کہ اگر تم اس سے غافل نہوتے تو تم اپنی دیوانگی اور سرگرمی سے ایسی حرکت کیون کرتے۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ تمہاری عقل اصطرلاب کی مانند ہے کیونکہ اس سے حق سبحانہ کا قرب معلوم ہو سکتا ہے جو کہ خورشید وجود ہین جسطرح کہ اصطرلاب معروف سے آفتاب معروف کا قرب معلوم ہوتا ہے اور سنو تمہاری عقل کو تم سے بے کیف قرب ہے کیونکہ نہ یہ قرب آگے سے ہے نہ پیچھے سے نہ اوپر سے نہ نیچے سے۔ پس حق سبحانہ کیلئے وہ بے کیف تقرب کیون نہ ہوگا جو عقل کو بلا ز کاوش بھی معلوم نہو۔ اگر ہنوز کوئی تردد باقی ہو تو اور مثال سنو دیکھو تمہاری انگلی جو حرکت کرتی ہے اس کی حرکت اسکے آگے ہے نہ پیچھے نہ داہنے نہ بائین اور وہ حرکت سونے کیوقت یا مرنے کے سبب اس سے زائل ہو جاتی ہے اور بیداری کے بعد پھر آجاتی ہے۔ اب ہم پوچھتے ہین کہ بتلاؤ وہ حرکت تمہاری انگلی مین کس راستہ سے آتی ہو کیونکہ آتی تو ضرور ہے اسلئے کہ اسکے بغیر تو انگلی ہی بیکار ہے لیکن تم راہ نہین بتلا سکتے علی ہذا ہم پوچھتے ہین

کہ تمھاری بتلی مین نور چھ جہتون کے علاوہ کس جہت سے آتا ہے۔ کیونکہ ان چھ جہات سے تو یقیناً نہین آتا اگر تم جہت نہین بتلا سکتے
کیونکہ بتلایا تو اسوقت جاوے جب کوئی جہت ہو اور جب جہت ہی نہو تو بتلایا کیسے جاوے اور جہت کیون نہین اسلئے
کہ یہ اشیاء عالم امر (یعنی عالم مجردات) سے ہین نہ کہ عالم خلق اور مادیات سے اور عالم خلق کیلئے تو جہات ہین مگر عالم امر کے
لئے جہت نہین ہے اور جبکہ عالم امر بے جہت ہے تو آمر یعنی حق تعالیٰ بالا دے بے جہت ہوگا نیز عقل بے جہت ہے اور حق
سبحانہ عقل سے زیادہ مجرد ہین تو وہ لامحالہ اس سے بھی زیادہ بے جہت ہونگے۔ نیز روح بے جہت ہے اور حق سبحانہ
روح سے زیادہ مجرد ہین۔ تو وہ لامحالہ اس سے زیادہ بے جہت ہونگے الحاصل مخلوق اس سے بے تعلق نہین ہے بلکہ
اسکو اس سے ضرور تعلق ہے اور وہ تعلق بے کیف ہے۔ بے کیف ہم نے اسلئے کہا کہ اتصال وانفصال تو متعلق روح با لجسم
مین بھی نہین ہوتا حق سبحانہ کی شان تو روح سے ارفع واعلےٰ ہے پھر اسکے تعلق مین اتصال یا انفصال کیونکر ہوسکتا ہے
اور عقل جزوی اتصال وانفصال کے سوا اور کسی تعلق کو سمجھ نہین سکتی اسلئے کہا جاتا ہے کہ اس کا تعلق بے کیف ہے
گو تمھاری عقل مین اتصال وانفصال کے سوا اور تعلق نہین آتا مگر تم کو دلیل سے اس کا پتہ لگانا چاہئے۔ چنانچہ
ہم اوپر اس دلیل کو بیان بھی کر چکے ہین اور مزید تفصیل اس کی علم کلام مین ہے پس دلیل تمکو بتلائیگی کہ کوئی اور تعلق
بھی ہے۔ مگر اس سے یہ نہین معلوم ہوسکتا ہے کہ وہ کیا ہے اسلئے محض دلیل سوزش تشنگی کو نہین بجھا سکتی بس
اسکے لئے تمکو اولاً اس امر کا تقلیداً اپتہ لگانا چاہئے کہ ہمکو خدا سے بعد ہے تاکہ تمہاری رگ مردانگی جوش مین آکر تمکو طلب
وصل پر آمادہ کرے۔ اور ایک روز تمکو دولت وصل نصیب ہوجائے اور اسوقت تم اس تعلق کو وجداناً سمجھ لو۔ اور محض عقل
سے وہ تعلق سمجھ مین نہین آسکتا کیونکہ عقل تو اتصال وانفصال ہی کی مقید ہے اور اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی یہی
وجہ ہے کہ ہمکو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کیا ہے کہ تم لوگ ذات خداوندی کے متعلق بحث وتفتیش نکرو
کیونکہ عقول ناقصہ کی اس تک رسائی ناممکن ہے۔ اسلئے جسقدر اُسکی ذات مین غور وخوض کیا جاویگا وہ حقیقت
مین اسکی ذات سے متعلق نہوگا بلکہ وہ محض خائض کا خیال ہوگا کیونکہ حق سبحانہ کی ذات تک لاکھون حجابات ہین جنکو
طے کرنا عقل ناقص کا کام نہیں۔ بس ہر شخص ایک حجاب کے اندر حق سبحانہ کو تلاش کرتا ہے۔ اور اس حجاب کو حق
سبحانہ سمجھتا ہے۔ لیکن واقع مین ایسا نہین ہے بلکہ وہ اسکا وہم ہے جو خود اس کا عین ہے اور حق سبحانہ اس سے منزہ
ہین۔ پس اسلئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اس وہم کو دفع کردیا تاکہ وہ غلطی مین پڑکر بیہودہ خیالات
نہ پکاتا رہے اور غیر خدا کو خدا نہ سمجھ بیٹھے کیونکہ اسکے اس وہم مین ترک ادب ہے اور تارک ادب وگستاخ کو حق سبحانہ
سرنگون کرتے ہین اور وہ سرنگونی یہ ہے کہ آدمی نیچے کی طرف چلتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مین اوپر جارہا ہون کیونکہ سرنگونی

بھی ایک قسم کی مستی ہے اور مست کی تعریف یہ ہے کہ وہ آسمان کو زمین اور زمین کو آسمان سمجھ جائے۔ پس یہ معکوس خیال اس کی سرنگونی ہے (فتدبر) خیر تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفکر فی الذات سے ممانعت فرمائی ہے۔ مگر اسکے عجائبات صنع میں غور کرنے کا حکم دیا ہے اور جسکا مقصود یہ ہے کہ حق سبحانہ کی مصنوعات عجیبہ میں غور کر کے اسکی عظمت وجلالت معلوم کرو۔ اور اسکی عظمت وجلالت سے اپنے کو مٹا دو۔ پس جب آدمی اسکی صنعت عجیبہ کو دیکھے گا تو اسکی شیخی ساری کرکری ہو جاویگی اور وہ اپنے مرتبہ کو پہچانے گا اور پھر حق سبحانہ کے متعلق بحث نہ کریگا اور صدق دل سے یہی کہیگا رب لا احصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك کیونکہ وہ جان لیگا کہ اسکے اوصاف حمیدہ کا بیان کرنا حد بیان سے باہر ہے۔ پس خلاصہ کلام یہ ہے کہ صفات وکمالات حق سبحانہ کا بیان کرنا حد بیان سے باہر ہے اسلئے اسکے متعلق اس سے آگے بحث نہیں کرنی چاہیے اور خاموش رہنا چاہیے اور اجمالاً اس کی معیت وقرب بے جہتی وغیرہ کا اعتقاد رکھنا چاہیے۔

رفتن ذوالقرنین بکوہ قاف ودرخواست کردن کہ اے قاف از عظمت حق تعالی شمہ با ما بگو وجواب وگہ صفت عظمت حق تعالی بتقریر در نیاید ولابہ کردن ذوالقرنین کہ ازانچہ توان گفت وبخاطر داری شمہ بگو

رفت ذوالقرنین سوئے کوہ قاف ۔۔۔ دید کہ را کز زمرد بود صاف

گرد عالم حلقہ گشتہ آن محیط ۔۔۔ ماند حیران اندران خلق بسیط

گفت تو کوہی دگرہا چیستند ۔۔۔ کہ بہ پیش عظم تو بازیستند

گفت رگہائے من اند آن کوہہا ۔۔۔ مثل من نبوند در حسن وبہا

من بہر شہرے رگے دارم نہاں ۔۔۔ بر عروقم بستہ اطراف جہان

حق چو خواہد زلزلہ شہری مرا ۔۔۔ امر فرماید کہ جنبان عرق را

پس بجنبانم من آن رگ را بقہر ۔۔۔ کہ بدان رگ متصل گشتست شہر

چون بگوید بس شود ساکن رگم
ساکنم وز رویِ فعل اندر تگم
ہمچو مہ ہم ساکن و بس کارکن
چون خرد ساکن در و جنبان سخن
نزد آنکس کہ نداند عقلش این
زلزلست از بخارات زمین
این بخارات زمین نبود بدان
زامر حق ست و ازان کوہ گران

بیان آنکہ مورے بر کاغذی رفت نوشتن قلم دید قلم را ستایش کرد مورے دیگر کہ تیز چشم تر بود گفت ستایش انگشتان کن کہ این ہنر از ایشان بینم مورے دیگر کہ از ہر دو تیز چشم تر بود گفت ستایش بازو کن کہ انگشتان فرع وے اند

مورکے بر کاغذے دید او قلم
گفت با مورے دگر این راز ہم
کہ عجائب نقشہا آن کلک کرد
ہمچو ریحان و چو سوسن زار و ورد
گفت آن مور اصبع ست آن پیشہ ور
وین قلم در فعل فرع است و اثر
گفت آن مور سوم کز بازو ست
کاصبع لاغر نہ زورش نقش بست
ہمچنین می رفت بالا تا یکے
بہتر موران فطن بود اندکے
گفت کز صورت بہ بیند این ہنر
کہ بخواب و مرگ گردد بے خبر
صورت آمد چون لباس و چون عصا
جز بعقل و جان نجنبد نقشہا
بیخبر بود او کہ آن عقل و فواد
بے ز تقلیب خدا باشد جماد
یک زمان از وے عنایت بر کند
عقل زیرک ابلہیہا می کند

باز التماس کردن ذوالقرنین از کوہ قاف تا بیان صنعے از صنائع حق تعالیٰ کند

چونکہ کوہ قاف دُرِّ نطق سُفت ⁂ چونش گویا یافت ذوالقرنین گفت

کائے سخن گوئے خبیر راز دان ⁂ از صفات حق بکن با من بیان

گفت او کان وصف زانہا برترست ⁂ کہ بیان بر وے تواند برد دست

یا قلم را زہرہ باشد کہ بسر ⁂ بر نویسد بر صحائف زان خبر

گفت کمتر داستانے باز گو ⁂ از عجبہائے حق اے حبر نکو

گفت اینک دشت سیصد سالہ را ⁂ کوہہائے برف پر کرد ست شاہ

کوہ بر کہ بے شمار و بے عدد ⁂ می رسد در ہر زمان برفش مدد

کوہ برفے می زند بر دیگرے ⁂ می رساند برف سردے تا ثرے

کوہ برفے می زند بر کوہ برف ⁂ دمبدم زانبار بے حد و شگرف

گر نبودے این چنین وادی شہا ⁂ تف دوزخ محو کردے مر مرا

غافلان را کوہہائے برف دان ⁂ تا نہ سوزد پردہائے عاقلان

گر نبودے عکس جہل برف باف ⁂ سوختے از نار شوق آن کوہ قاف

آتش از قہر خدا خود ذرہ ایست ⁂ بہر تہدید لئیمان دِرّہ ایست

با چنین قہرے کہ زفت و فائق است ⁂ برد لطفش بین کہ بر وے سابق است

سبق بیچون و چگونہ معنوی ⁂ سابق و مسبوق دیدی بے دوی

گر ندیدے آن بود از فہم پست ⁂ کہ عقول خلق زان کان یک جو ست

عیب بر خود نہ نہ بر آیات دین	کے رسد بر چرخ دین مرغ گلین
مرغ را جولان گہ عالی ہواست	زانکہ نشوش از شہوت و ز ہواست
پس تو حیران باش بے لا و بلے	تا ز رحمت پیشت آید محملے
پس ز فہم این عجائب کودنی	گر بلے گوئی تکلف می کنی
ور بگوئی نے زند نے گردنت	قہر بر بندد بدان نے روزنت
پس ہمین حیران و والہ باش و بس	تا در آید نصر حق از پیش و پس
چونکہ حیران گشتی و گیج و فنا	با زبان حال گفتی اہدنا
زفت زفت ست و چو لرزان می شوی	می شود آن زفت نرم و مستوی
زانکہ شکل زفت بہر منکر ست	چونکہ عاجز آمدی لطف و بر ست

مولانا نے صفات خداوندی کا بیان سے باہر ہونا بیان کیا تھا اب اسکے متعلق ایک قصہ بیان فرماتے ہین اور فرماتے ہین کہ سکندر ذوالقرنین کوہ قاف کی طرف گیا اور وہان پہونچکر دیکھا کہ وہ پہاڑ زمرد سے زیادہ صاف ہے اور تمام عالم کو گھیرے مین لئے ہوئے ہے۔ سکندر اس وسیع مخلوق الٰہی کو دیکھکر حیران ہوگیا اور کہا کہ اصل پہاڑ تو ہی دوسرے پہاڑ کیا چیز ہین کہ تیری عظمت کے مقابلہ مین جم سکین۔ اسنے کہا کہ وہ دوسرے پہاڑ نہین ہین بلکہ میری رگین ہین لیکن خوبصورتی اور صفائی مین میری مثل نہین ہین اسلئے آپکو دھوکہ ہوگیا کہ انکو میرے مغائر سمجھ گئے (فالجواب تخطئۃ بسکندر لا تصحیح لقولہ کما توہم) نیز ہر شہر مین میری ایک رگ پہونچی ہوئی ہے اور تمام اطراف وجوانب زمین میری رگون سے بندھے ہوئے پس جس وقت حق سبحانہ کسی شہر کو زلزلہ دینا چاہتے ہین تو مجھے حکم دیتے ہین کہ فلان رگ کو حرکت دو پس مین بحکم خداوندی غصہ سے اُس رگ کو حرکت دیتا ہون جس سے وہ شہر متصل ہے اور اس شہر مین زلزلہ آجاتا ہے لیکن جب حکم ہوتا ہے کہ بس کرو تو وہ میری رگ ساکن ہوجاتی ہے پس بالذات تو مین ساکن ہون

مگر افعال کے لحاظ سے دوڑ رہا ہون یعنی مین کام کئے جاتا ہون اور افعال میرے جاری ہین اور میری مثال ایسی ہے جیسے مرہم کہ ایک جگہ لگا ہوا ہے اور تاثیر برابر جاری ہے یا جیسے عقل کہ خود ساکن ہے اور الفاظ کو اس سے حرکت ہے ۔ اب مولانا فلاسفہ کی تردید فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ جب تمکو مضمون بالا معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ جن لوگون کی عقلون کو اس راز کا پتہ نہین وہ کہتے ہین کہ زلزلہ بخارات کے زمین کے اندر محتبس ہونے سے پیدا ہوتا ہے حالانکہ یہ غلط ہے زلزلہ احتباس بخارات سے پیدا نہین ہوتا بلکہ اولاً حکم حق اور ثانیاً جنبش رگ کوہ قاف سے ہے **ف** مولانا نے فلاسفہ کی دو باتون کا ردکیا ہے ۔ اول یہ کہ زلزلہ مین موثر بالذات سبب ہے ۔ اس کا رد یون فرمایا کہ موثر حقیقی حق سبحانہ ہین ۔ دوم یہ کہ وہ سبب بخارات زمین ہین اور اس کا رد یون فرمایا ہے کہ نہین بلکہ وہ پہاڑ ہے ۔ سو رد امر اول تو مولانا کا نہایت درست ہے مگر رد امر دوم صحیح نہین ۔ اسلئے کہ اس پہاڑ کا وجود ہی دنیا مین نہین مولانا نے کسی کی نقل پر یا شہرت پر اپنی یہ رائے قایم کی ہے لیکن یہ نقل اور شہرت صحیح نہین ہین ۔ اب مولانا فلاسفہ کی غلطی کو ایک مثال سے ظاہر فرماتے ہین کہ یہ لوگ جو مسببات کو اسباب ہی کا نتیجہ کہتے ہین ان کی ایسی مثال ہے جیسے ایک چیونٹی نے ایک کاغذ پر قلم کو کچھ لکھتے دیکھا تو اُسنے اور چیونٹیون سے اس راز کو بیان کیا اور کہا کہ قلم نے عجیب عجیب نقش بنائے کچھ ریحان کی طرح کے تھے کچھ چنبیلی کے تختہ کی طرح اور کچھ گلاب کے پھولون کی طرح کے (یہ توجیہ تو اس وقت ہے جبکہ اسنے بیل بوٹے بنائے ہون اور اگر حروف لکھے ہون تو معنے یہ ہونگے کہ وہ ایسے خوشنما اور دلکش تھے جیسے ریحان وغیرہ) یہ سنکر دوسری چیونٹی نے جو اس سے قدرے ہوشیار تھی یہ کہا کہ قلم نے یہ نقش نہین بنائے بلکہ اُنگلی نے بنائے ہین قلم تو اپنے فعل اور اثر مین اُنگلی کا تابع ہے ۔ یہ سنکر تیسری چیونٹی نے جو کہ ان دونون سے زیادہ ہوشیار تھی یہ کہا کہ یہ فعل بازو کا ہے اور کمزور اُنگلی کی قوت نے یہ نقوش نہین بنائے غرض ہر ایک چیونٹی یون ہی اوپر کو چلتی تھی حتی کہ نوبت اس چیونٹی تک پہونچی جو ان سب کی سردار تھی وہ ان سب مین کسی قدر سمجھدار تھی اسنے کہا کہ یہ فعل جسم کا نہین ہے تم اسکو جسم کا فعل نہ سمجھو کیونکہ سونے کی حالت مین اور مرنے کے بعد اسے کچھ بھی خبر نہین ہوتی پس اگر یہ فعل خود جسم کا ہوتا تو ان دونون حالتون مین بھی اس سے ضرور صادر ہوسکتا ۔ حالانکہ ایسا نہین ہے تو معلوم ہوا کہ جسم محض لباس اور لاٹھی کی مانند آلہ اور غافل عقل در جان ہے کیونکہ ان دونون کے بغیر اجسام حرکت بھی نہین کرسکتے ۔ چہ جائیکہ ان سے افعال غریبہ صادر ہون

لیکن ان سب سے ہوشیار چیونٹی کو بھی یہ خبر نہ تھی کہ عقل اور دل وجان بھی خود فاعل نہیں ہیں اسلئے کہ انکو حق سبحانہ سے وہی نسبت ہے جو کہ عقل وغیرہ کو اجسام سے کیونکہ جسطرح اجسام بدون تحریک عقل وغیرہ کے حرکت نہیں کر سکتے یون ہی عقل وغیرہ بدون تقلیب وتحریک حق سبحانہ کے جنبش نہیں کر سکتے اگر حق سبحانہ ذراسی دیر کیلئے اپنی عنایت انسے منقطع کر دین تو یہی عقل جو اسوقت نہایت دانائی سے کام لے رہی ہے سراسر حماقتین کرنے لگے۔ خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا اب سنو کہ جب کوہ قاف نے اسقدر نفیس گفتگو کی تو سکندر نے اسے گویا پاکر کہا کہ اے واقف کار اور رازدان متکلم تو مجھ سے حق سبحانہ کی صفات بیان کر۔ اسنے کہا جائیے اپنا کام کیجئے ان کی شان اس سے ارفع ہے کہ بیان اسپر قابو پا سکے یا قلم کی یہ تاب ہو کہ صحائف مین اپنی نوک سے انکی حالت لکھ سکے اسپر ذوالقرنین نے کہا کہ اچھا کچھ حق سبحانہ کی عجیب وغریب صنعتین ہی بیان کر۔ اسنے کہا ہان یہ ممکن ہے اچھا سنو یہ لق ودق بیابان جو کہ تین سو برس مین طے ہو سکتا ہے حق سبحانہ نے اسکو برف کے پہاڑون سے بھر رکھا ہے۔ پہاڑ پر پہاڑ بے شمار چلے جا رہے ہین اور حق سبحانہ کی طرف سے ان کو برف سے مدد ملتی رہتی ہے اور ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ پر برف پھینکتا ہے اور اسیطرح برف تحت الثری تک سردی پہونچاتا ہے۔ اور ایک پہاڑ جو دوسرے پہاڑ پر برف پھینکتا ہے تو تھوڑا بہت نہیں پھینکتا بلکہ نہایت بڑے بڑے اور حیرت انگیز تودے اور پیاپے پھینکتا ہے اور ایسے عجیب وادی کے پیدا کرنے مین علاوہ اور حکمتون کے ایک حکمت میری حفاظت ہے کیونکہ اگر ایسی وادی میرے پاس نہوتی تو گرمی دوزخ مجھے نیست ونابود کر دیتی۔ اب مولانا انتقال فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ غافلین از حق کو بھی تم برف کے پہاڑ سمجھو۔ کیونکہ انکے پیدا کرنے مین منجملہ دیگر حکمتون کے ایک حکمت یہ ہے کہ عقلاء حقیقی یعنی اہل اللہ کے حجابات بالکلیہ فنا نہ ہو جائین۔ کیونکہ اگر غفلت برف اثر کا عکس عرفاء کے قلوب پر نہ پڑتا جو کہ عظمت وحفاظت عالم وغیرہ مین بمنزلہ کوہ قاف کے ہین تو آتش شوق ان کو بھون ڈالتی پس رحمت الٰہی مقتضی ہوئی اسکو کہ غافلون کو پیدا کر کے عاقلون کی حفاظت کیجاوے۔ اب سنو کہ حق سبحانہ کی رحمت کس قدر ہے۔ سواس کا اندازہ یون ہو سکتا ہے کہ آتش دوزخ باوجود اپنی اس تیزی کے جسکا بیان کسی قدر ہو چکا ہے آتش قہر الٰہی کا ایک ذرہ ہے کیونکہ وہ محض پاجیون کے دھمکانے کا ایک تازیانہ ہے لیکن باوجود اس قہر کے جو اس قدر عظیم ہے دیکھلو کہ اسکی رحمت کی سردی قہر کی گرمی سے بڑھی ہوئی ہے اس سے تم اسکا اندازہ کر سکتے ہو کہ کس قدر ہے۔ اب سمجھو کہ رحمت کی غضب سے سبقت حسی نہیں ہے بلکہ معنوی کیونکہ سبقت حسیہ مقتضی ہے تعدد کو اور وہان تعدد واثنینیت ہے نہیں بلکہ رحمت وقہر دونون ذاتاً ایک ہین (کیونکہ رحمت نام ہے ارادہ خیر کا اور

قہر نام ہے ارادۂ شر کا۔ پس رحمت و قہر ہر دو ارادہ ہونگے۔ اور ارادہ ان صفات ثمانیہ میں سے ہے جو عین ذات ہیں اسلئے ارادہ متحد ہوگا ذات کی ساتھ اور ذات متحد ہوگی ارادہ کیساتھ اور چونکہ رحمت ارادۂ خاصّہ ہے اسلئے وہ بھی متحد ہوگی ذات کیساتھ اور ذات متحد ہوگی ارادہ کیساتھ اور چونکہ قہر بھی ارادۂ خاصّہ ہے اسلئے وہ بھی متحد ہوگا ذات کیساتھ اور ذات متحد ہوگی اسکے ساتھ پس رحمت متحد ہوگی ذات کیساتھ اور ذات متحد ہوگی قہر کیساتھ اسلئے رحمت متحد ہوگی قہر کیساتھ و بالعکس (لان المتحد مع المتحد مع الشئ متحد مع ذلک الشئ وھذا علی طور العقول المتوسطۃ وطور العقول العالیۃ ھو الذوق والکشف اذاقنا اللہ منہ) اور پھر ایک دوسرے سے سابق ہے اب بتلاؤ کہ تم بے تعداد کے سابق و مسبوق کو سمجھ گئے یا نہیں اگر نہ سمجھے ہو تو یہ تمہاری فہم ناقص کا قصور ہے۔ ناقص ہمنے اسلئے کہا کہ وہ کان عقل یعنی علم حق سبحانہ کا ایک بہت ہی ذرا سا حصہ ہے کیونکہ مجموعہ عقول خلق کا خود اس کان کا ایک ادنیٰ حصّہ ہے اس سے تم اپنی عقل و فہم کا اندازہ کرلو کہ کس قدر ہے پس ایسی حالت میں تم اپنے کو الزام دو اور مسائل دین جو تمہارے عقول سے باہر ہیں ان پر اعتراض نہ کرو کیونکہ تم آب و خاک سے بنے ہوئے ایک پرندہ کے مثل ہو اور دین بمنزلہ آسمان کے اور آب و گل کا بنا ہوا جانور چرخ دین تک نہیں پہونچ سکتا۔ بلکہ اس کی بڑی سے بڑی دوڑ صورت دین تک ہی نہ کہ حقیقت تک جسطرح کہ معروف پرندوں کی دوڑ ہوا تک ہے (صورت دین کو ہوا سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جسطرح پرندہ اونچا اُڑتا ہوا دیکھنے میں معلوم ہوتا ہے کہ آسمان تک پہونچ گیا۔ یوں ہی صورت تک پہونچنے والا ناقص لوگوں کو معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت دین تک پہونچ گیا واللہ اعلم) اور منشا اس عدم رسائی کا یہ ہے کہ وہ شہوات و ہوائے نفسانی سے پرورش پاتا ہے جو کہ مانع طیران الی السماء المذکور ہیں۔ پس جبکہ تم حقیقت سبقت کو نہیں جان سکتے تو متحیر ہو جاؤ اور نہ تو اس (حقیقت) کا اقرار کرو نہ انکار حتےٰ کہ تمہارے پاس حق سبحانہ کی رحمت سے اس کا محمل واقعی پہونچ جاوے اقرار کی ممانعت تو تم سے اسلئے کی ہے کہ جبکہ تم ان عجیب اسرار کو سمجھ نہیں سکتے تو اگر تم اقرار کروگے تو محض بناوٹ ہوگی کیونکہ واقعہ کے خلاف ہے اور انکار کی ممانعت اسلئے کہ اگر انکار کروگے تو قہر الٰہی خاص تمہاری گردن مارے گا اور دروازہ رحمت خاصہ کو تم پر بند کر دیگا۔ (ف) جاننا چاہئے کہ یہاں سبقت رحمت کی حقیقت واقعیہ کا اقرار و انکار سے بحث ہے نہ کہ نفس سبقت کے اقرار و انکار سے کیونکہ اس کا اقرار تو ضروری ہے لثبوتہا من النصوص۔ علیٰ ھذا قہر و رحمت سے مراد وہ قہر و رحمت ہے جن کا تعلق امور کشفیہ کے اقرار و انکار سے ہے نہ کہ وہ قہر و رحمت جن کا تعلق جزا و سزائے اخرویہ سے ہے۔ کیونکہ ان کا تعلق تو ان امور سے ہے جو بلسان

شائع ثابت ہیں۔ وحقیقة السبقة المبین منها واللہ اعلم) پس ایسی حالت مین تم کو محض متحیر ہوجانا چاہئے تاکہ نصرت حق ہر طرف سے تم تک پہونچے۔ کیونکہ جب تم حیران اور بیوقوف اور فانی ہوجاؤگے تو اسوقت تم بزبان حال ملتجی ہدایت خاصہ ہوگے اور حق سبحانہ تم کو اسکی حقیقت پر مطلع فرمادینگے اور گو وہ حقیقت نہایت عظیم الشان ہے جسکے معلوم کرنیکی تاب نہین ہوسکتی مگر وہ تمہارے لئے نرم اور ٹھیک ہوجاویگی اور تم اسے دیکھ سکوگے اسلئے کہ بڑی اور ہیبتناک شکل تو منکرین کیلئے ہے نہ کہ عاجزون کے لئے پس جبکہ تم عاجز ہوجاؤگے اسوقت وہ تمہارے لئے سراسر لطف وعنایت بن جاویگی۔ (ولی محمد نے رفت زفت ست الخ کو با چنین قہرے الخ کیساتھ مرتبط قرار دیا ہے اور رفت زفت کو خبر قہر بنایا ہے وھو محتمل ولکن لا وجہ عندی ھوا قلت فتدبر)۔

نمودن جبرئیل خود را بمصطفٰے علیہ السّلام بصورت خویش واز مقصد پر او چون یک پر ظاہر شد وافق را بگرفت آفتاب محجوب شد

مصطفٰے میگفت پیش جبرئیل
که چنانکه صورت تست ای خلیل

مر مرا بنمائے محسوس آشکار
تا به بینم مر ترا نظاره وار

گفت نتوانی وطاقت نبودت
حس ضعیف است وتنک سخت آیدت

گفت بنما تا به بیند این جسد
تا چه حد حس نازکست وبے مدد

آدمی را هست حس تن سقیم
لیک در باطن یکے خلق عظیم

بر مثال سنگ وآهن این تنه
لیک هست او در صفت آتش زنه

سنگ وآهن مولد ایجاد نار
زاد آتش زین دو والد قهر یار

باز آتش دستکار وصف تن
هست قاهر بر تن او شعله زن

باز در تن شعلهٔ ابراہیم وار
کہ از و مقہور گردد برج نار

گر برآری از درونت آتشے
آتشت گردد مطیع و دلخوشے

لاجرم گفت آن رسول ذوفنون
رمز نحن الآخرون السابقون

ظاہر این دو بسندانے زبون
در صفت از کان آہنہا فزون

پس بصورت آدمی فرع جہان
در صفت اصل جہان این را بدان

ظاہرش را پشهٔ آرد بچرخ
باطنش باشد محیط ہفت چرخ

چونکہ کرد الحاح بنمود اندکے
ہیبتے کہ کہ شود زان مندکے

شہپرے بگرفتہ شرق و غرب را
از مہابت گشتہ پیش مصطفےٰ

چون ز بیم و ترس بیہوشش بدید
جبرئیل آمد در آغوشش کشید

آن مہابت قسمت بیگانگان
وان تجمش دوستان را رایگان

ہست شاہان را زمانے برنشست
ہول سرہنگان و صارمہا بدست

دور باش و نیزه و شمشیرہا
کہ بلرزند از مہابت شیرہا

بانگ چاؤشان و آن چوگانہا
کہ شود سست از نہیبش جانہا

این برائے خاص و عام رہگذر
کہ کند شان از شہنشاہے خبر

از برائے عام باشد این شکوه
تا کلاه کبر بنہند آن گروه

تا من و ماہائے ایشان بشکند
نفس خودبین فتنہ و شر کم کند

شہر ازان امین شود کان شہریار
دارد اندر قہر زخم گیر و دار

پس ہمیر آن ہوسہا در نفوس   ہیبت شہ مانع آید زان نحوس
باز چون آید بسوئے بزم خاص   کے بود آنجا مہابت یا قصاص
حلم بر حلم ست و رحمتہا بجوش   نشنوی از غیر چنگ و نے خروش
طبل و کوس ہول باشد وقت جنگ   وقت عشرت با خواص آواز چنگ
ہست دیوان محاسب عام را   وان پری رویان گرفتہ جام را
آن زره وان خود در جنگ و وغا   وین شراب و نقل در بزم صفا
جوشن و آن خود مر چالیش راست   وین حریر و درد مر تحریش راست
این سخن پایان ندارد ای جواد   ختم کن واللہ اعلم بالرشاد
اندر احمد آن حسے کان غارب ست   خفتہ این دم زیر خاک یثرب ست
وان عظیم الخلق آن کو صفدر ست   بے تغیر مقعد صدق اندر ست
قابل تغییر اوصاف تن است   روح باقی آفتاب روشن است
بے ز تغییرے کہ لا شرقیۃ   بے ز تبدیلے کہ لا غربیۃ
آفتاب از ذرہ کے مدہوش شد   شمع از پروانہ کے بیہوش شد
جسم احمد را تعلق بد بدان   این تغیر آن تن باشد بدان
ہمچو رنجورے و ہمچون خواب و درد   جان ازین اوصاف باشد پاک و فرد
خود نتانم ور بگویم وصف جان   زلزلہ افتد درین کون و مکان
روبہے گر یکدمے آشفتہ بود   شیر جان ما نا کہ آن دم خفتہ بود

خفته بود آن شیر کز خوابست پاک — اینت شیر نرم ساز سهمناک

خفته سازد شیر خود را آنچنان — که تماشش مرده دانند این سگان

ورنه در عالم کرا زهره بدے — کو ربودے از ضعیفے تر بدے

نقش احمد زان نظر بیهوش گشت — بحر او از مهر کف پر جوش گشت

مه همه کف است و معطی نور باش — ماه را گر کف نباشد گو مباش

احمدا بکشاید آن پر جلیل — تا ابد بیهوش ماند جبرئیل

چون گذشت احمد ز سدره و مرصدش — از مقام جبرئیل و از حدش

گفت او را کز پیم آ و مایست — گفت رو زین پس مرا دستور نیست

گفت او را هین بپر اندر پیم — گفت رو رو من حریف تو نیم

باز گفت او را بیا اے پرده سوز — من باوج خود نرفتستم هنوز

گفت بیرون زین حد اے خوش فرِ من — گر زنم پرّے بسوزد پرّ من

حیرت اندر حیرت آمد زین قصص — بیهشی خاصگان اندر اخص

بیهشیها جمله اینجا بازیست — چند جاندارے که جان پردازیست

جبرئیلا گر شریفی ور عزیز — تو نه پروانه و نے شمع نیز

شمع چون دعوت کند وقت فروز — جان پروانه نه پرهیزد ز سوز

این حدیث منقلب را گور کن — شیر را بر عکس صید گور کن

بند کن مشک سخن پاشیت را — وا مکن انبان قلماشیت را

آنکہ بر نگذشت اجزاش از زمین
پیش او معکوس قلماشیت این

لاتخافہم حبیبی وارہم
یاغریبا تازلافی وارہم

اعطماشاروا ورامو ارضہم
یاطغینا ساکنا فی ارضہم

تا رسی اندر شہ و در ناز خوش
راز یا با مرغزے می ساز خوش

موسیا در پیش فرعون زمن
نرم باید گفت قولا لینا

آب گر در روغن جوشان کنی
دیگ دان و دیگ را ویران کنی

نرم گو لیکن مگو غیر صواب
وسوسہ مفروش در لین الخطاب

وقت عصر آمد سخن کوتاہ کن
ایکہ عصرت عصر را آگاہ کن

گو تو مر گلخوارہ را کہ قند بہ
نرمی فاسد مکن طینش مدہ

نطق جان را روضہ جانیستی
گر ز حروف و صوت مستغنی ستی

این سر خر در میان قند زار
اے بسا کس را کہ بنہاد ست خار

ظن برد از دور کاین آنست پس
چون فحج مغلوب دامی رفت پس

صورت حرف آن سر خر دان یقین
در رز معنی و فردوس برین

اے ضیاء الحق حسام الدین بر آر
این سر خر را زین لطیخ زار

تا سر خر چون بمرد از مسلخہ
نشو دیگر باشدش زین مطبخہ

ہین ز ما صورتگری و جان ز تو
نے غلط ہم این ز تو ہم آن ز تو

مثنوی صورت بود جانش توئی
ہم جہت ہم نور وار کانش توئی

بر فلک محمودی ای خورشید فاش — بر زمین هم تا ابد محمود باش

تا زمینی با سمائی بلند — یک دل و یک قبله و یک خو شوند

تفرقه برخیزد و شرک و دوئی — وحدت اندر وجود معنوی

چون شناسد جان من جان ترا — یاد دارند اتحاد و ماجرا

موسیٰ و هارونؑ شوند اندر زمین — مختلط خوش همچو شیر و انگبین

چون شناسد اندک و منکر شود — منکری اش پردهٔ ساتر شود

پس شناسا کی بگردانید رو — خشم کرد آن مه ز ناشکری او

زین سبب جان نبی را جان بد — ناشناسا گشت و پشت پائی زد

این همه خواندی فرو خوان لم یکن — تا بدانی لج آن گبر کهن

پیش از آنکه نقش احمد فر نمود — نعت او هر گبر را تعویذ بود

کاین چنین کس هست تا آید پدید — از خیال روش دلشان می طپید

در بیان اعتقاد یهود و نصاریٰ پیش از بعثت در شان جناب پیغمبر علیه الصلوٰة والسلام و نام او را حرز جان کردن و ظهورش را خواهان بودن

سجده میکردند کای رب بشر — در عیان آرش هر چه زود تر

تا بنام احمد از یستفتحون — یاغیان شان می شدندی سرنگون

هر کجا حرب مخوفی آمدے — عون شان کراری احمد بدے

هر کجا بیماری مزمن بدے — یاد او شان داروی شافی شدے

نقش او میگشت اندر راہ شان — در دل و در گوش و در افواہ شان

نقش او را کے بیابد ہر شغال — بلکہ فرع نقش او یعنی خیال

نقش او بر روئے دیوار ار فتد — از دل دیوار خون دل چکد

آنچنان فرخ بود نقشش برو — کہ رہد در حال دیوار از دو رو

گشتہ با یک روئے اہل صفا — آن دو روئے عیب مر دیوار را

این ہمہ انکار کفران زاوشان — چون در آمد سید آخر زمان

این ہمہ تعظیم و تفخیم و وداد — چون بدیدندش بصورت بر دباد

قلب آتش دید در دم شد سیاہ — قلب را در قلب کے بودست راہ

قلب می زد لاف اشواق محک — تا مریدان را در اندازد بشک

افتد اندر دام مکرش ناکسے — این گمان سر بر زند از ہر خسے

کاین اگر نہ نقد پاکیزہ بدے — کے بسنگ امتحان راغب شدے

ہیچ از لاف محک دیدن زدے — یا بسنگ امتحان شوقش بدے

او محک می خواہد اما آن چنان — کہ نگردد قلبی او زان عیان

گر بگویم تا قیامت زین کلام — صد قیامت بگذرد این ناتمام

آن محک کہ او نہان دارد صفت — نے محک باشد نہ نور معرفت

آئینہ کو عیب رو دارد نہان — از برائے خاطر ہر قلتبان

آئینہ نبود منافق باشد او — این چنین آئینہ را ہرگز مجو

آئینہ چو راست گوئی بے نفاق — ختم کن واللہ اعلم بالوفاق

تا کہ عین آئینہ ات سازت خدا — کہ نماید عرش را ہمچون سما

عرش چہ و چرخ چہ اے ذولباب — فہم کن واللہ اعلم بالصواب

مولانا نے چونکہ اوپر فرمایا تھا "در زانکہ شکل زفت بہر منکر ست + چونکہ عاجز آمدی لطف و برست" اسکی تائید مین ایک قصہ بیان فرماتے ہین تفصیل اسکی یہ ہے کہ ایک روز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ جیسی آپکی اصلی صورت ہے، ایکمرتبہ ہمکو اسی طرح دکھلا دو تاکہ ہم اسکو آنکھون سے دیکھ لین یہ سنکر جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ سے یہ ہو نہ سکے گا اور آپ اسکے دیکھنے کے متحمل نہون گے اور چونکہ حس جسمانی کمزور اور نازک ہے اسلئے آپ پر اس کا دیکھنا شاق ہوگا۔ آپنے فرمایا خیر دکھلاؤ تو سہی جسم کو یہ بھی معلوم ہو جاویگا کہ اسکی حس کسقدر کمزور اور ضعیف ہے اب مولانا انتقال فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ آدمی کی حس جسمانی گو کمزور ہے مگر اسکے باطن مین ایک نہایت عظیم الشان مخلوق پوشیدہ ہے یعنی روح و قوی روح اور جسم کی مثال پتھر اور لوہے کی سی ہے کہ صورت مین تو محض معمولی ہے لیکن معنی کے لحاظ سے چقماق ہے کہ اسمین آگ سی قاہر مخلوق چھپی ہوئی ہے۔ اب مولانا اس استبعاد کو بالقصد اُٹھانا چاہتے ہین جو امر... باطنی کی بہ نسبت جسم ظاہری کے قوی ہونے پر ہوتا ہے اور فرماتے ہین کہ دیکھو آگ پتھر اور لوہے سے پیدا ہوتی ہے مگر وہ آگ جو ان دو سے پیدا ہوتی ہے نہایت قاہر ہوتی ہے اور دیکھو آگ نتیجہ ہے وصف تن کا۔ کیونکہ جسم انسان ہی آگ کو لوہے پتھر وغیرہ سے نکالتا ہے۔ لیکن باینہمہ وہ اس جسم انسانی پر غالب شعلہ زن ہوتی ہے۔ جب یہ معلوم ہوگیا تو اس سے سمجھ لو کہ جسم مین بھی ایک شعلہ (روح انسانی) چھپا ہوا ہے جو اپنے اندر صفت ابراہیمی رکھتا ہے۔ یعنی اُس سے ایک زبردست آتشکدہ مغلوب ہو سکتا ہے اور اسکی یہ حالت ہے کہ اگر تم اسکو اپنے اندر سے نکالو یعنی اسکی صفات کو غالب کرو تو یہ آگ جو اسقدر قاہر نظر آتی ہے اسکی بخوشی فرمانبردار ہو جاویگی (چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نظیر موجود ہے) یہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نحن الآخرون السابقون یعنی گو ہم متولد ہین اپنے آباء سے مگر ہم آگے بڑھے ہوئے ہین جسطرح کہ آگ لوہے اور پتھر سے پیدا ہوتی ہے مگر دونون سے بڑھی ہوتی ہے اب مولانا پھر تشبیہ جسم کیطرف عود کرتے ہین اور فرماتے ہین کہ ہمنے جسم کو لوہے اور پتھر سے تشبیہ دی تھی۔ سو دیکھو لوہا اور پتھر صورت کے لحاظ سے سندان کے مقابلہ مین عاجز ہین مگر اپنی معنی کے لحاظ سے سیکڑون لوہے کی کانون سے بڑھکر ہین کیونکہ انمین آگ چھپی ہوئی ہے جو انکو ایک دم مین گلا سکتی ہے۔ بس یہی حالت جسم کی ہے کہ وہ صورت مین نہایت معمولی اور کمزور ہے مگر اسمین ایک نہایت عظیم مخلوق پوشیدہ ہے اور اسی سے تم یہ بھی سمجھ سکتے ہو کہ انسان گو صورۃً اس عالم کی فرع اور اس سے متولد ہے مگر حقیقت کے لحاظ سے اسکی اصل ہے اور گو ظاہر اس کا اس قدر کمزور ہے کہ

ایک مچھر اسے نچا سکتا ہی مگر حقیقت اسکی اس قدر عظیم ہے کہ افلاک ہفت کو محیط ہے کیونکہ وہ جامع حقائق
عالم ہی خیر تو جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصرار فرمایا تو انھون نے اپنی وہ ہیئت جس سے پہاڑ پارہ پارہ ہو جاوے کسیقدر
دکھلادی۔ یعنی انکے پر مشرق و مغرب کو گھیرے ہوئے تھے اس صورت کو دیکھکر مارے خوف کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیہوش
ہوگئے۔ پس جبکہ جبریل علیہ السلام نے آپکے خوفزدہ اور بیہوش ہونیکو دیکھا تو انھون نے اپنی صورت فورًا بدلدی اور
آکر آپکو گود مین لیلیا۔ اسوقت انسے دو فعل صادر ہوئے ایک تو تخویف بصورت ہیبت اور دوسری لطف و عنایت بصورت مانوس۔
پس پہلا فعل تو جسم اور حواس جسمانیہ کیلئے تھا۔ جو حقیقت ملکیہ سے مغائرت رکھتے ہین اور دوسرا فعل روح کیلئے تھا جو حقیقت
کیساتھ اتحاد اور موافقت رکھتی ہی۔ کیونکہ ہیبت اغیار کیلئے ہوتی ہے اور لطف و عنایت دوستون کیلئے۔ دیکھو جسوقت
سلاطین تخت حکومت پر بیٹھتے ہین اسوقت انکی ہیئت نہایت ہولناک ہوتی ہے کہ سپاہی پہرہ پر ہوتے ہین اور
شمشیرہای بران اور دوشاخے نیزے اور عام نیزے اور عام تلوارین جنکی ہیبت سے شیرون کے جسم پر لرزہ پڑجاوے
ہاتھ مین ہوتے ہین اور نقیب للکارتے ہوتے ہین۔ اور وہ تلوارین ہوتی ہین جنکی ہیبت سے دم فنا ہوتا ہی اور یہ ہیبت
کچھ بیرونی عوام و خواص کیلئے ہوتا ہی تاکہ انکو بادشاہ کی خبر ہوجاوے اور یہ دبدبہ عوام کیلئے اسلئے ہوتا ہی کہ وہ لوگ کلاہ تکبر سر سے
اتار دین اور تاکہ ان کا غرور ٹوٹ جاوے اور ان کا نفس خود بین فتنہ اور شرارت نہ پیدا کرے اور ملک مین اسی سے امن ہوتا ہی
کہ بادشاہ قاہرانہ لوگون پر گرفت کرے اور انکو انکے جرمونکی سزائین دے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے خواہشات نفسانیہ نفسون
ہی کے اندر مرکر رہجاتے ہین اور انکا ظہور نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ہیبت شاہی اس نحوست سے مانع ہوتی ہی پس برتاؤ تو بیرونی لوگون
کی ساتھ ہوتا ہی اب سنو کہ جب شاہ اپنے محفل خاص مین آتا ہی تو نہ وہان خوف کا نام ہوتا ہی نہ انتقام کا بلکہ وہان تو سراسر
حلم ہوتا ہی اور رحمتین جوش زن ہوتی ہین اور آواز چنگ و آواز بانسری وغیرہ کے سوا اور کوئی شور ہی نہیں ہوتا پس اس
بیان سے معلوم ہوگیا کہ ہیبت اغیار کیلئے ہے اور لطف خواص کیلئے چنانچہ ڈھول اور ہیبتناک نقارے جنگ مین ہوتے ہین
جنسے دشمنونکو ڈرایا جاتا ہی اور جبکہ خواص کیساتھ مصروف عیش ہوتے ہین تو اسوقت چنگ کی دلکش آواز ہوتی ہے نیز معدلت
کی کچہری عوام کیلئے ہوتی ہی اور بزم خاص مین پریرو جام لئے ہوتے ہین اور زرہ اور خود جنگ مین ہوتے ہین اور شراب و
نقل بزم صفا مین اور جوشن اور خود دشمن کے مقابلہ کیلئے ہوتے ہین اور حریر و گل عیش و عشرت کیلئے۔ خیر یہ گفتگو تو ختم نہوگی
اسلئے اسکو ختم کرکے مضمون سابق کو بیان کرنا چاہئے۔ ہمنے کہا تھا کہ آدمی کے اندر ایک حس جسمانی ہی جو کہ کمزور ہے اور دوسری ایک عالیشان
مخلوق ہے۔ سو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر بھی یہ دونون باتین تھین چنانچہ وہ حس جسمانی جو مشاہدہ صورت جبریل کی تاب لاسکی
اور از خود رفتہ ہوگئی وہ تو اسوقت مدینہ مین زیر زمین سو رہی ہی اور وہ عظیم الشان مخلوق جو کہ نہایت بہادر ہی اور ایسی مہیب شکلونسے

متاثر نہیں ہوتی وہ بلا تغیر کے مقعد صدق مین مقیم ہے سے بے تغیر ہیمنے اسلئے کہا کہ ایسے تغیرات یعنی تغیرات ناسوتیہ کو قبول کرنیوالے اوصاف جسم ہوتے ہین نہ کہ روح باقی جو کہ ایک روشن آفتاب اور ظلمات ناسوتیہ سے منزہ ہے وہ بے تغیر وتبدل ہے اسلئے کہ نہ وہ شرقی ہے نہ غربی۔ کیونکہ شرق وغرب عالم خلق سے ہین اور ارواح عالم امر سے اور جبکہ روح احمدی آفتاب ہے تو شکل جبریلی جو کہ اسکے مقابلہ مین ایک ذرہ ہے اس سے کیونکر بیہوش ہو سکتی ہے اور جبکہ وہ ایک شمع ہے تو پروانہ سے کیونکر بیہوش ہو سکتی ہے اسلئے کہا جائیگا کہ جسم احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بیہوشی سے تعلق تھا نہ کہ روح کو کیونکہ تغیر ناسوتی جسم ہی کا حصہ ہے روح سے اسے کوئی واسطہ نہیں جیسے کہ بیماری نیند اور تکلیف وغیرہ کہ یہ سب جسم سے متعلق ہین روح ان اوصاف سے پاک صاف اور علیحدہ ہے۔ اب مع لانا فرماتے ہین کہ مین روح کے اوصاف بیان نہیں کر سکتا اور اگر اسکے اوصاف عالیہ بیان کرون تو عالم مین ہل چل پڑ جائے۔ اسلئے کہ کوئی ان اوصاف کے سننے کی تاب نہین لا سکتا اسکے بعد مولانا بیہوشی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء بیان فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ اگر آپکی لومڑی یعنی جسم کچھ دیر کیلئے پریشان ہو گئی تو اسکی وجہ یقیناً یہ تھی کہ آپ کا شیر جان اسوقت سو رہا تھا یعنی غیر اختیاری طور پر حفاظت جسم سے غافل تھا۔ اور وہ شیر (روح مصطفوی) جو بحکم لاینام قلبی حقیقی سونے سے پاک ہے مجازاً سو رہا تھا یعنی غافل از تصرف فی الجسم تھا (ف یہ غفلت از تصرف غیر اختیاری تھی اور اختیار کو اس مین دخل نہ تھا فتنبہ لہ) اب فرماتے ہین کہ یہ شیر جو کہ ہیبت ناک شے کو نرم کر دینے والا ہے[1] عجیب شیر ہے کہ اسکی قوت کا بیان نہیں ہو سکتا۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اب سنو کہ شیر اپنے کو یون سوتا بنا لیتا ہے کہ سب کتے اسے مردہ سمجھ لیتے ہین اور اگر ایسا نہ ہوتا تو کسکی مجال تھی کہ وہ کسی ضعیف اور کمزور سے تر ید[2] سی بے حقیقت چیز بھی چھین لیتا۔ (میرے نزدیک ایک جداگانہ مضمون ہے اور مقصود اس سے خفتہ بود آن شیر کز خوابست پاک کی اور حق سبحانہ کی چشم پوشی بیان کرنا ہے۔ اور حاصل یہ ہے کہ شیر روح مصطفوی کا اپنے کو سوتا بنا لینا کچھ تعجب کی بات نہین کیونکہ مالک عالم حق سبحانہ بھی ایسا کرتے ہین جیسا کہ اس تعدی سے ظاہر ہے جو کہ عالم مین مشاہد ہے کیونکہ اگر حق سبحانہ قصداً مجرمون سے چشم پوشی نہ کرتے اور اپنے کو ایسا نہ بناتے جیسا کہ وہ انکے جرمونکو جانتے ہی نہیں تو عالم مین فساد ناممکن تھا واللہ اعلم ۱۲

خیر تو جسم احمد صلی اللہ علیہ وسلم اس نظر سے بیہوش ہوا تھا نہ کہ روح اور وجہ اس بیہوشی کی یہ تھی کہ انکا بحر روح محبت وست حق سبحانہ سے پر جوش ہو کر تصرف فی الجسم سے غافل ہو گیا تھا۔ اسپر اگر کوئی شبہ کرے کہ حضرت حق کے ہاتھ کہان ہے جسکی محبت سے وہ بحر پر جوش ہوا تھا۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ چاند سراپا ہاتھ ہے اسلئے کہ جو کام وہ ہاتھ سے کرتا مثلاً دینا اور نور پھیلانا سو وہ اپنی ذات سے کرتا ہے پس ایسی حالت مین اگر اسکے متعارف ہاتھ نہ ہو تو نہ سہی پس اسی طرح کف حق سبحانہ کو سمجھ لو اس مضمون کو ختم کر کے آگے وہم تفضیل جبریل علیہ السلام بر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دفع فرماتے ہین۔ اور کہتے ہین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صورت جبریلی کو دیکھکر بیہوش ہو جانے کو دیکھکر تمکو جبریل علیہ السلام کی آنحضرت پر فضیلت کا شبہ

[1] نرم ساز: یعنی نرم کرنیوالا
[2] یعنی ظالمون کی تیزی و فساد و جرم ۱۲

ہونا چاہئے۔ کیونکہ آپ تو انکو دیکھکر تھوڑی ہی دیر بیہوش رہے تھے اور وہ بیہوشی بھی جسمانی تھی نہ کہ روحانی۔ لیکن اگر جناب رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روحانی عظیم الشان پرونکو کھولدین اور اپنے قوی عروج روحانی کو ظاہر فرمائین تو جبریل علیہ السلام ابد تک
بیہوش رہین اور کبھی ہوش نہ آئے آپکے پرونکی فوقیت جبریل علیہ السلام کے پرونپر اس واقعہ سے ظاہر ہوگی کہ جب آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ سے آگے بڑھے اور جبریل علیہ السلام کے مقام اور انکی حد سے تجاوز کیا تو جبریل اپنے مقام پر ٹھہر گئے اسپر
آپنے فرمایا کہ جبریل کیون ٹھہر گئے میرے پیچھے پیچھے آؤ اسپر اُنھون نے جواب دیا کہ آپ ہی تشریف لیجائین مجھے آگے اجازت
نہین ہے آپنے پھر فرمایا کہ میرے پیچھے چلے آؤ اسکا بھی اُنھون نے یہی جواب دیا کہ اب مین آپکا ہمسفر نہین ہوسکتا آپنے پھر فرمایا
کہ مین ابھی اپنی اصلی بلندی پر نہیں پھونچا ہون چلے آؤ اسپر اُنہون نے عرض کیا کہ اگر مین اس حد سے آگے پرونکو حرکت
دیتا ہون تو فوراً میرے پر جل جاوینگے بس اس سے تم سمجھ لو کہ دونون کے پرون میں کیا نسبت ہے اسکے بعد مولانا فرماتے
ہین کہ ایسے واقعات کو سنکر سخت حیرت ہوتی ہے کہ خواص عباداللہ افضل العباد کے معاملہ مین ہوش سے کام نہین لیتے
دیکھو جبریل علیہ السلام سے خاص اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر آگے نہین جاتے۔ آگے جبریل علیہ السلام
کو مخاطب کرکے کہتے ہین کہ اس مقام پر تمام ہوشیاریان ایسی بازی ہین جو واجب الترک ہین لہذا سب کو چھوڑنا
چاہئے اور ہوش سے کام لینا چاہئے اور اگر آگے بڑھنے مین جلکر جان جانیکا خوف ہے تو آخر جان کا بچانا کب تک یہ مقام تو جان ہی
دینے کا ہے جبریل علیہ السلام آپ کتنے ہی مشرف و مکرم عنداللہ ہون مگر اتنا تو ہم کہین گے کہ آپ شمع مصطفوی کے پروانہ ہین اور
نہ خود شمع ہین ورنہ پروانہ نہ ہونیکی ایک معقول وجہ آپکے پاس ہوتی اور آپکو پروانہ ہونا تعجب کی بات ہے کیونکہ جسوقت شمع پروانہ
کو بلاتی ہے تو وہ ہرگز جلنے سے گریز نہین کرتا۔ اور آپ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر فرماتے ہین کہ میرے
پر جلجاوینگے۔ اس مضمون کو مناسبت بیان فرماکر حضرت حسام الدین کو خطاب فرماتے ہوئے کہتے ہین کہ اس گفتگو کو دفن
کیجئے جو عوام کے نزدیک الٹی ہے اور شیر کو یعنی اپنے کو گورخر یعنی عوام کا شکار کردیجئے گو ہونا اسکے خلاف چاہئے
یعنی اپنے کو ان کا تابع کردیجئے گو ہونا یہ چاہئے تھا کہ وہ آپکے تابع ہوتے اور اپنے سخن پاش مشک یعنی منہ کو عوام کی
خاطر سے بند کر لیجئے اور اپنی آزاد بیانی کے تھیلے کو نہ کھولئے (ف آزاد بیانی حاصل ہے قول مانشئت کا کیونکہ اسکے معنے
ہین جو جی چاہے کہو) کیونکہ جو لوگ ابھی محبوس ناسوت ہین انکے نزدیک آزاد بیانی الٹی ہے۔ مولانا نے اعتراض بر جبریل
علیہ السلام کو اہل ظاہر کے نزدیک اوندھی بات اور الٹی آزاد بیانی کہا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ اہل ظاہر کہین گے کہ جبریل علیہ
السلام کیلئے حد بحکم خداوندی مقرر تھی پس انکا اس سے آگے نہ بڑھنا امتثال امر الٰہی تھا پس گویا مولانا کا اعتراض بر جبریل کا
حاصل یہ ہوا کہ جبریل علیہ السلام کو تعمیل حکم رسول کیلئے امتثال امر الٰہی کو چھوڑ دینا چاہئے تھا اور یہ بالکل الٹی بات ہے

ف یہ مضمون متعلق جبریل علیہ السلام کے آخر تک علاوہ خلاف عظمت نبویہ ہونے کے منافی ہی ۱۲ اشرف علی

جبکہ اہل ظاہر کے نزدیک اسکا الٹا ہونا ثابت ہوگیا تو اب ضرورت ہے کہ مولانا کیطرف سے اس اعتراض اہل ظاہر پر مولانا کا جواب دیا جاوے
کیونکہ مولانا کے کلام سے اس اعتراض بر جبریل کا فی نفسہ صحیح ہونا مفہوم ہوتا ہے سو اس اعتراض اہل ظاہر کا جواب یہ ہے کہ خود
یہ مقدمہ ہی مسلم نہیں کہ جبریل علیہ السلام کیلئے حد بحکم خداوندی مقرر تھی بلکہ ہیبت جلال کبریائی کے سبب خود آگے نہ بڑھتے تھے
اسوقت جبریل علیہ السلام کے امتناع کا منشأ امتثال صریح امر خداوندی نہ ہوگا۔ بلکہ انکا خوف و اجتہاد ہوگا اور یہی بنی
ہے اعتراض کا۔ پس ثابت ہوگیا کہ جبریل پر مولانا کا اعتراض فی نفسہ صحیح ہے۔ لیکن چونکہ عوام کے خیال کے خلاف تھا نیز امین
جبریل علیہ السلام کی تنقیص کا شبہ ہو سکتا تھا بنابرین مولانائے اس گفتگو کو بند کرنے کی ہدایت فرمائی۔ پس اے میری
محبوبل ورلے مسافر جو آپکے وطن مین مقیم ہے یعنی عالم ناسوت مین آپ انکی مخالفت نکرین بلکہ انکی ہدایت فرماوین جو
وہ چاہین اور جو انکو مقصود ہو وہ انکو عطا فرماوین اور انکو رضامند کرین اور جب تک اپنے بادشاہ کے پاس اور محل ناز مین یعنی
عالم غیب مین پہونچ جاوین اسوقت تک ہمرازی (یعنی دوسرے ملک (عالم ملکوت) کے رہنے والے مزعز کے رہنے والون
(یعنی ساکنین ناسوت) سے نہ بگاڑین بلکہ میل رکھین اور اے موسیٰ یہ لوگ فرعون زمانہ ہین ان سے نرم اور غیر موحش بات
کہنی چاہئے۔ انکے مذاق کے خلاف بات کہنے کا برا نتیجہ ہے۔ دیکھئے اگر پکتے ہوئے تیل مین پانی ڈالدیا جاوے تو اسکا نتیجہ
یہ ہوگا کہ ہانڈی اور چولھا سب تباہ ہو جاویگا پس نرم گفتگو کیجئے لیکن اسکے یہ معنے نہین کہ آپ خلاف واقعہ باتین کہین
اور نرمی کلام مین وسوسونکو دخل دین۔ بلکہ آپ حق بات فرمائیں مگر عنوان بیان بھی نرم ہو۔ اور انکی فہم سے بعید بھی نہو پس
اے وہ شخص جسکا زمانہ زمانہ بھر کو آگاہی از حق بخشنے والا ہے عصر یعنی ختم گفتگو کا وقت آگیا ہے۔ اس گفتگو کو ختم کیجئے لیکن
اتنا اور کہدینا مناسب ہے کہ آپ مٹی کھانیوالے سے یہ تو فرماوین کہ قند اچھی چیز ہے پس بجائے مٹی کے اسے کھانا چاہئے اور یہ
نہ کیجئے کہ انکی موافقت مین آپ انکو مٹی دینے لگین یہ مطلب تھا ہمارے قول "نرم گو لیکن مگو غیر صواب الخ" کا رہی یہ بات کہ بجز
خواص کو کیونکر فائدہ پہونچایا جاوے سو اسکی بابت گذارش ہے کہ آپ گلہائے نطق روحانی کے روحانی باغ مین پس آپ یکو
انکو نطق روحانی سے سمجھا سکتے ہین کیونکہ انکے سمجھانیکے لئے انکو حروف و اصوات کی ضرورت نہیں پس آپ حروف و اصوات
موحشہ کو چھوڑ دیجئے۔ دیکھئے قندزار کے اندر اس سر خرنے بہت سے لوگون کی راہ مین کانٹے رکھدئے ہین کیونکہ
بہت سے لوگ دور سے دیکھکر سمجھتے ہین کہ یہ سر خر اور اور موحش ہے۔ اسلئے وہ اس مغلوب مینڈھے کی طرح جو کہ فالیز
مین سر خر کو دیکھکر پیچھے ہٹتا ہے پیچھے ہٹنے لگتے ہین مطلب ہمارا یہ ہے کہ الفاظ موحشہ بمنزلہ سر خر کے ہین جو کہ فالیز
وغیرہ مین جانورون کے ڈرانے کیلئے لٹکایا جاتا ہے اور معانی اپنی شیرینی مین بمنزلہ قندزار یا انگورون کے۔ پس
جبکہ معانی نفیسہ کو الفاظ موحشہ مین بیان کیا جاویگا تو لوگونکو وحشت ہوگی اور وہ ان معانی سے فائدہ نہ اٹھا سکینگے

اسلئے اے ضیاء الحق حسام الدین آپ اس سرخر دالفاظ موحشہ) کو فالیز (معانی) سے الگ کر دیجئے۔ (یہان الفاظ موحشہ کو سرخر کہا تھا۔ آگے محجوبین کو انکی حماقت کی بنا پر سرخر قرار دیکر فرماتے ہین) یہانتک کہ وہ سرخر یعنی محجوبین جبکہ مسلخہ دنیا سے مرجاوین یعنی اس سے بے تعلق ہوجاوین تو یہ فالیز معانی اسکو نشود یگر عطا فرمائے اور وہ ایک نئی حیات حاصل کرین خلاصہ یہ کہ جبتک محجوبین کے اندر صلاحیت فہم حقیقت نہ پیدا ہوجاوے اس وقت تک آپ الفاظ موحشہ سے احتراز فرمائین۔ اب مولانا انکو خطاب کا راز بیان فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ ہم آپکو مخاطب اسلئے بناتے ہین کہ ترتیب مثنوی مین ہمارا کام تو صرف صورت پہنانا ہی باقی حقائق و مضامین تو آپ ہی کے ہین۔ یہ بھی غلط ہے بلکہ صورت بھی ہم آپ ہی کی برکت تو جہ سے پہناتے ہین اسلئے وہ بھی آپ ہی کیطرف سے ہے اور مثنوی ایک صورت ہے اسکی جان بھی آپ ہی ہین اور اسکے جہت اور قدر اور ارکان بھی آپ ہی ہین۔ غرضکہ مثنوی کا مدار آپ ہی پر ہے۔ بس ہمارا آپکو مخاطب بنانا بالکل صحیح ہے۔ آپ عند اللہ بھی محمود ہین اور خدا کرے کہ آپ دنیا مین بھی ہمیشہ محمود رہین تاکہ آپکے ساتھ کہ آپ سمائی ہین ناسوتی لوگ کہ زمینی ہین یکدل اور یکجہت اور یک خصلت ہوجاوین اور مغائرت و تعدد و اثنینیت درمیان سے اُٹھ جاوے اور اسکی صورت یہ ہے کہ ان پر روحانیت غالب ہو کیونکہ وجود روحانی مین تغائر و تنافر نہیں ہے بلکہ اتحاد ہے اب مولانا موافقت اور منافرت کا منشا بیان فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ عالم ارواح مین جبکہ دو روحین آپسمین ایک دوسری کو پہچان لیتی ہین اور دنیا مین اپنے اتحاد قدیمی عالم ارواح کو یاد کرتی ہین تو وہ موسیٰ و ہارون کی طرح یکجان و دو قالب ہوجاتی ہین اور دودھ اور شہد کیطرح گھل ملجاتی ہین لیکن جبکہ ایک روح دوسری کو عالم ارواح مین کسی قدر پہچان کر دنیا مین انجان بنجاتی ہے تو یہ اس کا انجان پن حجاب بن جاتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوسری روح جو اسکو پہچانتی ہے یعنی مربی کی روح وہ بھی منہ پھیر لیتی ہے اور اسکو اسکی ناشکری پر غصہ آتا ہے اسی لئے وہ بھی جذب چھوڑ دیتی ہے اور اتحاد نہین ہو سکتا۔ چنانچہ ارواح کفار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان کر انجان بنگئین۔ اسوجہ سے روح مصطفوی نے انکا جذب چھوڑ دیا اور وہ ہمیشہ کیلئے ناشناسا ہوگئین اور انھون نے روح مصطفوی کو چھوڑ دیا یہ مضمون تو تمکو معلوم ہوگیا اب تم لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب الخ پڑھ لو تاکہ تمکو ہمارے بیان کی تصدیق ہوجاوے اور کفار کا عناد تمکو معلوم ہوجائے وہ لوگ اولاً آپکو پہچانتے تھے اور پہچاننے کے بعد منکر ہوئے اسکی دلیل یہ ہے کہ جبتک آپ کا وجود دنیا مین نہ ہوا تھا اسوقت تک آپکی تعریف ہر کافر کیلئے تعویذ تھی اور کہتے تھے کہ ان صفات کا شخص ضرور ظاہر ہوگا اور آپکے چہرۂ مبارک کے خیال سے انکا دل بیقرار ہوتا تھا۔ اور چاہتے تھے کہ کسی طرح ان کا ظہور جلد ہوجاوے اور سجدہ مین پڑ کر دعائین مانگتے تھے کہ

اے اللہ جسقدر بھی جلد ہوسکے تو انکو ظاہر فرمادے۔ اور انکا اعتقاد اس درجہ تک پھونچا ہوا تھا کہ نام احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے فتح طلب کرتے تھے اور اس سے ان کے دشمن مغلوب ہوتے تھے اور جہان کہین خوفناک جنگ ہوتی تھی تو شجاعت معنوی احمد صلی اللہ علیہ وسلم یعنی برکت انکی معین ہوتی تھی اور جہان کہین کوئی بُرا اور لاعلاج مرض ہوتا تھا انکی یاد اسکے لئے دوائے شافی ہوتی تھی اور چلتے پھرتے آپکی صورت اُنکے دلون میں پھرتی تھی۔ کانونمین آتی تھی اور زبان پر آتی ہمنے غلط کہا انکی اصلی صورت ان گیدڑون (یعنی فطری نااہلون) کے خیال مین کب آسکتی ہی (ف شغال اور نااہل انکو اسلئے کہا گیا کہ گو اسوقت وہ اہل تھے مگر یہ اہلیت ایک ملمع تھی جو قائم رہنے والی نہ تھی) بلکہ انکی صورت کی فرع یعنی خود ان کا خیال صورت انکے دلون مین پھرتا تھا۔ انکے نقش کی تو یہ حالت ہے کہ اگر دیوار پر بھی پڑجائے تو دیوار سے خون جگر بہنے لگے اور اسکے حق مین وہ نقش اتنا مبارک ہو کہ دیوار بھی اگر دورو ہو تو وہ بھی دوروئی سے نجات پا جائے کیونکہ اہل صفا کی یکروئی کے ساتھ دیوار کیلئے دوروئی عیب ہے پس وہ ضرور یکرو ہو جاوے۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اب سنو کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دنیا مین تشریف لائے انکا انکار اور کفر پیدا ہو گیا اور جب انکی صورت دیکھی تو وہ ساری تعظیم و تکریم رفو چکر ہوگئی راز اس کا یہ تھا کہ وہ کھوٹا سونا تھے آگ مین پڑتے ہی سیاہ ہو گئے اور آنحضرت کے قلب نے انکو قبول نہ کیا کیونکہ کھوٹے اور منافقین کو قلوب اہل اللہ مین جگہ نہیں ملتی اب رہی یہ بات کہ آخر وہ اپنا اسقدر شوق کیون ظاہر کرتے تھے جبکہ انکو انکی اطاعت ہی نہ کرنی تھی اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ کھوٹے تھے اور اپنی قبولیت کیلئے انکو فرصت تھی کہ وہ کسوٹی پر کسے جانے کا شوق ظاہر کرین تاکہ طالبین کو شک مین ڈالدین اور نااہل انکے دام فریب مین پھنس جائین۔ کیونکہ نااہل یہ سمجھتے ہین کہ اگر یہ کھرا سونا نہوتا تو کسوٹی پر کسے جانیکی کیون درخواست کرتا بھلا ایسی حالت مین سی کسوڈی پر کسے جانیکا شوق ہوسکتا تھا اور سنگ امتحان کیطرف راغب ہوسکتا تھا کبھی نہین پس ضرور یہ کھرا ہے مگر ان احمقونکو یہ خبر نہین کہ وہ کسوٹی ضرور چاہتا ہی مگر ایسی کسوٹی جس سے اسکی کھوٹ ظاہر نہو اچھا اب اس بیان کو ختم کرنا چاہئے کیونکہ اگر مین قیامت تک اس مضمون کو بیان کرونگا تو ختم نہوگا اچھا اتنا اور سن لو کہ وہ کسوٹی چاہتے ہین مگر وہ کسوٹی جس سے انکی کھوٹ ظاہر نہو لیکن جو کسوٹی اصلی صفت کو چھپاوے وہ کسوٹی نہین ہی اور نہ نور معرفت ہی اور جو آئینہ کہ کسی کی خاطر سے منہ کا عیب چھپالے وہ آئینہ نہین بلکہ منافق ہی پس تمکو ایسا آئینہ طلب کرنا چاہیئے بلکہ وہ آئینہ تلاش کرنا چاہئے جو سچا ہو اور منافق نہو اچھا اب اس بیان کو ختم کرو خیر یہ اور سنلو کہ ایسا آئینہ طلب نیسے خدا تمکو خود آئینہ بنادیگا کہ اسمین عرش کی صورت یون ہی منطبع ہوگی جسطرح آسمان کی۔ اجی کیسا عرش اور کیسا آسمان ایسے سمجھو کہ (یعنی محل تجلی حق سبحانہٗ بنجاؤ یگا خلاصہ یہ کہ مرشد کامل تلاش کرنا چاہئے اور ناقصین مزورین سے احتراز کرنا چاہیئے۔ واللہ اعلم بالصواب

تمت